گفتگو

17

واصف علی واصف

واصف علی واصف

گفتگو-۱۷

نام کتاب گفتگو-۱۷
مصنف .... واصف علی واصفؒ
سال اشاعت ۲۰۰۵ء
قیمت .... Rs 200

تلاش، دہر کو ہے جس ہُما کی مدت سے
تڑپ رہا ہے وہ میری شبِ فراق کے پاس

عرضِ ناشر

قبلہ واصف صاحبؒ کی محفل میں جب لوگ جمع ہو جاتے تو پھر آپ ان سے کہتے کہ کوئی سوال پوچھ لو' ایسا سوال جو آپ کی ذاتی الجھن ہو اور جس کا جواب کسی کتاب سے نہ مل سکے۔ اس کے بعد لوگ اُن سے سوال پوچھنا شروع کر دیتے۔ ان سوالوں کے جواب میں وہ جب گویا ہوتے تو صاف اور واضح نظر آتا کہ علم اور حکمت کا ایک دریا بہہ نکلا ہے جو کنارے بیٹھے ہوئے پیاسوں کو سیراب کرتا جا رہا ہے۔ جواب دینے کا ان کا اپنا ایک مخصوص طریقہ' انداز اور رنگ تھا جس کے وہ خود ہی موجد تھے۔ آپ چھوٹے چھوٹے' آسان اور سادہ جملوں کے ذریعے مشکل سے مشکل مسئلے کا حل بتا دیتے جس کو سُن کر سوال پوچھنے والے اور محفل میں باقی موجود سارے لوگ محظوظ بھی ہوتے اور ان پر ایک ایسی تاثیر مرتب ہو جاتی جو انہیں سرخوشی اور سرشاری سے آشنا کراتی۔ پھر ان کی توجہ اور تاثیر ایک غیر محسوس طریقے سے سننے والے کو اپنی گرفت اور اپنے حصار میں داخل کر لیتی۔ یہ سب کچھ اس طرح ہوتا جیسے رات کو پڑنے والی شبنم گرتی ہوئی تو نظر نہیں آتی' بس اس کا ایک ہلکا سا احساس انسان کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے اور پھر جب یہ عمل ختم ہو جاتا ہے تو صبح کے وقت گل و پات پر اس شبنم کے نشان واضح

ہو جاتے ہیں۔ محفل جب تمام ہوتی تو پھر پتہ چلتا کہ اس میں شامل شخص کو کیا نعمت ملی ہے اور وہ کس فیض سے ہم کنار ہوا ہے۔ دل کا گداز یا تو نم آنکھوں میں دیکھا جا سکتا ہے یا پھر دھیمے لہجے کی گفتگو میں۔ محفل سے محبت اور عرفان کا پیغام لے کر یہ لوگ جب واپس جاتے تو پھر ان سے دنیا والے پوچھتے کہ کیا ہوا۔ اس طرح علم، آگہی اور محبت کا یہ پیغام دوسروں تک بھی پہنچنا شروع ہو گیا۔ ان محفلوں کی ریکارڈنگ شروع ہوئی تو پھر یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ یہ کیسٹ کلام سے کتاب میں منتقل کیے جائیں۔ اس سلسلے میں ''گفتگو'' کے نام سے ہمارا ادارہ آپ کے لیے سولہ جلدیں پیش کر چکا ہے اور اب اس سلسلے کی سترہویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب بھی اپنے چاہنے والوں کے لیے حکمت اور دانائی کے نئے باب کھولنے میں مدد دے گی۔

فہرست

﴿ ۱ ﴾

﴿ ۲ ﴾

﴿ ۳ ﴾

﴿۶﴾

﴿ ۷ ﴾

۱ جب انسان اللہ سے یا اللہ کے بندوں سے کوئی وعدہ کر لیتا ہے تو کبھی پورا ہو جاتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا تو پریشانی ہوتی ہے' اس بارے میں کوئی ہدایت فرمادیں؟

۲ یہ جو ہم خواب دیکھتے ہیں ان کے بارے میں ذرا وضاحت فرمادیں۔

۳ بعض اوقات ڈراؤنے خواب نظر آتے ہیں' اس کا کیا حل ہے؟

۴ کہتے ہیں کہ اللہ کے ذکر کے بغیر اطمینان نہیں مل سکتا......

سوال :

جب انسان اللہ سے یا اللہ کے بندوں سے کوئی وعدہ کر لیتا ہے تو کبھی پورا ہو جاتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا تو پریشانی ہوتی ہے' اس بارے میں کوئی ہدایت فرمادیں؟

جواب :

اس کے بارے میں بہت دفعہ وضاحت ہو چکی ہے کہ وعدے کو پورا کرنا چاہیے اور یہ کہ وعدوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ تو وعدوں کو پورا کرنا چاہیے۔ جو بھی آپ کو بتائے گا یہی بتائے گا کہ وعدہ پورا کرنا چاہیے' چاہے وہ بندوں سے کیا ہوا وعدہ ہو' اللہ سے کیا گیا ہو یا اپنے آپ سے کیا گیا ہو یا پھر اپنے ملک سے کیا گیا وعدہ ہو۔ تو جہاں بھی کیا ہوا ہو وہ وعدہ پورا کرو اور آپ لوگوں سے وعدہ پورا نہیں ہوتا بلکہ وہ رہ جاتا ہے۔ یہ تو فرمان ہے کہ وعدہ پورا کرو۔ وعدہ ہوتا کیا ہے؟ آج کے دن' کسی آنے والے دن کے بارے میں کچھ کہنا' وعدہ ہے۔ آپ آج کے دن یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ آنے والے دن یعنی کل ایسا ہو گا۔ پھر آنے والا دن آتا ہے تو کوئی اور ہی کہانی لے کر آتا ہے' اور واقعہ ہو جاتا ہے۔

پھر آپ کہتے ہیں کہ ہم نے جب وعدہ کیا تھا تو حالات یہ نہیں تھے' اس وقت مَیں مَیں نہیں تھا اور تُم تُم نہیں تھے' تم بھی ایک سال بڑے ہو گئے اور میں بھی ایک سال Advance ہو گیا اور زمانہ بھی ایک سال آگے نکل گیا۔ اس زمانے میں ایک سال میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں ان کی وجہ سے وہ وعدہ جو ہے وہ وعدہ نہیں رہا۔ تو اصل میں جو وعدہ ہوتا ہے وہ آپ Subject to the condition حالات کے مطابق بیان نہیں کرتے۔ اس وقت آپ اس شرط کے ساتھ یہ نہیں کہتے کہ Present condition' موجودہ حالات اگر استقامت کے ساتھ قائم رہے' آپ کا آج کا ذہن وہی ذہن رہا' آپ کے حالات بھی وہی حالات رہے اور آپ بھی اپنے حالات میں قائم رہے اور گردوپیش بھی اس حالت میں رہا تو پھر عین ممکن ہے کہ کل آپ اپنا وعدہ پورا کریں۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ میں کل آؤں گا اور پھر آپ کل نہیں آئے تو یہ تو بُری بات ہے' وعدہ خلافی ہے۔ تو وہ کہتا یہ ہے کہ جب میں نے وعدہ کیا تھا تو وہ مستقبل کے بارے میں میرا ارادہ تھا کہ اگر میرے حالات سازگار ہوئے اور مجھے بھوک لگی رہی تو تمہارے ہاں کل کھانا کھانے کی جستجو کروں گا۔ آج تم نے کھانا پکا لیا اور آج ہی اُسے بھوک نہیں ہے' س لیے آج وعدہ پورا ہونے کا امکان نہیں ہے۔ ایک بزرگ کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے کسی مرید کے ساتھ وعدہ کر لیا' 'Out of natural love کہ کل ہم آپ کے ہاں کھانا کھائیں گے۔ وہ بیچارہ غریب آدمی تھا اور اس کے گھر میں بڑے کم وسائل تھے' اس نے کچھ اثاثہ بیچا' سامان اکٹھا کیا اور کھانا پکا یا۔ مگر پیر صاحب بھول گئے' کسی اور کام میں لگ گئے' اُسے اتنی اہمیت نہ دی۔ غریب کے لیے جو کُل کائنات تھی وہ اس نے کھانا پکا دیا۔ دوسرے دن پیر

صاحب کو یاد آیا تو انہوں نے کہا کل یاد نہیں آیا لیکن آج کھانا کھانے آؤں گا۔ ان کا تو پہلے ہی اُجاڑ خانہ ہو گیا تھا' دونوں میاں بیوی نے سوچا اب کیا کیا جائے۔ بیوی نے کہا اب تو کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا' جو بچا کھچا ہے وہی دے دو۔ پیر صاحب نے نہیں کھایا۔ ان دونوں نے کھانا رکھ دیا اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کو دکھائیں گے کہ پیر صاحب نے کھانا نہیں کھایا۔ پیر صاحب نے بڑا مائنڈ کیا اور افسوس کا اظہار کیا کہ تمہیں تمیز نہیں ہے' خیال نہیں ہے۔ اور پھر وہ واپس گھر چلے گئے۔ اُس سال وہ پیر صاحب حج پر گئے تو وہاں پر ان کو اللہ کی طرف سے وارننگ اور آواز آئی کہ تمہارا حج قبول نہیں ہوگا۔ انہوں نے پوچھا میرا حج کیوں قبول نہیں ہوگا؟ آگے سے جواب ملا کہ پہلے وہ کھانا کھا کے آؤ جو تم نے انکار کیا تھا۔ اور پھر وہ بھاگے دوڑے آئے اور پوچھا کیا اُس کھانے کا کوئی ٹکڑا پڑا ہے۔ وہ انہوں نے کھایا اور پھر حج قبول ہو گیا۔ اگر تمہارا وعدہ پورا نہ کرنا دوسرے کو اذیت دے تو تمہاری عاقبت درست نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر آگے سے کوئی سخی آدمی ہو جو Mind نہ کرے تو یہ اور بات ہے۔ اس لیے کبھی ''حسابی'' آدمی کے ساتھ وعدہ نہ کرنا اور بے حساب آدمی کے ساتھ وعدہ کر لینا۔ اس کے ساتھ وعدہ پورا نہ بھی کیا تو وہ کہے گا کہ کوئی بات نہیں' کہیں مصروف ہو گیا ہو گا۔ اور اس طرح وہ معاف کر دیتا ہے۔ جس کے ساتھ وعدہ کیا جائے تو سب سے پہلے اس کے کردار کو دیکھنا چاہیے۔ اگر وہ شخص اللہ کے پاس زیادہ شکائتیں لگانے والا ہے تو اس کے ساتھ وعدہ نہ کرنا۔ کہتے یہ ہیں کہ کامیاب انسان تھوڑے وعدوں والا انسان ہے۔ زیادہ وعدوں کے پھیلاؤ سے یہ ہو گا کہ کسی وعدے کا کسی دوسرے وعدے سے Clash ہو جائے گا...... اگر آپ نے اپنے آپ کے ساتھ آرام کا وعدہ کیا ہوا

ہے اور کسی سے یہ وعدہ بھی کیا ہوا ہے کہ تیرے ساتھ سفر کروں گا تو سفر اور آرام میں بڑا فرق ہے۔ لازمی بات ہے کہ پھر وعدوں میں تضاد پیدا ہو جائے گا۔ وعدے اس وقت پورے نہیں ہوتے جب تضاد پیدا ہو جائے' صحت کے اندر بیماری پیدا ہو جائے' موجود واقعات کے اندر کوئی اور حالات پیدا ہو جائیں۔ اس لیے وعدہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ اس کائنات میں صرف ایک وعدہ ایسا ہے جو ہمیشہ پورا ہوگا۔ اس کے لیے خود اس نے فرما دیا انا وعداللہ الحق یعنی ہمارا وعدہ حق ہے۔ اور یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ کان وعدہ مفعولا یعنی اللہ کا وعدہ پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔ تو اللہ کا وعدہ پورا ہوتا ہے اور بندے کا وعدہ پورا نہیں ہوتا کیونکہ اس نے Exception بتا دی ہے کہ میرا وعدہ حق ہے اور میرا ہی وعدہ پورا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے وعدے پورے نہیں ہو سکتے کیونکہ تم زمین و آسمان کے حصار میں ہو' وقت کی تیز رفتاری میں ہو' تم حالات کی گرفت میں ہو' تم دوسرے آدمی کی زد میں ہو' تم پریشانی کے عالم میں ہو اور تمہیں پتہ نہیں ہے کہ کل کو کیا حالات پیدا ہو جائیں۔ تو تم ایک کام تو کر سکتے ہو کہ تم اپنے وعدوں میں کمی کر دو' زیادہ وعدے نہ کیا کرو' خاص طور پر کہیں آنے جانے اور کسی کو کہیں لے جانے کا وعدہ نہ کیا کرو۔ پھر استاد اور شاگرد کا وعدہ آتا ہے۔ استاد کا وعدہ ہے کہ میں تمہیں پاس کرا دوں گا۔ جب شاگرد پاس نہ ہوا تو وہ استاد کے پاس چلا گیا کہ آپ نے پاس کروانے کا وعدہ کیا تھا مگر میں تو پاس نہیں ہوا۔ استاد نے کہا میں نے تو شاگرد کی حیثیت سے یہ کہا تھا مگر تم تو گستاخ ہو...... جب ہم دوسروں کو وعدہ یاد دلاتے ہیں تو یہ بھول جاتے ہیں کہ اس میں ہمارے لیے کیا پابندی تھی۔ جب دو دوست وعدہ کرتے ہیں تو اس میں شرط ہے کہ اگر دوستی قائم رہی تو ہم ایسا کام کریں گے

اور جب دوستی ہی نہ رہی تو وعدہ کیسے رہ گیا۔ جب آپ ان باتوں کا تجزیہ نہیں کرتے تو پریشان ہوجاتے ہیں۔ تو ایمانداری کے ساتھ وعدہ کیا جائے اور حالات کی استقامت کے ساتھ پورا کیا جائے اور دوسرا شخص اچھی طرح وعدے کا انتظار کرے' اگر وہ شخص وعدہ پورا نہ کرسکے تو پھر دل سے معاف کردے۔ ورنہ تو وعدے سے بلا سبب ایک اور بندش پیدا ہو جائے گی۔ پہلے ہی سے اُسے حالات کی گرفت ہے' دن رات کی گرفت ہے' بیماری کی گرفت ہے' بچوں کے پرابلم ہیں' دوسروں کے پرابلم ہیں بلکہ بے شمار پرابلم ہیں اور درمیان میں آپ ایک اور آرے میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں یعنی وعدہ کر لیتے ہیں کہ ایسا کریں گے' بچوں کی شادیاں کریں گے ...... بچوں کی شادیاں ان کی مرضی سے ہوتی ہیں یا ماں باپ کی مرضی سے؟ آپ بچوں کو سمجھتے ہیں کہ بچے ہماری پراپرٹی ہیں لیکن وہ اپنا کردار لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے پھر آپ کا دوسروں کے بارے میں جو وعدہ ہے کہ ایسا واقعہ وہاں سے ہو جائے گا تو ہوسکتا ہے کہ پورا ہو یا نہ ہو۔ اس لیے جو لوگ اللہ کے قریب ہوں صرف ان کا وعدہ پورا ہوتا ہے۔ یہ فیض ہوتا ہے کہ جو اللہ والے ہوتے ہیں ان کا وعدہ پورا ہوتا ہے' اللہ کا وعدہ پورا ہوتا ہے اور اللہ کے حبیب پاک ﷺ کا وعدہ پورا ہوتا ہے۔ تاریخ کا' سیرت پاک کا پورا ریکارڈ ہے کہ ایک آدمی نے آپؐ سے کہا کہ یہاں ٹھہریں اور میں ابھی آتا ہوں۔ اُس کے بعد وہ آدمی بھول گیا' دو دن گزر گئے۔ کوئی ایک دن لکھتا ہے' کوئی دو دن اور کوئی تین دن' آپؐ وہیں کھڑے رہے۔ جب وہ آدمی آیا تو آپؐ نے غصہ نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ تم نے مجھے بڑی تکلیف دی ہے' تم خیال کرتے تو یہ تکلیف نہ ہوتی۔ تو صرف اللہ کا وعدہ پکا ہے' اس کے محبوب ﷺ کا وعدہ پکا اور ان

کے محبوبوں کے وعدے بھی پکے۔ بعض اوقات آپ لوگوں کو سمجھ نہیں آتی کہ انہوں نے کیا وعدہ کیا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں تمہارے لیے بہتری ہو جائے گی۔ بعد میں وہ شخص کہتا ہے کہ آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ تیرے ساتھ بہتری ہو جائے گی مگر میرے لیے تو یہ عذاب آ گیا ہے۔ تو وہ سٹپٹا جاتا ہے اور گھبرا جاتا ہے کہ بیماری آ گئی' مصیبت آ گئی' پیسے کم ہو گئے' حالات بڑے خراب ہو گئے۔ اس طرح گلہ شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن اصل میں یہ تھا کہ جو پیسہ تمہیں ظالم بنا رہا تھا وہ کم ہو گیا' اس طرح تو تم رحم دل ہو جاؤ گے' اللہ کی طرف سرنگوں ہو جاؤ گے۔ اس لیے ان بزرگوں کی اپنی کاروائی ہوتی ہے کہ وہ کس کس طرح وعدہ پورا کرتے ہیں' ان کا اپنا Form' طریقہ ہوتا ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ یوں بات پوری ہو گی مگر وہ اصل میں اور طرح سے پوری ہو گئی...... بعض اوقات کامیابی منزل پر لے جاتی ہے اور بعض اوقات ناکامی منزل پہ لے جاتی ہے۔ ناکامی منزل پہ کیسے لے جاتی ہے؟ ناکامی جب دُکھ اور افسوس بنتا ہے تو اس افسوس کا تعلق اللہ سے ہو جاتا ہے۔ عام طور پر اللہ سے متعلق ہونے کے لیے خوشی بھی ایک راستہ ہے لیکن غم تو اس کا پکا راستہ ہے۔ غم اس وقت پیدا ہو گا جب خوشیاں ختم ہوں گی۔ تو غمگین انسان اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ پہلی کوشش یہ کیا کرو کہ وعدہ پورا کرو۔ دوسری کوشش یہ کیا کرو کہ جو وعدہ پورا نہ کر سکے اس شخص کو معاف کر دیا کرو۔ تو یہ دو کام کیا کرو' کہ اگر آپ نے وعدہ کیا ہے تو اُسے پورا کرو اور اگر دوسرے نے کیا ہے تو اُسے معاف کر دو کہ شاید اس کے حالات میں گنجائش نہیں تھی۔ اس طرح آپ کو سخاوت کا درجہ مل جائے گا اور احسان کا درجہ مل جائے گا۔ اور اپنا وعدہ پورا کرنے میں آپ کو صداقت کا درجہ مل جائے گا۔ یہ دونوں درجے اچھے ہیں۔

وعدہ پورا کر دو تو صداقت ہے اور معاف کر دو تو یہ سخاوت ہے۔ تو وعدہ پورا کرنے میں دھیان کر لیا کرو کیونکہ وعدہ ایک قسم کے برابر ہے۔ اگر وعدہ پورا نہ کر سکو تو وقت سے پہلے اسے اطلاع کر دو کہ میں نے وعدہ کیا تھا کہ شام کو آؤں گا مگر اب نہیں آ سکتا اور تمہیں اطلاع دیتا ہوں تا کہ تم پابند نہ رہو۔ اگر آپ اطلاع بھی نہ دیں، نظر انداز بھی کر دیں، آپ کو وعدہ بھی یاد نہ ہو، پھر بھی وعدے کرتے جاؤ تو یہ تو بے وفاؤں والی بات ہے، جھوٹ والی بات ہے۔ وعدوں کی کثرت جھوٹے آدمی کا کام ہے۔ یہ تو بادشاہوں کا کام ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم یہ کر دیں گے، وہ کر دیں گے، تمہاری زندگی میں انقلاب پیدا کر دیں گے، تمہیں بھی بادشاہ بنا دیں گے۔ بادشاہ جب یہ کہتا ہے کہ تمہیں بھی بادشاہ بنا دیں گے تو وہ کبھی دوسرا بادشاہ نہیں بنائے گا بلکہ رعایا بنائے گا۔ رعایا یہ سمجھتی رہتی ہے کہ وہ ہمیں بادشاہ بنائے گا ہمیں کپڑا روٹی اور مکان کے ساتھ بہت کچھ مل جائے گا اور ہماری زندگی میں انقلاب آ جائے گا مگر آپ دیکھیں کہ امیر ہمیشہ ہی امیر رہا اور غریب، غریب ہی رہا اور محنت کرنے والا محنت کرتا رہا۔ ہر چیز ویسے کی ویسے ہے، فرعون ہیں تو اُن کے لیے موسیٰ علیہ السلام جیسے بھی ہیں۔ امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں غریبی بھی ہے۔ دوائیاں، میڈیسن ترقی کر رہی ہے اور بیماریاں بھی اپنی جگہ پر ترقی کر رہی ہیں۔ ہر چیز، ہر اذیت آج تک موجود ہے، آج کل ۱۹۸۷ء کا سال گزر رہا ہے اور اس سے پہلے کتنے قرن ہا قرن گزر گئے، کروڑ ہا سال گزر گئے، دنیا Advance ہو گئی، تہذیب بڑھ گئی مگر آج بھی دنیا میں اَن پڑھ آدمی ہیں۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آدھے سے زیادہ لوگ اَن پڑھ ہیں۔ آج بھی لوگ انگوٹھا لگاتے ہیں۔ دنیا بڑی ترقی کرتی جا رہی ہے اور آج ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے ہوائی

جہاز کا سفر نہیں کیا بحری جہاز کا سفر نہیں کیا' بے شمار لوگوں نے سمندر کا سفر نہیں کیا۔ زندگی کا یہ عالم ہے۔ ایسے لوگ بھی آج کل ہیں جنہوں نے ٹرین نہیں دیکھی۔ آج کل اس ترقی یافتہ دور میں لوگ بسوں کے سفر کے لیے جاتے ہیں لیکن بسوں کا ٹکٹ نہیں ملتا۔ کون سی پسماندگی ہے جو آج نہیں ہے۔ تو ہر چیز ہر لمحہ موجود پائی جائے گی۔ آج بھی ظالم موجود ہوگا اور اس ترقی یافتہ دور میں آج بھی مظلوم ہوگا' آج بھی اَن پڑھ موجود ہوں گے' پڑھے لکھے بھی ہوں گے' دانا بھی ہوں گے اور نادان بھی ہوں گے۔ یہ سقراط کے زمانے کی بات نہیں ہے کہ وہ دانا تھا اور باقی نادان تھے۔ نادان آج بھی نادان ہیں۔ اس دنیا میں نہ اضافہ ہوتا ہے اور نہ کمی ہوتی ہے' مجموعی طور پر علم اُتنا ہی رہتا ہے جتنا نازل فرمایا گیا ہو۔ تو اُتنا ہی علم نازل ہوتا ہے اور اُتنی ہی جہالت نازل ہوتی ہے۔ جتنی راتیں نازل فرمائی گئیں اتنے دن نازل فرمائے گئے۔ تو راتیں اور دن برابر ہیں' ظلمات اور نُور میں توازن چلا آ رہا ہے۔ آپ جتنا زور لگا لیں لیکن آپ شہر میں سے غریب لوگ ختم نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگ کون سے شہر میں نہیں ہیں۔ یہ ہر جگہ ہیں۔ آپ بظاہر چھپا دیتے ہیں لیکن پھر دیوار کے پیچھے وہی کہانی رہتی ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ یہ کائنات ایسی ہے...... ان سارے واقعات کے اندر آپ کی تبدیلی کی خواہش جو ہے وہ وعدہ بنتی ہے کہ ہم ترقی کر لیں گے اور تمہیں بھی ترقی تک پہنچا دیں گے۔ لیکن آپ اُسے ترقی پر نہیں پہنچا سکتے اور وہ لوگ ویسے کے ویسے رہتے ہیں۔ اگر وعدہ پورا نہ ہو سکے تو جس سے وعدہ کیا تھا اس سے معافی ضرور مانگ لینا ورنہ آپ قیامت کے دن جواب دہ ہوں گے...... تو فیصلہ کیا ہوا؟ وعدہ پورا کرو' یا معذرت کر لو ورنہ جواب دہ ہو جاؤ گے' یا پھر توبہ کر لو' وعدہ پورا نہ ہو سکے تو

تین روزے رکھو، خیرات کرو، غریبوں کو کھلاؤ ...... یہ سب اس لیے ہے تاکہ آپ کے وعدوں میں سچ پیدا ہو جائے ...... کہتے یہ ہیں کہ اگر کوئی سچا وعدہ کرنے والا ہو اور وہ کبھی جھوٹا وعدہ کر لے تو حالات ایسے ہو جائیں گے کہ اس کا وہ وعدہ بھی پورا ہو جائے گا۔ مثلاً اگر وہ کہتا ہے کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ بارش ہو جائے گی تو پھر خود بخود ہی بارش ہو جائے گی۔ اس کے جھوٹے وعدے کو بھی اللہ تعالیٰ پورا کر دیتا ہے کیونکہ اس کی زبان میں تاثیر آ جاتی ہے۔ بابا فرید گنج شکرؒ کا واقعہ ہے کہ جب آپ چھوٹے بچے تھے تو آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو نماز کا عادی بنانے کے لیے ایک طریقہ اختیار کیا اور کہا کہ جو بچہ نماز پڑھتا ہے اس کو مصلّے کے نیچے سے شکر ملتی ہے۔ آپ ہر نماز سے پہلے مصلّے کے نیچے شکر رکھ دیا کرتی تھیں۔ جب بابا صاحبؒ نماز پڑھ لیتے تو مصلّے کے نیچے سے شکر مل جاتی اور آپ خوش ہو جاتے۔ وہ یہ اس لیے کرتی تھیں تاکہ نماز کی عادت پڑ جائے۔ ایک دفعہ ایسا واقعہ ہوا کہ آپ کی والدہ ماجدہ شکر رکھنا بھول گئیں۔ بچہ مصلّے پر چلا گیا تو ماں کو یاد آیا، انہوں نے سوچا کہ آج اگر شکر نہ ملی تو پھر بچہ نماز چھوڑ دے گا۔ ماں نے پھر دعا کی کہ یا اللہ تو بچ کر، ہم سے تو غلطی ہو گئی، تو اب مہربانی فرما۔ بابا صاحبؒ نے مصلّی اٹھایا تو نیچے شکر پڑی ہوئی تھی ...... اس دن کے بعد آپ کا نام گنج شکر ہو گیا۔ ''گنج شکر'' کا ایک جواز یہ بھی ہے۔ گنج شکر کا مطلب ہے مٹھاس کا خزانہ، زبان کی مٹھاس اور گفتگو کا خزانہ۔ ایک اور واقعہ یہ ہے کہ شکر سے لدا ہوا ایک قافلہ جا رہا تھا۔ بابا صاحبؒ جنگل میں اپنی کیفیت میں جا رہے تھے۔ انہوں نے قافلے کے سالار سے پوچھا کہ کیا لے کے جا رہے ہو۔ اس نے کہا نمک۔ اس میں تھی تو شکر۔ آپؒ نے فرمایا پھر نمک ہی ہو گا۔ آگے جا

کے اس نے دیکھا تو سب اونٹوں پر نمک ہی تھا۔ نمک سستا ہوتا تھا اور شکر مہنگی تھی۔ وہ دوبارہ بابا صاحبؒ کے پاس سے گزرا تو آپؒ نے پوچھا کیا لدا ہوا ہے۔ اُس نے کہا شکر ہے۔ آپؒ نے کہا شکر ہی ہوگی۔ تو وہ شکر بن گیا ...... اس لیے اگر کوئی سچا وعدہ کرے، سچا وعدہ کرنے کی اُسے مسلسل عادت ہو تو کبھی اچانک کوئی اور وعدہ ہو جائے تو اس میں سچائی کا ایسا پہلو پیدا ہو جاتا ہے کہ خود بخود حالات بدل جاتے ہیں اور وعدہ پورا ہو جاتا ہے۔ اگر آپ نے اپنی غریبی کی حالت میں کسی سے وعدہ کیا کہ میں تمہاری Financial مالی مدد کروں گا، وعدہ دل سے کیا گرچہ آپ غریب تھے، اب آپ کا وعدہ اس طرح پورا ہوگا کہ اللہ آپ کے حالات کو بدل دے گا۔ تو یہ نیت کی بات ہوتی ہے اور استقامت کی بات ہوتی ہے۔ وعدوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا کہ تم نے وعدہ کیوں کیا تھا۔ اس لیے اچھا آدمی وہی ہے جو کم سے کم وعدے والا ہو۔ تو آپ کم سے کم وعدے کیا کریں۔

سوال:

یہ جو ہم خواب دیکھتے ہیں ان کے بارے میں ذرا وضاحت فرما دیں۔

جواب:

جو چھوڑی ہوئی منزل ہوتی ہے، جو بھولا ہوا سفر ہے، جو گزرا ہوا زمانہ ہے، وہ جب گزر جاتا ہے تو کہیں نہ کہیں محفوظ رہتا ہے۔ خواب میں اُسے دہرا لیا جاتا ہے۔ تو بھولی ہوئی منزل کبھی نہ کبھی آپ کے سامنے پھر سے گزر جاتی ہے، گزرا ہوا زمانہ خواب میں پھر سے گزر جاتا ہے۔ کبھی آپ خواب میں خود کو بچہ دیکھتے ہیں حالانکہ آپ کا بچپن ختم ہو گیا۔ پھر کبھی اپنے والد کو دیکھا حالانکہ وہ اب

نہیں ہیں۔ تو خواب میں گذرا ہوا زمانہ پھر سے گذر سکتا ہے۔ وہ خیال جو الجھن ہو اور سمجھ نہ آئے اُسے بعض اوقات اللہ اپنے فضل سے سمجھا دیتا ہے' آپ کی روح کے ذریعے یہ سمجھ آتا ہے اور آپ اچانک خواب میں دیکھتے ہیں کہ یہ واقعہ یوں ہے۔ پھر آپ کو اس کا نتیجہ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ تو خواب میں حالات کی جو پریشانی ہے وہ حل ہو سکتی ہے۔ بعض اوقات خواب میں آنے والے زمانے کے حالات ہوتے ہیں' مثلاً یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے سورج اور چاند انہیں سجدہ کر رہے ہیں۔ تو پھر خواب کی تعبیر بھی آ جاتی ہے۔ تو خواب جو ہے وہ مستقبل کے بارے میں ہو سکتا ہے' ماضی کے بارے میں ہو سکتا ہے اور حال کے بارے میں ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات آپ کے دل کے آئینے پر خواب کے ذریعے کہیں اور سے عکس آ جاتا ہے۔ کچھ خواب یاد رہتے ہیں اور کچھ نہیں ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خواب اگر تعبیر کا انتظار کرے تو خواب کو یاد رکھنے کا کیا فائدہ۔ مثلاً کسی نے خواب دیکھا کہ وہ بادشاہ بننے والا ہے۔ اب جو خواب میں بادشاہ بنا اور وہ واقعی بادشاہ بن جائے گا تو وہ اب کیا کرے گا؟ اب تعبیر کا انتظار کرے گا۔ وہ خواب جو اپنی تعبیر کا انتظار کرائے اس کا ذکر کیا کرنا۔ تو آپ تعبیر کو دیکھیں' خواب نہ دیکھیں ...... بہرحال خواب آپ کی صداقتوں کا اعلان ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خواب کے ذریعے انسان پر بہت سارا عالم آشکار کرتا ہے۔ خواب کے بعد نسیان کا ہو جانا ایسے ہے جیسے خواب نہ دیکھا ہو۔ تو وہ خواب یاد رکھنے کے لیے نہیں تھا۔ تو دو باتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ نے خواب دیکھا اور یاد نہ رہا' اور دوسری بات یہ ہے کہ خواب یاد تھا مگر اظہار کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ دیکھ لیا کریں کہ کہاں خواب سنانا ہے اور کس کو نہیں

بتانا۔ ہزاروں خواب ہوتے ہیں جو انسان بیان نہیں کر سکتا حالانکہ وہ اچھے خواب ہوتے ہیں۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ میں خواب بھول گیا تو یہ اور بات ہے۔ اگر یاد ہے تو ٹھیک ہے' تعبیر معلوم ہے تو اس پہ عمل کرو اور اگر تعبیر معلوم نہیں ہے تو تعبیر کا انتظار کرو۔ خواب کی زندگی اور چیز ہے' زندگی کا خواب اور ہے۔ ان میں فرق ہے۔ اگر خواب میں آپ کو کسی سوال کا جواب نہیں مل سکا تو پھر اگلے خواب میں وہ جواب آ سکتا ہے۔ تو خواب کا جواب بیداری میں نہیں ملے گا۔ خواب کی بات کو خواب تک رکھو' اس کا مقام اور ہے اور زندگی کا مقام اور ہے۔ اگر آپ نے خواب میں اپنے آپ کو مرا ہوا دیکھا تو آپ کو مبارک ہو۔ اب اس کا خوف نہ کرنا' کانپنے نہ لگ جانا۔

سوال:

بعض اوقات ڈراؤنے خواب نظر آتے ہیں' اس کا کیا حل ہے؟

جواب:

ڈراؤنے خواب کے ذریعے انسان کا بہت سارا کچھ اس پر آشکار ہوتا ہے۔ بعض اوقات انسان خود کو عابد سمجھتا ہے لیکن اصل میں وہ ہوتا نہیں ہے۔ پھر اُسے ڈراؤنے خواب سے بات سمجھ آتی ہے۔ بعض اوقات رزق میں ملاوٹ پیدا ہو جاتی ہے تو ڈراؤنے خواب نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ اچھا خواب بڑی عطا ہے' یہ رزق کی قسم ہے۔ بعض اوقات معدہ زیادہ Stuff ہو جائے' بھر دیا جائے تو ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔ بعض اوقات یہ آنے والے وقت کے بارے میں اطلاع ہوتی ہے۔ جب خواب ڈراؤنے ہونے لگ جائیں تو آپ باوضو ہو کے سو جایا کریں۔ نیند کو عبادت بنانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ باوضو سو جایا

کریں۔ درود شریف پڑھ کے سوئیں تو ڈراؤنے خواب نہیں آئیں گے۔ ڈراؤنا خواب ایک وارننگ ہے کہ آپ کی زندگی میں کوئی پیچیدگی ہے۔ یہ پیچیدگی خوراک کی شکل میں ہو سکتی ہے' رزق کی شکل میں ہو سکتی ہے اور آپ کے ساتھیوں کے کردار کی شکل میں ہو سکتی ہے۔ تو یہ تین چیزیں ہیں جو ڈراؤنے خواب کی وجوہات ہیں۔ یعنی آپ کے رزق کا معاملہ صحیح نہیں ہے' جو خوراک آپ نے کھائی وہ صحیح نہیں ہے اور آپ کے اردگرد آپ کے ساتھیوں میں پاکیزگی نہیں ہے۔ ان باتوں کا خیال رکھیں تو ڈراؤنے خواب نہیں آئیں گے۔

سوال:

کہتے ہیں کہ اللہ کے ذکر کے بغیر اطمینان نہیں مل سکتا......

جواب:

یہ بات حق ہے کہ اللہ کے ذکر کے بغیر اطمینان نہیں آ سکتا۔ آپ یہ غور کریں کہ اللہ کا ذکر ہے کیا؟ زندگی کی بے اطمینانیوں سے ہٹ کے اللہ کا سفر کرنا ہی ذکر ہے۔ زندگی میں دو چیزیں پریشان کرتی ہیں' نفع اور نقصان' سود و زیاں۔ اگر آپ نفع اور نقصان سے علیحدہ ہو جائیں تو اللہ سے تعلق شروع ہو جاتا ہے۔ جو شخص اللہ کے تعلق کے ساتھ راضی ہو گیا اس میں اطمینان پیدا ہو گیا۔ تعلق سے اگر کوئی غریب رہے تو بھی تعلق قائم رہنا چاہیے اور امیر بن جائے تو بھی تعلق ہو۔ اگر آپ اللہ تعالیٰ سے اپنی آرزوؤں کا سلسلہ بیان نہ کریں' ضروریات کا سلسلہ بیان نہ کریں' اپنی تکالیف کی باتیں نہ کریں' راحت کے تقاضے نہ کریں تو پھر آپ کے ذکر کا رزق شروع ہو جائے گا۔ ذکر کا ایک درجہ ہے فکر کرنا' غور کرنا اور آنے والے زمانوں پر نگاہ رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

اقم الصلٰوۃ لذکری یعنی میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو۔ تو ذکر جو ہے یہ اطمینان کا باعث ہے۔ اس کی پوری ایک تشکیل بھی ہے کہ ذکر جو ہے وہ وجود کے لطائف میں سے ہوتا ہے' پھر مقامِ روح ہے' مقامِ سِرّ ہے' اخفیٰ ہے' خفی ہے' یعنی یہ اندر کے لطیف مقامات ہیں' کہ ذکر کہاں کہاں نازل ہوتا ہے' جب آپ اللہ کے اسم کا تصور کرتے ہیں تو پھر جب ایک تصور آ جائے تو باقی سب غائب ہو جاتے ہیں۔ رانجھے اور ہیر کا واقعہ آپ نے سنا ہوگا۔ کیا کبھی رانجھے نے کسی سے کہا ہے کہ مجھے کسی ایمپلائمنٹ ایکسچینج کے ذریعے نوکری دی جائے۔ نوکری اس کا سوال ہی نہیں ہے۔ رانجھا جب بال ناتھ کے ٹیلے پر گیا تو اس جوگی نے کہا کہ تو بڑا اچھا آدمی ہے' تجھے آج ہم سادھو بناتے ہیں' فقیر بناتے ہیں۔ تو رانجھے نے کہا مجھے فقیر نہ بناؤ کیونکہ میں تو ہیر کا فقیر ہوں ...... یکسوئی کا سفر اطمینان کا باعث ہوتا ہے چاہے انسان تکلیف سے ہی گذر جائے۔ یکسوئی ہوتی ہی اس لیے ہے کہ انسان کے خیال سے کثرت نکل جائے۔ جب آپ اللہ کے ذکر کا نام لیتے ہیں تو اس ذکر کی پہلی بات اور پہلی کیفیت یہ ہے کہ ما فی قلبی غیر اللہ یعنی نہیں ہے میرے دل میں اس وقت اللہ کے علاوہ بھی کوئی شئے' اور نہیں رہے گی میرے دل میں اللہ کے علاوہ کوئی شے۔ اللہ آئے' تو اللہ' اللہ جائے' تب اللہ' اللہ دے تب ہم راضی اور اللہ نہ دے تب ہم راضی۔ اب غیر اطمینان کیا ہوا؟ غیر اطمینان جو ہے وہ خواہش کا نام ہے۔ خواہش کو آپ اللہ کی راہ میں قربان کریں جیسے بکرے کو ذبح کرتے ہیں تو پھر اطمینان ہی اطمینان ہے۔ اگر آپ یہ مان لیں کہ دنیا کو چھوڑ دینا ہے' یہاں سے نکل جانا ہے تو پھر اطمینان ہی اطمینان ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ تم میرا ذکر کرو' میں تمہارا ذکر کرتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم

دنیا کے اندر رہنے کی تمنا چھوڑ دو تو پھر تم اللہ کی طرف چلے جاؤ گے۔ اور یہ ذکر ہی ذکر ہے۔ یہاں کی ہر چیز آپ کو پریشان کرے گی، حاصل بھی پریشان کرے گا اور محرومی بھی پریشان کرے گی۔ تو زندگی ہے ہی ایسے کہ حاصل نے بھی بڑا پریشان کیا اور محرومی نے بھی بڑا پریشان کیا۔ ہر حال میں زندگی پریشان رہی ہے، یہ تخت پر بیٹھ کر سسکیاں بھرتی رہی ہے۔ زندگی تخت پر بھی پریشان رہی ہے اور زندگی جیل میں بھی پریشان رہی ہے۔ جب آپ غریب تھے تو بھی پریشان تھے اور اب چار پیسے آ گئے ہیں تو بھی پریشان ہیں۔ آپ کبھی راضی نہیں ہوئے۔ وہ شخص جو مسلسل مستقبل کے انتظار میں ہوتا ہے وہ کبھی راضی نہیں ہوگا۔ اور اللہ کا ذکر صرف حال ہے That's all! نہ اس کا کوئی ماضی ہے اور نہ اس کا کوئی مستقبل ہے۔ اگر کسی کو بادشاہ کا قرب مل گیا اور اُس نے بادشاہ سے یہ سوال کر دیا کہ میرے حالات درست کرو تو وہ کمزور آدمی ہے۔ جب شہنشاہ کا قرب مل گیا تو یہ کافی بات تھی۔ اگر آپ اللہ کو یاد کر رہے ہیں تو غیر از یادِ الٰہی کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے۔ پھر یہ آپ کے اطمینان کا باعث ہوگا۔ جو اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں ان کی کوئی جائیداد ہوتی نہیں۔ اگر آپ ذکر کرنے والے ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے یہ اعلان کرو کہ یا اللہ ہم اپنی جائیداد سے دست بردار ہوتے ہیں، یا اللہ ہم اپنی اولادوں سے دست بردار ہوتے ہیں، اپنے وجود سے دست بردار ہوتے ہیں، اپنے ہونے سے دست بردار ہوتے ہیں، اپنے نہ ہونے سے دست بردار ہوتے ہیں اور ہمارا ہونا اور نہ ہونا سب اللہ کے حوالے ہے۔ تو آپ زمان و مکان سے آزاد ہو جائیں گے اور لامکاں میں پہنچ جائیں گے، لاضرورت میں پہنچ جائیں گے۔ اس کے علاوہ اور اطمینان کیا ہوتا ہے۔ یہی ذکر ہے۔ تو ذکر واحد چیز ہے جو

آپ کو آپ کے نفس کے شر سے بچاتی ہے۔ تو ذکر آپ کے اطمینان کا باعث ہے۔ اطمینان کب ہوتا ہے؟ جب دو چیزیں نکل جائیں' تقاضہ نکل جائے اور گلہ نکل جائے۔ اب آپ اپنی زندگی کا جائزہ لیں۔ اگر آپ کو اللہ تعالیٰ قریب سے مل جائے تو کیا کوئی تقاضہ کرو گے اور کیا کوئی گلہ کرو گے؟ اگر گلہ نکل جائے' تقاضہ نکل جائے' اپنے حالات کی بہبود کی خواہش نکل جائے اور جو وہ کر رہا ہے اس پر راضی رہا جائے تو راضی رہنے کا نام اطمینان ہے اور یہی ذکر کی ابتدا ہے۔ ذکر کا پہلا فقرہ یہ ہے کہ مافی قلبی غیر اللہ کہ میرے دل میں اللہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ ذکر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ اس کے خیال میں محو ہو جاؤ اور اس کے خیال میں ایسے محو ہو جاؤ کہ اس کے علاوہ اور کوئی چیز یاد نہ رہے ۔

منم محوِ خیالِ اُو نمی دانم کجا رفتم
شدم غرقِ وصالِ اُو نمی دانم کجا رفتم

میں اس کے خیال میں ایسا محو ہوا کہ یہ پتہ ہی نہیں چلا کہ میں کہاں سے کہاں چلا گیا۔ تو اس کا خیال بے چین رکھے گا لیکن یہ اطمینان ہو گا۔ بے چین اس طرح رکھے گا کہ آپ اس کے خیال میں جاگ رہے ہوں گے' پھر آپ بول رہے ہوں گے' ہنس رہے ہوں گے' پھر کہتے ہیں کہ عینان تجریان یہ جنت کی کیفیت ہے کہ جاری رہنے والے چشمے' عین۔ ''عین'' چشمے کو بھی کہتے ہیں اور آنکھ کو بھی کہتے ہیں۔ جاری رہنے والی آنکھیں جو ہیں یہ اللہ کا ذکر ہیں۔ تو اللہ کا ذکر اطمینان کا باعث ہوتا ہے۔ آپ کو آپ کی خواہشات سے آزاد کرنے والا ذکر' اللہ کا ذکر ہے' اللہ والوں کا ذکر ہے۔ آپ کثرت سے ذکر کیا کرو۔ یہ ضروری ہے۔ آج کی دنیا کی پریشانیوں کا یہ علاج ہے۔ آج کے انسان کی پریشانی ہے پیسے کا تقاضا'

شہرت کی تمنا اور کسی بھی طریقے سے قوت کا حصول۔ آپ یہ تین چیزیں چھوڑ دو۔ تو آپ پیسہ' شہرت اور قوت کی تمنا چھوڑ دو۔ قوت جو ہے وہ فزیکل بھی' Mental بھی' سوشل بھی اور دوسرے کئی لحاظ سے۔ تو پاور کی تمنا چھوڑ دو' پیسے کی تمنا چھوڑ دو اور شہرت کا تقاضا چھوڑ دو۔ اگر یہ تین چیزیں چھوڑ دو تو پھر اللہ کی طرف آپ کا سبب بن جائے گا اور وہاں آپ کا رزق شروع ہو جائے گا۔ تو یہ ذکر ہے۔ ذکر جو ہے یہ مذکور کی اجازت سے ہونا چاہیے' مذکور کے مزاج کے مطابق ہونا چاہیے' یہ کیونکہ اللہ کا ذکر ہے تو یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آپ اسے اللہ کی اجازت کے بغیر شروع کر دیں۔ تو یہ اللہ کے مزاج کے مطابق ہونا چاہیے۔ اللہ نے اپنا مزاج آپ تک Convey کر دیا ہے' اللہ کی پسند کے بندے Convey ہو گئے ہیں۔ آپ کے لیے اللہ نے بات آسان کر دی ہے' اس نے کہا ہے کہ مجھے میرے پیغمبر پسند ہیں۔ تو آپ پیغمبروں کی زندگی میں سے کوئی راستہ چن لیں' دربدر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ' جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ' ایوب علیہ السلام کے ساتھ مبارک ہو' یونس علیہ السلام کے ساتھ مبارک ہو...... اور آپ تو حضور اکرم ﷺ کے ماننے والے ہیں تو آپ ؐ کی زندگی کا کوئی مبارک واقعہ دیکھ لو کہ آپ ؐ اپنے ہاتھ سے لباس میں پیوند لگا رہے ہیں اور اس شام کو آپ ؐ نے اللہ کے ہاں جانا ہے۔ یہ ملاقات کوئی چھوٹی نہیں بلکہ اللہ سے ملاقات ہے' اس کے لیے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ تیاری کیا ہو رہی ہے؟ پیوند لگایا جا رہا ہے ...... اور آپ لوگوں نے کسی آدمی سے ملنا ہوتا ہے تو آپ پرانا لباس بھی نہیں پہنتے۔ اور پھر کہتے ہو کہ حضور پاک ﷺ سے فیض ملنا چاہیے۔ آپ روز بیان کرتے رہتے ہو کہ آپ ؐ کی اتنی خوراک تھی اور آپ ؐ اس طرح رہتے تھے۔ یہ سب آپ کو پتہ ہے۔ تو اللہ کی پسند

کی یہ زندگی آپ کاپی کرو۔ اللہ کی پسند کے بندے تو صرف یہی ہیں۔ اب اگر آپ نے اللہ کی طرف جانا ہے تو اس کی پسند کے کسی بندے کے ساتھ ہو جاؤ یعنی انعمت علیھم والے کسی بندے کے ساتھ ...... اللہ نے یہ بتایا ہے کہ میں ایک کام کرتا ہوں کہ میں اور میرے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ گویا کہ ذکر کی ابتداء اس عمل کے ساتھ کرو جو اللہ کا اپنا عمل ہے ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یعنی اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ کب سے بھیجتے ہیں؟ جب سے اللہ ہے۔ اللہ ہمیشہ سے درود بھیج رہا ہے۔ اور اللہ کب تک درود بھیجتا رہے گا؟ جب تک اللہ ہے' اور وہ ہمیشہ ہے۔ تو وہ ذات ؐ جس پر اللہ درود بھیج رہا ہے وہ بھی ہمیشہ رہے گی۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اب آپ کے لیے ذکر کرنا آسان ہو گیا کہ اللہ کے ساتھ ذکر کرنے کے لیے' اطمینان لینے کے لیے اللہ کے مذکور کا ذکر کرو۔ تو اللہ کا ذکر اللہ کے مزاج کے مطابق کرو اور اللہ کی پسند کے مطابق کرو۔ یہ نہ ہو کہ صرف ''اللہ ہُو'' کرتے جاؤ کیونکہ یہ تو طوطا بھی کر سکتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ ہُو کرتے جاؤ اور جیب میں پرچی رکھی ہوئی ہو کہ یہ یہ باتیں منظور کرانی ہیں' خواہشات پوری کرانی ہیں۔ تو وہ اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہی چلا جا رہا ہے اور کہتا ہے کہ مانگنا تو حکم ہے۔ ذکر والے کے لیے مانگنے کا حکم نہیں ہے' عام آدمی کے لیے حکم ہے کہ وہ مانگے' سائل بنے' کنڈا کھڑکائے' Knock and it will be opened پھر وہ کہے گا کہ سائل آ گیا ہے اسے کچھ دو۔ اور جب طالب آ گیا تو اس کا سوال اور ہے

؎ تیرے سوا کروں پسند کیا تیری کائنات میں

تو وہ اللہ کا طالب ہے اور اللہ سے اس کے سوا اور کچھ نہیں لیتا۔ یہ نہ کرنا کہ اگر اللہ

ل جائے تو اپنے حالات درست کرنے کا سوال کر دو۔ جب آپ نے اللہ تعالیٰ سے غیر از اللہ مانگنا چھوڑ دیا تو پھر آپ کا ذکر چل پڑے گا۔ اللہ سے صرف اللہ کے حبیب ﷺ کی محبت مانگی تو اللہ کا ذکر چل پڑے گا۔ فقیر کہے گا کہ اللہ کرے تمہاری دنیا آباد نہ رہے' تو یہ کون کہتا ہے؟ وہ آدمی کہتا ہے جس کا ذکر چل پڑے کیونکہ اس کی اور دنیا آباد ہوگئی ہے' اس کے اندر باطن آباد ہو گیا ہے' وہ ہمیشہ رہنے والی دنیا میں داخل ہو گیا ہے۔ جب تک آپ اس دنیا کے اندر ہیں آپ میں ذکر کی کمی رہے گی۔ اس لیے فی الحال آپ نماز کا ذکر جاری رکھیں' اگر آپ کے پاس پیسہ ہے تو اسے تقسیم کرتے جاؤ۔ یہ بھی اللہ کا ذکر ہے' فکر بھی ہے اور ذکر بھی۔ غریبوں میں تقسیم کرتے جاؤ۔ اپنے وجود سے لوگوں کو آسانیاں دیتے جاؤ' تو یہ بھی ذکر ہے۔ یہ نہ ہو کہ آپ ذکر کرتے جاؤ' مکان کو آگ لگی رہے اور آپ آگ نہ بجھاؤ اور ذکر کرتے جاؤ' آپ کہتے جاؤ کہ اللہ ہُو' حق اللہ' اور آگ بجھے کہ نہ بجھے۔ تو ایسے بھی غافل نہ ہو جانا۔ جس دن آپ کی اپنی زندگی اور اپنے بھائی کی زندگی میں فرق نہ رہا تو اُس دن ذکر شروع ہو جائے گا۔ ابھی تک کیونکہ یہ فرق ہے تو اس فرق کی وجہ سے ذکر شروع نہیں ہوتا۔ اطمینان کا ذریعہ صرف ذکر ہے۔ آپ اس کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح ذکر سے تعارف کرائے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ یسبح للہ ما فی السموت وما فی الارض کائنات میں جو بھی چیز ہے وہ اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہے۔ یہ اس کا ذکر ہے۔ ذکر جاری ہے۔ آپ اللہ کے فرمان کے مطابق چلیں' اللہ کی رضا کے لیے اور اللہ کے حبیب ﷺ کی رضا کے لیے چلیں۔ اور ذکر سے اطمینان حاصل کریں' فرحت حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آنے والے وقت کے لیے آسانیاں عطا

فرمائے اور آپ کے گذرے ہوئے زمانے کی آزمائش دور فرمائے۔ اللہ آپ کو آسانی دے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خواہشات پوری کرے یا نہ کرے' خواہشات سے نجات ضرور دے اور وہ باتیں جو آپ کو زندگی کے راستے میں پریشان کر رہی ہیں اللہ انہیں آسان کرے تاکہ یہ زندگی آسانی سے ختم ہو' آخر تو یہ ختم ہونی ہی ہے۔ یہ نہ ہو کہ آپ "اَوکھے" ہو کے' تکلیف میں آخری وقت گذاریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہت آسان راستے سے گذارے۔

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا ومولٰنا حبیبنا وشفیعنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یاارحم الرٰحمین۔

۲
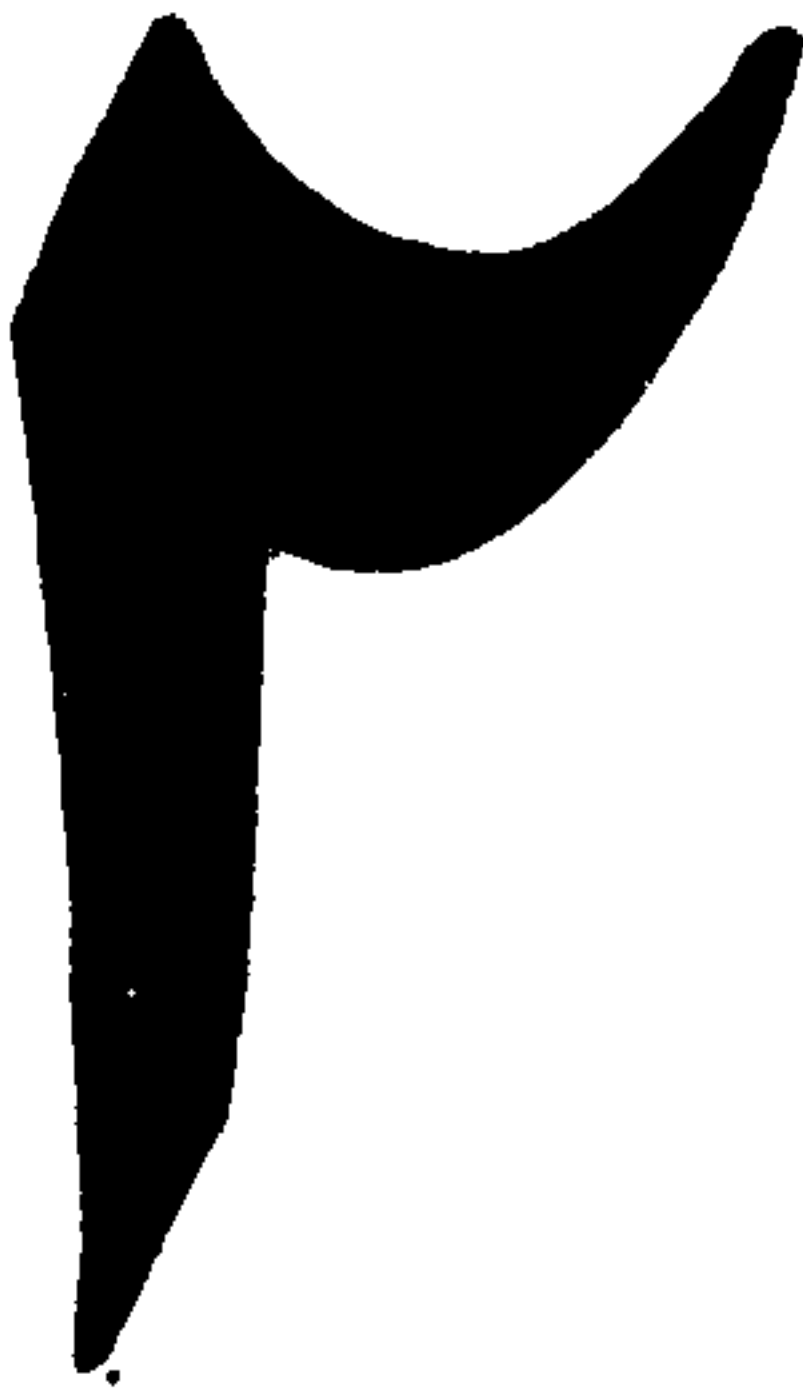
۱ اللہ کے ذکر کو کیسے قائم رکھا جا سکتا ہے؟

۲ سب سے اچھا ذکر کون سا ہوتا ہے؟

۳ کیا ذکر کے لیے باوضو ہونا ضروری ہے؟ اللہ کا کون سا ذکر کریں؟

۴ ورفع ابویہ علی العرش وخروا له سجداً و قال یآبت هذا تاویل رُءیای.

۵ باپ نے بیٹے کو جو سجدہ کیا اس کے بارے میں......

۶ یہ جو انسان کو دکھ اور پریشانی ہے اس کی جڑ کیا ہے؟

۷ مسلمان دکھ سے کیسے نجات پا سکتا ہے؟

۸ علم اور سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے تو کیا یہ سارا علم حاصل کر کے انسان کسی مرتبے پر پہنچ سکتا ہے؟

سوال:

اللہ کے ذکر کو کیسے قائم رکھا جاسکتا ہے؟

جواب:

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ:

جو دم غافل سو دم کافر

تو انہوں نے کہا کہ یاد کو یا ذکرِ الٰہی کو صرف کسی خاص وقت میں کرنے والا ایسے حادثے سے دوچار ہو جاتا ہے کہ جب اس کا رخصت ہونے کا وقت ہو تو ایسا ہو سکتا ہے کہ اُسے کلمہ یاد نہ رہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ کوئی دم غافل ہونا ہی نہیں چاہیے۔ اس لیے انہوں نے "پاس انفاس" کے ذریعے اللہ کا ذکر جاری رکھا تاکہ جس وقت بھی سانس ختم ہو اللہ کے ذکر میں ختم ہو۔ اگر کلمہ پڑھا تو ساری عمر پڑھتے ہی رہے، درود شریف شروع کیا تو پڑھتے ہی گئے اور استغفار شروع کی تو استغفار کرتے ہی گئے۔ اس لیے کہتے یہ ہیں کہ آپ جس حالت میں ممکن طور پر رخصت ہونا چاہیں اس حالت کو ابھی سے اختیار کر لیں اور جس حالت میں انسان رخصت ہوگا اسی حالت میں اُٹھایا جائے گا۔ گویا کہ جس حالت میں آپ آخری وقت اٹھنا چاہتے ہیں اسی حالت میں مرنا پسند کریں اور جس حالت میں

مرنا چاہتے ہیں اس حالت میں زندگی گزارنا شروع کر دیں۔ پھر آپ کی موت حادثاتی موت نہیں ہوگی۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ یہ جو ہم استغفار پڑھتے ہیں تو پھر بھی گناہ ہو جاتا ہے' ایسے میں ہم کیا کریں؟ انہوں نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ اکثر استغفار اس لیے پڑھتے رہا کرو تا کہ تم حالتِ استغفار میں مرو اور کہیں حالتِ گناہ میں نہ مرنا۔ کہتے یہ ہیں کہ اکثر موتیں حادثاتی ہوتی ہیں مگر جو غیر حادثاتی ہوتی ہیں وہ بھی دراصل حادثاتی ہوتی ہیں۔ یہ نہ سمجھنا کہ حادثے کا نام موت ہے یا اچانک گاڑی کے ٹکرانے کا نام موت ہے مگر جو بیماری کی وجہ سے مر گئے لوگ اُسے بھی اتفاقاً کہتے ہیں:۔

پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مُرجھا گئے

تو جو بھی آدمی مرتا ہے لوگ کہتے ہیں کہ اسے اچانک موت آ گئی' کل شام تک تو اچھا بھلا تھا' رخصت سے دو گھنٹے پہلے بھی ٹھیک تھا۔ تو ہر موت جو ہے وہ چاہنے والوں کے لیے حادثاتی ہوتی ہے اور دشمن یہ کہتا ہے کہ وہ بڑی دیر کے بعد مرا ہے' اسے تو کب کا مر جانا چاہیے تھا۔ اس لیے اکثر موتیں جو ہیں وہ حادثاتی لگتی ہیں۔ کبھی بھی کوئی یہ نہیں کہتا کہ اب اسے مر جانا چاہیے تھا' تو نہ یہ مرنے والا کہے گا اور نہ اس کے چاہنے والے کہیں گے۔ اس لیے آپ جس حالت میں رخصت ہونا چاہیں تو وہ حالت ابھی سے اختیار کر لیں۔ ایسے لوگ اپنا کام کرتے رہتے ہیں لیکن زبان سے ذکر بھی جاری رہتا ہے۔ تو آپ اپنے باقی کام بھی کرتے رہیں اور جب رخصت کا وقت آنے لگے تو اس حالت میں ہونا۔ یہ تو کوئی نہیں جانتا کہ موت قریب آ رہی ہے یا کب آئے گی' یا زندگی مرنے کے قریب پہنچ چکی

ہے۔ یہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ بعض بیمار آدمی بڑی طویل عمر پا جاتے ہیں اور صحت مند آدمی اچانک رخصت ہو جاتے ہیں اور آج کل تو ہارٹ فیل ہونے والی بیماری آ گئی ہے' کوئی اور بیماری اچانک آ جاتی ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے کام ہیں کہ جس کو جس وقت بُلا لے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اچانک بُلا لیا ہے۔ تو آپ جس حالت میں قیامت کے دن اُٹھنا پسند کریں وہ حالت ابھی سے اختیار کر لیں۔ تو یہ اُس حادثاتی موت کا علاج ہے۔ یہ نہ کہنا کہ اس وقت یاد نہیں رہے گا۔ ایسا نہیں ہے۔ جس آدمی کا ذکر جاری ہو اس کو ہمیشہ یاد رہے گا۔ کچھ لوگ پھر کہتے ہیں کہ ہم نے خود سنا کہ مرنے کے بعد اس کی زبان سے ذکر جاری تھا۔ تو وہ شخص اس حالت میں سرشار ہو کے گیا۔ اس لیے نیک لوگوں کی شکل رخصت ہوتے وقت خوبصورت ہو جاتی ہے...... اس لیے غافل نہ رہنا اور ہر دم اس کی یاد میں رہنا ......

سوال:

سب سے اچھا ذکر کون سا ہوتا ہے؟

جواب:

سب سے اچھا ذکر اللہ کا ذکر ہے۔ ولذکر اللہ اکبر۔ تو اللہ کا ذکر ہی اکبر ہو سکتا ہے کیونکہ جو اکبر ہے اسی کا ذکر اکبر ہو گا یعنی بڑے کا ذکر بھی بڑا۔ دوسرا طریقہ جو ہے وہ محبت کی دنیا میں یہ ہے کہ اللہ بھی حضور پاک ﷺ کا درود پڑھ رہا ہے تو ہم بھی درود پڑھتے جائیں۔ یہ اللہ کے عمل کا ذکر ہے۔ تو ایک ذکر تو یہ ہے کہ اللہ کو یاد کرنا' حضور پاک ﷺ بھی اللہ کو یاد کر رہے ہیں تو ہم بھی اللہ کو یاد کریں اور دوسرا ذکر یہ ہے کہ اللہ بھی حضور پاک ﷺ کو یاد کر رہا ہے تو ہم بھی حضور پاک ﷺ

کو یاد کریں۔ یہ دونوں ذکر برابر کے ہیں' انہیں برابر کہنا نہیں چاہیے لیکن سمجھنا برابر چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو ذکر ہے' مرغوب اور پسندیدہ عمل ہے' وہ یہ حکم ہے کہ ان اللہ وملئکته یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما یعنی اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں تو اے ایمان والو تم بھی درود اور سلام بھیجو۔ اور حضور پاک ﷺ کا جو عمل ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنا اور اللہ کا ذکر کرنا۔ اس لیے یہ دونوں راستے یکساں ہیں۔ تو یہ ذکر جاری رہنا چاہیے' درود شریف کا ذکر ہو یا اللہ کا ذکر ہو' بات ایک ہی ہے۔

سوال:

کیا ذکر کے لیے باوضو ہونا ضروری ہے؟ اللہ کا کون سا ذکر کریں؟

جواب:

ذکر کے لیے باوضو ہونا ضروری نہیں ہے۔ اللہ کا ذکر اسم ذات کا ذکر یعنی ''اللہ'' ہے۔ بزرگوں نے ساتھ ''ہو'' لگا کے ''اللہ ہو'' کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب سانس لو تو ''اللہ'' کہو اور جب سانس باہر نکلے تو ''ہو'' کہو۔ جب آپ تجربہ کریں گے تو بات سمجھ آ جائے گی۔ ''ہو'' جو ہے یہ ''ھُوَ'' کا بھی مخفف ہے' اس کا مطلب ہے ''وہ اللہ''۔ اس کا ایک اور مطلب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ''اللہ'' تو اللہ ہے اور ''ھُوَ'' اللہ کے محبوب ﷺ ہیں۔ کلمہ طیبہ کا ذکر بھی کرتے ہیں لیکن کلمے کا ذکر کرتے وقت کچھ رہ جانے کا اندیشہ ہے' نامکمل ہونے کا اندیشہ ہے کہ درمیان میں کچھ رُک نہ جائے۔ تو اللہ کا کوئی بھی ذکر جو ہے یہ ذکر ہے۔ اگر اللہ کی راہ میں کوئی نیک عمل کرو تو یہ بھی ذکر ہے۔ ایک جگہ فرمان ہے کہ اقم الصلوٰۃ لذکری یعنی نماز کو قائم کر میرے ذکر کے لیے۔ تو نماز کا

قیام بھی اللہ کا ذکر ہے' اللہ کا فکر بھی اللہ کا ذکر ہے' اللہ کی یاد بھی اللہ کا ذکر ہے اور اللہ کے حوالے سے ہر چیز جو ہے وہ ذکر ہے۔ تو ذکر کے باب میں یہ کہتے ہیں کہ ذکر کرنا بھی ذکر ہے' فکر کرنا بھی ذکر ہے' خیال کرنا بھی ذکر ہے' اللہ کے بارے میں بات کرنا بھی ذکر ہے' اس کے بارے میں سوچنا بھی ذکر ہے' اس سے ڈرنا بھی ذکر ہے' اللہ کے ڈر سے کانپنا بھی ذکر ہے وجلت قلوبھم لذکر اللہ : اور ان کے دل لرز جاتے ہیں جب اللہ کا نام لیا جائے۔ تو یہ ذکر ہے اور یہ ذاکرین کی تعریف ہے' تو وہ دائیں بائیں سوتے جاگتے ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ کہ دنیا سے محبت نہ کرنا بھی اللہ کا ذکر ہے۔ اللہ کے ذکر میں بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگ ہیں جو خیر اور آخرت کے طلب گار ہیں اور اس کے برعکس کچھ لوگ دنیا کے طلب گار ہیں۔ جو اللہ کے طلب گار ہیں وہ دنیا کے طلب گار نہیں ہوتے۔ وہ دنیا سے گزرتے ہیں تو اسے اللہ کا حکم سمجھ کے گزرتے ہیں۔ تو دنیا کی طلب کا نکالنا بھی اللہ کا ذکر ہے۔ اللہ کے حوالے سے کسی رشتے کو نبھانا بھی اللہ کا ذکر ہے۔ اللہ کے حوالے سے کوئی وعدہ پورا کرنا بھی اللہ کا ذکر ہے۔ تو کوئی بھی کام اللہ کے حوالے سے اور اس کی خصوصی رضا کے لیے کرنا اللہ کا ذکر ہے۔ اگر آپ نے یہ کہا کہ میں یہ کام اللہ کے لیے کر رہا ہوں تو اس کو استقامت اور خلوص سے کرتے جاؤ تو وہ اللہ کے لیے ہوگا' وہ ذکر ہوگا۔ ذکر کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے راستے کی طرف جانے والا جس خصوصی انداز سے یقین کے ساتھ چل رہا ہے' وہ ذکر ہے۔ ایسا ذکر ہونا چاہیے۔ خیرات کرنے والا' مہربانی کرنے والا' احسان کرنے والا' زکوٰۃ دینے والا' نماز پڑھنے والا اور فرائض پورے کرنے والا ذکر والا ہے۔ تو جو اللہ کے راستے کی باتیں ہیں ان پہ شوق سے چلنے والا ذکر والا ہے۔

اب آپ بولیں......اور سوال کریں......حافظ صاحب آپ پوچھیں......

سوال:

ورفع ابویه علی العرش وخروا له سجداً و قال یآبت هذا تاویل رُءیای.

جواب:

یہ سورۂ یوسفؑ میں ہے ناں۔لیکن اس میں آپ کا سوال کیا ہے؟

سوال:

باپ نے بیٹے کو جو سجدہ کیا اس کے بارے میں......

جواب:

یہ بالکل واضح بات ہے' یوسف علیہ السلام نے پہلا خواب ہی یہ دیکھا کہ انی رایت احد عشر کوکبا و الشمس والقمر رایتھم لی سٰجدین کہ میں نے دیکھا کہ گیارہ ستارے' سورج اور چاند مجھے سجدہ کررہے ہیں۔بعد میں خواب کی تعبیر یہ نکلی کہ اس زمانے میں جو بادشاہِ وقت ہوتا تھا اس کے سامنے تعظیم کیا کرتے تھے یعنی کہ یہ رعایا ہونے کا حلفِ وفاداری تھا۔وہ سجدہ جو تھا وہ As such سجدہ نہیں تھا بلکہ وہ اس زمانے میں رعایا کا دستور تھا یعنی مصر کے بادشاہ کا طریقہ تھا کہ جو رعایا ہوتی تھی وہ اس کے سامنے تعظیم کا سجدہ کرتی تھی' تعظیم سے سر جھکایا کرتی تھی۔اب یہ بات اللہ تعالیٰ نے خود بیان کردی ہے۔ لیکن اللہ کے علاوہ کسی غیر کو سجدہ کرنا منع ہے۔مگر یہ سجدہ وہ سجدہ نہیں ہے بلکہ یہ تعظیم ہے اور یہاں جو لفظ ''عرش'' آیا ہے یہ وہ عرش نہیں ہے جو اللہ کا ہے بلکہ

اس سے مراد تخت ہے جو اس بادشاہ کا تھا...... راضی ہونا بھی ساجد ہونے کے برابر ہے کہ یابت افعل ما تومر کہ اے ابا آپ وہ کریں جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ تو تسلیم کا نام بھی سجدہ ہے۔ بیٹا اگر تخت پر بیٹھ جائے تو باپ بھی اس کی رعایا ہوگا' بیٹا اگر پیغمبر ہو جائے تو باپ بھی اُمتی ہوگا۔ یہ عجب بات ہے کہ بیٹا باپ کا کلمہ پڑھے گا اور اگر بیٹا اُمتی ہے تو وہ کلمہ پڑھے گا۔ ایسا ہوتا رہا ہے۔

سوال:

یہ جو انسان کو دکھ اور پریشانی ہے اس کی جڑ کیا ہے؟

جواب:

آپ یہ جو سب انسانوں کی بات کر رہے ہیں تو ہر انسان کے پاس اس کی الگ الگ وجہ ہو سکتی ہے۔ اب یہ کہنا کہ انسان روتا کیوں ہے؟ کیا کوئی کسی کے مرنے پر روتا ہے یا زندہ ہونے پہ روتا ہے؟ تو جتنے لوگ ہیں رونے کی اتنی وجوہ ہیں۔ اسی طرح ہر آدمی کا دُکھ علیحدہ ہے' کسی کو والدین سے دکھ ہوگا' کسی کو اولاد سے پہنچے گا' کسی کو غریبی سے پہنچے گا' کسی کو پیسے سے ہوگا' کوئی بیماری سے پریشان ہوگا' کوئی سفر میں پریشان ہوگا' کوئی گھر میں پریشان ہوگا اور کسی کو کوئی خواہش پریشان کر رہی ہوگی۔ تو ہر آدمی کا دکھ علیحدہ ہے' کسی کو خواہش سے دکھ پہنچتا ہے' کسی کو حسرت سے ہوتا ہے۔ کسی نے وہ حاصل کیا جو وہ نہیں چاہتا تھا اور جو چاہا وہ حاصل نہ ہوا۔

سوال:

مسلمان دکھ سے کیسے نجات پا سکتا ہے؟

جواب:

مسلمان کو تو پہلے ہی بتایا گیا ہے کہ یہ دنیا چار روزہ ہے اور تُو آخرت پر نگاہ رکھ تو دکھ نہیں ہوگا۔ یہ جو کچھ حاصل کیا یہ چھوڑ جانا ہے اور اگر اس کو چھوڑ جانا مشکل نہ ہو تو دکھ نہیں ہوگا۔ تو اگر حاصل کرنا اور چھوڑ دینا برابر ہو تو دکھ نہیں ہوگا۔ بعض اوقات دوسرے کا جو عمل آپ کے ساتھ ہوتا ہے وہ آپ کو دُکھی کرتا ہے تو وہ تو دوسرے کا عمل ہے اور وہ آپ کا عمل نہیں ہے۔ پھر دُکھ کس بات کا۔ دوسرے کا عمل اس کے ساتھ ہے۔ آپ اپنے احساس کو دیکھیں کہ آپ کو دکھ کس بات کا ہے۔ مثلاً خواہش کے پورا نہ ہونے کا دُکھ' کسی توقع کے پورا نہ ہونے کا دُکھ اور اس بات کا دُکھ کہ دوسرے کو ایسا کرنا چاہیے تھا مگر اس نے نہیں کیا...... تو یہ تو دوسرے کا عمل ہے۔ گدھا اگر دولتی مار دے تو کس بات کا دکھ کیونکہ وہ تو گدھا ہی ہے' کتا پیار سے بھونکے یا غصے سے بھونکے' بھونکنا اس کا کام ہے' اب اس میں آپ کو دکھ کس بات کا؟ لوگوں کو آپ ان کی فطرت کے مطابق سمجھیں گے تو دکھ نہیں ہوگا۔ اگر چور کوئی چیز اُٹھا کے لے گیا تو آپ کو دکھ کس بات کا۔ اس بیچارے کا یہی ذریعہ اِنکم ہے۔ اُسے کچھ نہ کہو بلکہ اپنا تالا لگاؤ۔ لوگ اگر آپ جیسے اچھے نہیں ہیں تو پھر دُکھ کس بات کا۔ اگر لوگوں نے برائی کی ہے تو آپ یہ دیکھیں کہ آپ نے برائی نہیں کی ہے۔ پھر دکھ تو نہیں ہونا چاہیے۔ جب آپ اللہ سے رجوع کرتے ہیں' عبادت کرتے ہیں تو اس وقت اگر آپ دنیا کے سوال کرنے لگ جائیں تو پھر تو دکھ ہی دکھ ہوگا۔ اگر کوئی آدمی بیمار ہو اور وہ یہ دعا کرتا جائے کہ یا اللہ مجھے یہاں ٹھہرنے دے...... تو وہ ٹھہرنے نہیں دیتا' وہ تو پیغمبروں کو ٹھہرنے نہیں دیتا...... پہلے انسان کو حاصل کرنے کی فکر ہوتی ہے اور پھر ایک دَور آجاتا

ہے جب وہ کہتا ہے کہ اس حاصل سے نجات کیسے پاؤں، کیونکہ اس میں دوسروں کا مال شامل ہو جاتا ہے۔ دوسرے مال دے کے عذاب آپ کے گلے ڈال جاتے ہیں اور خود چلے جاتے ہیں۔ یہ ٹائم بم یا ایٹم بم بن جاتا ہے۔ اگر کسی کے پاس یتیم کا مال آ جائے تو وہ مال عذاب بن جائے گا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مال چھوڑنے کو دل نہیں کرتا اور رکھنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ تو یتیم کا مال تو پیٹ میں آگ کی طرح ہے، آگ بڑھتی جاتی ہے اور چھوڑنے کو دل نہیں کرتا...... اگر آپ کو کوئی خوراک پسند ہو اور یہ پتہ چل جائے کہ یہ بیماری پیدا کرتی ہے تو آپ پھر بھی کھاتے جائیں گے، کھانے سے پھر بیمار ہو جائیں گے...... تو اس کو چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہر آدمی کا دکھ الگ الگ ہے۔ دکھ سے نجات تب ہو گی اگر دنیا سے نجات ہو۔ دنیا رہے گی تو دکھ رہے گا اور دکھ کا نام ہے ہی دنیا۔ دکھ تو دنیا میں رہنا چاہیے۔ گوتم بدھ نے راستہ نکالا کہ دنیا دکھوں کا گھر ہے، یہاں سے نکل جانا چاہیے، تو وہ یہاں سے نکل کے ایک بڑے دکھ میں چلا گیا۔ اگر کوئی بچہ چھوٹی تکلیف میں رو رہا ہو اور اسے زور سے تھپڑ لگ جائے تو وہ اس بڑی تکلیف میں چھوٹی تکلیف کو بھول جائے گا۔ تو گوتم بدھ چھوٹی تکلیف سے نکل کے بڑی تکلیف میں چلا گیا...... ایک آدمی رو رہا تھا، اس کا کوئی عزیز فوت ہو گیا تھا۔ ایک بزرگ نے پوچھا کیوں رو رہا ہے۔ اس نے کہا عزیز فوت ہو گیا ہے۔ تو بزرگ نے کہا روتے کیوں ہو، دو دن بعد تو بھی اس سے مل جائے گا۔ تو وہ خاموش ہو گیا۔ تو اگر جدائی کا جھگڑا ہے تو رونا بند کرو کیونکہ سارے ہی وہاں پر پہنچ جائیں گے اور تم بھی وہاں پہنچ جاؤ گے۔ تو اس طرح رونا ختم ہو جاتا ہے...... تو دکھ ضرور ہوتا ہے اور اس کے اندر سے گزرنے کا طریقہ آنا چاہیے۔ بہتر لوگ وہ ہیں جو

دکھ کا وقت صبر سے گزاریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے تمہیں آزمانا ہے خوف سے۔ اللہ خوف ضرور دے گا۔ بڑے سے بڑا بندہ ہوگا مگر اسے بھی خوف ہوگا۔ یہ جو بادشاہ ہوتا ہے جس کی پولیس لوگوں کو ڈراتی ہے وہ خود ڈرتا رہتا ہے۔ تو بادشاہ پبلک سے ڈرتا ہے اور جس کے پاس بادشاہت نہیں اس سے ڈرتا ہے' وہ یہ سوچتا رہتا ہے کہ لوگ کہیں میرے خلاف نہ ہو جائیں۔ تو بادشاہ کے پاس پوری بادشاہت ہوتی ہے' پورے وسائل ہوتے ہیں' پورے اختیارات ہوتے ہیں مگر پھر بھی ڈرتا ہے' اس لیے وہ سیکورٹی چاہتا ہے کیونکہ اس کی نیندیں بیزار ہو جاتی ہیں۔ بادشاہ آرام نہیں کر سکتے کیونکہ خطرہ ہوتا ہے' خطرہ باہر کے ملک کا نہیں بلکہ اندر کا خطرہ ہوتا ہے اور ہمیشہ ہی یہ خطرہ ہوتا ہے۔ کسی بادشاہ کو کہو کہ سڑک کے کنارے کھڑے ہو کے تھوڑی سی مونگ پھلی کھا لو...... تو وہ ایسا نہیں کر سکے گا' بیچارہ بادشاہ! تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں نے خوف ضرور دینا ہے۔ امیر آدمی کو سب سے بڑا خوف ہوتا ہے غریب ہونے کا۔ تو ہر آدمی کو اللہ تعالیٰ کسی خوف سے ضرور گزارتا ہے' اندیشے سے گزارتا ہے اور بھوک سے گزارتا ہے۔ بھوک ضرور لگے گی اور بھوک کی آزمائش بڑی سخت ہے۔ بھوک صرف کھانے کی نہیں ہوتی بلکہ خواہش کی بھی بھوک ہوتی ہے کہ یہ چاہیے وہ چاہیے۔ تو یہ بھی دکھ کی ایک وجہ ہے۔ تو انسان آزمایا جائے گا خوف سے' بھوک سے اور نقص من الاموال یعنی مال میں نقصان سے۔ مال جو ہے یہ پیسہ بھی ہے اور آپ کی صفات بھی ہیں۔ کبھی بینائی میں نقص آ گیا' کبھی نیند میں نقص آ گیا اور کبھی حال میں نقص آ گیا والانفس والثمرات یعنی زندگی میں آشنا چہرے کم ہوتے جائیں گے' شہر میں لوگ تو بہت تھے مگر چہرے بدل گئے' آپ اگر اپنے شہر میں جاؤ تو شہر بھرے

ہوتے ہیں' گاؤں بھرے ہوتے ہیں لیکن وہ آدمی نہیں ہوتے کیونکہ وہ چہرے' سارے کے سارے' رخصت ہو جاتے ہیں۔ بندے اُتنے ہی رہتے ہیں مگر چہرے وہ نہیں ہوتے......اور یہ کہ محنت کا پھل ضائع ہو جاتا ہے۔اللہ نے فرمایا ہے کہ میں نے ثمرات ضائع کرنے ہیں اور اس طرح تمہیں آزمانا ہے ثمرات کے نقصان سے۔آپ کسی کے ساتھ اچھا کرتے ہیں تو ہوسکتا ہے وہ اچھا نہ کرے۔یوسف علیہ السلام کا واقعہ دیکھ لو کہ بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا کیا۔ اللہ تعالیٰ خود یہ واقعہ بیان کر رہا ہے اور اُس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ آپ نے اس کو بھائیوں کے ذریعے کنوئیں میں کیوں پھینکوایا۔تو اللہ تعالیٰ بیان فرمارہے ہیں' بھائیوں کا واقعہ بیان ہو رہا ہے اور ساتھ ہی پیغمبر کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ پیغمبر وہ ہے جو بھائیوں کے ساتھ ایسا سلوک کرے اور بھائی ایسے ہیں جو پیغمبر کے ساتھ وہ سلوک کریں۔دونوں اپنی جگہ اپنی اپنی تمنا میں ہیں۔مگر جب یوسف علیہ السلام نے مصر کا وہ واقعہ پہچان لیا تو بدلہ نہیں لیا بلکہ کہا کہ آج تمہارے لیے کوئی تعزیر نہیں ہے' آج کے دن تمہارے لیے کوئی سزا نہیں ہے۔ اور یہی لفظ جو ہیں وہ حضور پاک ﷺ نے فتح مکہ کے وقت دہرائے' تمام قریشِ مکہ سے پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں تو انہوں نے کہا کہ آپ بہتر جانتے ہیں' آپ مالک ہیں جو آپ سلوک کریں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں وہی سلوک کروں گا جو ہمارے بھائی یوسفؑ نے کیا اپنے بھائیوں کے ساتھ' کہ آج کے دن تمہیں کوئی سزا نہیں......تو انہیں معاف کر دیا گیا۔لہٰذا اللہ سے یہ کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ اگر آپ کہتے ہیں کہ غریب کی خدمت کرو تو یا اللہ انہیں غریب کیوں پیدا کیا ہے......لیکن وہ اللہ ہے جو غریب کو خود پیدا

کرتا ہے اور خدمت آپ کے ذمے ہے۔ کافر وہ خود پیدا کرتا ہے اور تبلیغ آپ کے ذمے ہے۔ پریشان کرنے والا آپ کو پریشان کرے گا اور اللہ آپ کو یہ کہے گا کہ ادفع بلتی ھی احسن برائی کو اچھائی کے ذریعے دور کرو' احسن طریقے سے دور کرو...... تو ان باتوں سے اللہ تعالیٰ آزماتا ہے اور دیکھتا ہے کہ آپ اس آزمائش میں پورے اترتے ہیں یا نہیں۔ کوئی آدمی ہمیشہ کے لیے دکھ میں نہیں رہتا۔ ہر آدمی کو ایک دفعہ ضرور خوش کیا جاتا ہے۔ کوئی رات ایسی نہیں جو ہمیشہ کے لیے رہے' ہر رات کے بعد سورج ضرور طلوع ہوتا ہے۔ نہ کوئی ایسی رات آ سکتی ہے اور نہ کوئی ایسا غم آ سکتا ہے جو ہمیشہ رہے۔ کچھ دیر غم رہے گا' پھر کھانا مانگیں گے۔ مثلاً مرنے والے کے لواحقین بڑے غم میں ہوتے ہیں اور وہی سب کے لیے خود ہی کھانا پکا کے لے آتے ہیں' شام تک غم رہتا ہے' صبح قل شریف شروع ہو جاتے ہیں اور پھر کھانا پینا' گلاس' کراکری...... "قل" بھی کھانے پینے کا فنکشن ہوتا ہے اور اس کے بعد کلھم والناس اجمعین ...... ساری بات ختم ہو جاتی ہے۔ گویا کہ غم بھی دیرپا نہیں ہے' خوشی بھی دیرپا نہیں ہے۔ خوشی اس وقت تک ہوتی ہے جب تک ٹینٹ اتارنے والے نہیں آتے' پھر وہ اپنا سامان لے جاتے ہیں' بجلی والے بجلی کا سامان لے جاتے ہیں اور پھر آپ اسی طرح بیٹھے رہ جاتے ہیں۔ یہ صرف محسوس کرنے کی بات ہے۔ یہاں کوئی شے دیرپا نہیں ہے۔ ہمیشہ رہنے والی صرف رب کی ذات ہے ویبقی وجہ ربک ذوالجلل والاکرام ...... اللہ کل بھی تھا' آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔ رہنا اسی کا ہی بنتا ہے اور آپ کا رخصت ہونا ہی بنتا ہے۔ اس لیے آپ رخصت ہونے کی تیاری کریں اور وہ ہمیشہ یہاں رہے گا۔ بس یہ بات بہتر ہے۔ آپ

اس کو مان لیں تو پھر غم اور دکھ نہیں ہوگا۔ آپ یہ ذہن نشین کر لیں کہ دنیا ایک ایسا بازار ہے جس سے آپ گزر رہے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہنے کا امکان نہیں ہے۔ آپ ہمیشہ رہنے کی آرزو نہ کرنا۔ ایک دفعہ ایسا واقعہ ہوا کہ ایک صحابیؓ نے پختہ مکان بنانا شروع کر دیا۔ حضور پاک ﷺ وہاں سے گزرے تو آپؐ نے پوچھا کہ یہ کس کا مکان بن رہا ہے تو صحابہ کرامؓ نے بتایا۔ شام کو وہی صحابیؓ مسجد میں گئے اور حضور پاک ﷺ کو سلام کیا تو آپؐ نے جواب نہیں دیا۔ اس صحابیؓ نے باقیوں سے پوچھا کہ حضور پاک ﷺ ناراض کیوں ہیں تو انہوں نے بتایا کہ تمہارے مکان کے پاس سے گزرے تھے تو اتنا پوچھا تھا کہ یہ کس کا مکان ہے۔ تو وہ صحابیؓ جا کے کمرہ گرا آئے اور پھر آ کے سلام کیا۔ آپؐ نے فرمایا وعلیکم السلام' تم یہاں رہنا چاہتے ہو اور ہم تو یہاں سے نکلنے کا انتظام کر رہے ہیں...... زندگی ناپختہ ہے تو تُو کیا پختگی کر رہا ہے۔ اس لیے اگر زندگی کو یہاں ٹھہرنے کی خواہش ہے تو پھر دُکھی رہے گا اور یہاں سے نکلنے کا جذبہ سکھ کی علامت ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ چلو اب جانے کا وقت آ گیا ہے تو پھر یہ نہ کہنا کہ ٹھہرو ابھی دو چار چٹھیاں لکھنی ہیں...... پھر وقت نہیں ہوتا۔ اگر وہ بُلا لے تو پھر انا للہ و انا الیہ راجعون کہو یعنی ہم اس کی طرف سے آئے اور اُدھر جا رہے ہیں...... پھر دکھ نہیں رہے گا۔

سوال:

علم اور سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے تو کیا یہ سارا علم حاصل کر کے انسان کسی مرتبے پر پہنچ سکتا ہے؟

جواب:

اگر زمانوں کے اندر اور دنیا کے اندر ایک زمانہ Permanently fix ہو جاتا، مستقل ہو جاتا تو پھر اور بات تھی مگر اللہ تعالیٰ علم کو، معاشرت کو اور زندگی کو ایک ترتیب سے ارتقا میں لے آئے۔ اب آپ کے پاس علوم وہ رہیں گے اور زندگی یہ رہے گی، عبادت وہی رہے گی اور زندگی یہ رہے گی۔ تو آپ کا پروفیشن، آپ کے حالات، آپ کے واقعات اور زندگی آج کل کے ہوں لیکن آپ کی کیفیت وہی پرانے وقت والی رہنی چاہیے ...... اونٹ اپنے وقت کی بہترین سواری تھی مگر اب پکی سڑکیں ہیں، تو آپ اپنے زمانے میں ہوائی جہاز کو بہترین سواری مانو۔ یہ زمانہ ترقی کی طرف جانے والا ہے۔ آپ اپنا خیال درست رکھیں۔ آج کل کے زمانے میں جس کا خیال درست ہو گیا اس کا حال درست ہو گیا۔ جب بدی کا زمانہ ہو تو جو برائی نہیں کرتا وہ بڑا نیک ہے۔ اس زمانے میں آپ کو نیکی کا وقت بہت کم ملتا ہے، اُس زمانے میں وقت بہت تھا، وہ زمانے زیادہ کمائیوں کے زمانے نہیں تھے اور ضرورت بھی نہیں تھی، تھوڑے میں گزارا ہو جاتا تھا، کسی کے گھر کچھ ہوتا تھا، کسی کے گھر کچھ اور ہوتا تھا۔ آپ کے حالات اور ہیں، آپ کے اخراجات اور ہیں، آپ کو روشنی بھی قیمتاً ملتی ہے، بجلی کی قیمت دینی پڑتی ہے، پانی کی قیمت دینی پڑتی ہے، بلکہ ہر چیز کی قیمت دینی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر کی اور لباس کی قیمت بھی دینی پڑتی ہے، آپ دوسروں کے لیے کماتے ہیں اور آپ کو تو کچھ بچتا نہیں ہے۔ مسجد کے اندر جاؤ گے تو وہاں اخراجات شروع ہو جائیں گے۔ تو وقت اور طرح کا آ گیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جس طرح اس زمانے میں شادی پہ خرچ آتا تھا آپ کا خرچہ بھی ویسے ہوتا، اور رہائش بھی ویسی

ہوتی مگر اب تو شادی کے واقعات اور طرح کے ہو گئے ہیں۔کوشش یہی ہو رہی ہے کہ زمانہ پھر اسی سادگی کی طرف جائے۔اور جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ بالکل جائے گا اور ضرور جائے گا......ایک بات پہ ضرور غور کرنا کہ اللہ کا کلام' کلامِ الٰہی یعنی قرآن شریف' یہ بذات خود ایک مکمل کتاب ہے اور مکمل علم ہے اللہ کا یعنی کہ اللہ کے بارے میں علم کا راستہ یہی ہے۔ جتنا اللہ کے بارے میں قرآن کو جاننے والے کے پاس علم ہے اس کے علاوہ دنیا میں جو واقعات ہو رہے ہیں وہ بھی اللہ کے ہیں۔تو اُس کا علم اُسے کہاں سے آئے گا۔قرآن میں ستاروں' سورج اور چاند کا نام ہوگا اور یہ ستارے' سورج اور چاند قرآن سے باہر یعنی آسمان پہ ہوں گے۔تو اس شخص کے لیے سورج چاند ستاروں کا علم قرآن میں ہے اور سورج چاند ستاروں کا مشاہدہ قرآن سے باہر ہے۔تو قرآن میں ذکر ہے چاند کا' ستاروں کا' سورج کا' اشیاء کا' منور اشیاء کا' چرند' پرند' شجر' حجر' انسان اور انسان کے ماں باپ کا......لیکن یہ تمام اشیاء قرآن میں نہیں ہیں بلکہ آسمان پر ہیں یا زمین پر ہیں۔تو علم قرآن سے لینے کے بعد مشاہدہ کائنات میں ہے۔ جب آپ کائنات میں مشاہدے کے لیے داخل ہوتے ہیں تو وہاں پر آپ کو نئے علوم سے تعارف ہو جاتا ہے۔مثلاً اللہ نے فرمایا کہ میں نے یہ ستارے کتنے خوبصورت بنائے ہیں' آپ جب Naked eye خالی آنکھ سے ستارے دیکھتے ہیں تو وہ نظر نہیں آتے' پھر دوربین آ جاتی ہے۔ جب دوربین آئی تو سائنس شروع ہو گئی۔ پھر آپ ستاروں کو قریب سے دیکھو' ٹی وی کے ذریعے دیکھو یا کسی اور طریقے سے دیکھو گے۔تو قرآن ہی کے حکم کے مطابق جب آپ معلوم کی دنیا میں جائیں گے تو پھر دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑ جائے گا لیکن آپ کے علماء صاحبان نے اس راستے

کو اختیار نہیں کیا۔ جب اس راستے کو اختیار نہیں کیا تو نتیجہ یہ ہے کہ پھر قرآن کی بات جو کائنات میں ہونی تھی وہ ہو نہیں سکی کیونکہ اللہ جو ہے وہ قرآن کے باہر بھی تھا۔ قرآن ایک مکمل کتاب ہے' جس کا "الف" بھی ہے اور "ی" بھی ہے مگر یہ الف اور ی جو ہے یہ In itself اللہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اور اللہ کا کلام جو ہے وہ اللہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ کا کلام تو اللہ کا کلام ہے اور اپنے کلام سے باہر بھی وہ اللہ ہے۔ لہٰذا اللہ فہمی میں' خدا شناسی کے اندر' اللہ کے کلام کو جو دخل ہے اس کے علاوہ بھی اللہ ہے۔ اس بات کو غور سے سمجھو۔ باقی کا اللہ بھی دریافت کرو کہ کیا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ حضور پاک ﷺ کے جتنے ارشادات ہیں اُسے حدیث شریف کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ مہربانی ہوئی کہ تمام احادیثِ مبارکہ ریکارڈ میں ہیں۔ حضور پاک ﷺ کی نشست و برخاست پوری ریکارڈ میں ہے۔ آپ ؐ کی پوری زندگی تمہارے علم میں آئی ہے یعنی سیرت کے حوالے سے۔ بات مکمل ہو گئی۔ اب یہ بات یاد رکھنا کہ جتنا کچھ آپ کے علم میں آیا یعنی حضور پاک ﷺ کے علم کا ریکارڈ شدہ حصہ آپ کے علم میں تو آیا مگر اصل بات آپ کے علم میں نہیں آئی اور آپ اچھے امتی بھی نہیں بن سکے۔ گویا کہ نبیؐ کے علم کے جاننے کے بعد نبوت جو ہے وہ علم سے باہر ہے۔ اگر علم ہی نبوت ہوتا تو علم تو آپ سارا پڑھ چکے ہیں' ساری حدیث آپ جان چکے ہیں مگر آپ کچھ بھی نہیں بن سکے۔ لہٰذا نبوت جو ہے وہ نبی کے علم سے ماورا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی کتاب سے ماورا ہے۔ اس لیے اب ان دونوں طاقتوں کو جاننے کے لیے طریقہ اور ہے۔ نبیؐ کے علم سے نبیؐ کی ذات تک کا سفر اس علم سے آگے ہو گا اور خدا کے کلام سے خدا کا جو راستہ ہے وہ اس سے آگے ہو گا۔ اس لیے بعض

اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک ان پڑھ آدمی جو قرآن نہیں جانتا وہ خدا کو جانتا ہے۔ کیونکہ خدا قرآن کے علاوہ بھی اس سے باتیں کرتا ہے یا بات کا اس کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح ایک آدمی جو حدیث کا پورا علم نہیں رکھتا لیکن عقیدت کا پورا علم رکھتا ہے وہ حضور پاک ﷺ کے قریب ہوسکتا ہے۔ تو عقیدت اور احترام کا جو راستہ ہے وہ اس علم سے آگے ہے ورنہ اگر علم، علم کے برابر ہو جائے تو مرتبہ برابر ہونا چاہیے مگر یہ برابر ہو نہیں سکتا، ہوا کبھی بھی نہیں ہے۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ قرآن کی تفسیر جاننے والا قرآن سے نا آشنا ہو، وہ تفسیر تو جانتا ہے لیکن قرآن کو نہیں جانتا۔ کیونکہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے اور اس کی تفسیر کے لیے الہام چاہیے مگر وہ دماغ کے ذریعے تفسیر کرتے ہیں۔ اس لیے تفسیر نہیں ہوتی۔ قرآن جو ہے یہ لامحدود ذات کا کلام ہے اور اگر تمہیں لامحدود ذات کے راستے کا پتہ نہ ہو تو صرف کلام جاننے سے تم لامحدود ذات کو نہیں جان سکتے۔ اس لیے اگر بتانے والا علم بتا دے اور دو علم برابر ہو بھی جائیں تو دو مرتبے برابر نہیں ہو سکتے۔ تو علم، علم کے برابر آ بھی جائے تو مرتبہ، مرتبے کے برابر نہیں آ سکتا۔ اگر تم حضور پاک ﷺ کا سارا علم جان جاؤ تو بھی تم نبوت کا علم نہیں جان سکتے کہ نبوت کیا ہے۔ نبوت جو ہے وہ اللہ کے ساتھ تعلق کا نام ہے، اللہ کی منشاء کا نام ہے۔ اور اللہ اس کلام کے علاوہ بھی ہے۔ وہ اللہ ہے، کافروں کو پیدا کرنے والا، دنیا کو پالنے والا، سنبھالنے والا اور دوسری بے شمار باتیں کرنے والا۔ آپ اللہ کو قرآن کے حوالے سے جانو اور پھر ساری کائنات کے حوالے سے مانو، سارے اعمال کے ذریعے مانو۔ پھر آپ کو آسانی ہو جائے گی۔ اس لیے کبھی علم پر بھروسہ یا گھمنڈ نہ کرنا کہ آپ کو سارا علم آ گیا ہے۔ کیونکہ علم کے بعد مقام سے آشنائی جو ہے وہ علم کے

ذریعے نہیں ہے بلکہ یہ فضل کے ذریعے ہے۔ اس لیے جو علم والے ہیں وہ عام طور پر گمراہی میں آ جاتے ہیں کہ ہم تو سب کچھ جانتے ہیں۔ مگر ان کے ساتھ کچھ اور ہو جاتا ہے۔ پھر اُنہیں سمجھ نہیں آئے گی کہ بات کیوں اور ہو گئی ہے۔ اس لیے صرف کتاب اور صرف حدیث کو جاننے سے آپ کا تعلق قائم نہیں ہوتا بلکہ تعلق، تعلق کے دم سے ہوتا ہے، تعلق کے لیے نسبت درکار ہوتی ہے اور اس نسبت کو تعلق کہتے ہیں...... ورنہ تو یہ ہوتا کہ دو آدمی بیک وقت ایک مسجد میں ہمیشہ سے نماز پڑھنے والے یکساں ہو جاتے مگر وہ کبھی نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ منشا ہی نہیں ہے۔ وہ یکساں انسان خود پیدا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے سارے مسلمانوں کے لیے ایک، یکساں علم رکھا مگر سارے مسلمان یکساں، برابر نہیں ہیں، دینی مرتبے الگ الگ ہیں۔ علم تو برابر آ چکا ہے، کتاب آپ کے پاس بھی ہے اور دوسرے کے پاس بھی ہے، آپ بھی پڑھ لیں اور وہ بھی پڑھ لے گا۔ تو علم برابر ہو جائے گا مگر مرتبہ، مرتبے کے برابر نہیں ہوگا۔ تو وہ مرتبے کہاں سے بنتے ہیں؟ آپ اس کا علم دریافت کریں۔ ورنہ تو پیغمبر کا علم اُمتی کے پاس آ جاتا ہے کہ یہ فرمایا ہے، مگر انہوں نے جو نہیں فرمایا وہ بھی علم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں جو ارشاد فرما دیا وہ علم ہے، اللہ ہی کا ہے، اور جو نہیں فرمایا وہ بھی علم ہے۔ جہاں خاموش پہاڑ کھڑے ہیں وہاں سے بھی کوئی علم پھوٹتا ہے۔ اِس لیے یہ کلام مجید، قرآن شریف، یہ اللہ کی طرف سے مقدس کتاب ہے اور اللہ نے یہ جو کائنات بنائی ہے یہ بھی اللہ کی طرف سے اتنی پاکیزہ ہے۔ انسان جو بنایا گیا ہے یہ بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ تو آپ سارے واقعات کو ملا کے دیکھا کریں کیونکہ اس سارے کارخانے کا مالک ہے اللہ۔ کارخانے کی مکمل طور پر تعریف ہونی چاہیے۔

یہ رنگ برنگی دنیا ہے، اس میں ماننے والے بھی ہیں اور نہ ماننے والے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے دنیا کو اس لیے پیدا فرمایا کہ میں پہچانا جاؤں کنت کنزاً مخفیاً اُس نے یہ چاہا کہ میں پہچانا جاؤں اور اگر یہاں یہ لفظ ہوتا کہ "میں مانا جاؤں" تو پھر تو سارے تسلیم میں ہوتے۔ مگر اس نے کہا کہ میں پہچانا جاؤں، دنیا میں نے اس لیے پیدا کی ہے کہ میں پہچانا جاؤں۔ گویا کہ اللہ کی پہچان میں کافر بھی اس کی پہچان کا حصہ ہے۔ کیسے؟ کافر اس کے قہر کو Receive کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لفظ "قہار" اپنے لیے کہا ہوا ہے تو قہار کا قہر کوئی نہ کوئی Receive کرنے والا ہوگا۔ تو اس نے یہ کہا ہے کہ میں پہچانا جاؤں اور یہ نہیں کہا کہ میں مانا جاؤں۔ اگر صرف "مانا جاؤں" تک بات ہوتی تو اس کے لیے تو بہت سے فرشتے تھے۔ مگر اللہ نے کہا کہ میں پہچانا جاؤں تو پہچانے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ماننے والے جو مسلمان ہیں ان کے علاوہ بھی جو لوگ ہوں گے وہ اللہ کی صفات کے اپنے طور پر مظاہر ہیں۔ اس نے شیطان کو پیدا کیا، شیطان آج بھی موجود ہے، کافروں کو رزق دیتا ہے اور آپ کو کہتا ہے کہ اس کو تکلیف میں لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اپنے ذمے نہیں لگایا کہ سب کو یکساں طور پر تسلیم میں کھڑا کرے۔ یہ کام آپ لوگوں کا ہے۔ آپ یہ کر سکتے ہیں کہ ایسا وقت لے آئیں کہ سب لوگوں کو ایک جیسا کر دیں۔ تو یہ انسانوں کی بات ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ورائٹی اس لیے تخلیق فرمائی ہے...... تو اگر علم، علم کے برابر ہو جائے، عمل، عمل کے برابر ہو جائے تو بھی مرتبہ، مرتبے کے برابر نہیں بن سکتا۔ جتنی عبادت کر لی جائے مگر مرتبہ برابر نہیں ہو سکتا۔ گویا کہ مرتبہ جو ہے وہ علم اور عمل دونوں سے بلند ہے۔ مرتبہ اور چیز ہے۔ یہ بات یاد رکھنا، میں جو یہ پیغام

دے رہا ہوں وہ یاد رکھنا کہ آپ عمل کے اُمتی ہو، علم کے اُمتی ہو اور مرتبے کے اُمتی ہو۔ تو کیا بات سمجھ آئی؟ کہ آپ لوگ حضور پاک ﷺ کے علم کا احترام کرو کیونکہ آپ لوگ اُمتی ہو، آپؐ کے عمل کی تقلید کی کوشش کرو کیونکہ آپ لوگ اُمتی ہو۔ اُن کا مرتبہ بہت بُلند ہے اور کوئی اس مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہاں سے کئی لوگ بھٹک گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم وہی کام کر رہے ہیں، مگر ایسا نہیں ہو سکتا۔ جو نماز پیغمبرؐ نے پڑھی ہوگی اگر کوئی اُمتی وہ نماز پڑھے تو وہ نماز ویسی نہیں ہو سکتی۔ پیغمبرؐ کی نماز، نمازوں کی پیغمبر ہوتی ہے! اس لیے یہ بات یاد رکھنا کہ ہمارے لیے یہ بہت بڑی بات ہے کہ ہم اُمتی ہیں، اُن کے عمل کے تابع اپنا عمل کریں گے اور علم کے تابع اپنا علم کریں گے...... مرتبہ انہی کا بُلند رہے گا۔ اس لیے آپ مرتبہ آشنائی کا بڑا خیال رکھنا۔ آپ بات سمجھ گئے؟ یہاں سے طریقت اور شریعت کا فرق سمجھ آتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ علم، علم کے تابع ہو گیا تو مسئلہ حل ہو گیا اور عمل، عمل کے تابع ہو گیا تو مسئلہ حل ہو گیا...... مگر مسئلہ حل نہیں ہوا۔ بات یہ ہے کہ تم اُمتی ہی رہو گے اور آپ پیغمبر رہیں گے۔ کہتا ہے کہ علم برابر کر لیا مگر یہ اس کا اپنا اندازہ ہے کہ برابر کر لیا ہے کیونکہ برابر تو ہو نہیں سکتا۔ اس لیے یہاں پہ آ کے گمراہی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ ہم نے عمل، عمل کے تابع کر لیا ہے، برابر کر لیا ہے، خدا کو قرآن مجید سے پہچان لیا ہے...... مگر خدا کو قرآن سے جس نے پہچانا ہے اس کے لیے کائنات کا علم باقی رہ گیا، اس کی اپنی ذات کا علم باقی رہ گیا اور حالات کا علم باقی رہ گیا۔ تو ان کو پہچانو اور ان باتوں پہ غور کرو کہ ہمارے پاس مرتبے کی عقیدت ہے، اللہ مرتبہ بھی ہے، اللہ ذات بھی ہے، اللہ صفات بھی ہے اور قرآنِ پاک کی تحریر و تصنیف کے علاوہ بھی اللہ ہے۔ قرآن سے بھی اللہ

تعالیٰ کا راستہ دریافت کرو اور اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کا راستہ دریافت کرو۔ اگر آپ ہر حال میں اللہ کو قریب سمجھو گے تو پھر آپ کو بات سمجھ آئے گی۔ اس بات پہ ضرور غور کرو...... کہ علم، علم کے برابر نہیں ہو سکتا، عمل، عمل کے برابر نہیں ہو سکتا، مرتبہ تو بالکل ہی مرتبے کے برابر نہیں ہو سکتا بلکہ مرتبے کی سمجھ آ ہی نہیں سکتی۔ آپ ؐ کی شان ہی ایسی ہے۔ تو وہ لوگ جو یہ زور دے رہے ہیں کہ اس عمل کی اتباع کرو تو یہ یہ ہو جائے گا...... تو اس طرح وہ کنفیوژ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح اطاعت میں فرق آ جاتا ہے۔ دو آدمی یکساں نماز پڑھ رہے ہوں تو دونوں کی نماز میں بہت زیادہ فرق ہو سکتا ہے۔ یہاں پر خلوص کی بات ہے، دل کی بات ہے، عشق دل کا امام ہوتا ہے اور پھر پتہ چلتا ہے کہ کون کتنا خلوص رکھتا ہے۔ مولانا رومؒ نے ایک کہانی لکھی تھی کہ رومیوں اور چینیوں کے درمیان مقابلہ ہو گیا کہ کون بہتر فنکار ہے۔ دونوں کو ایک ایک دیوار دے دی گئی کہ تم اس پہ پینٹنگ کرو۔ درمیان میں ایک پردہ ڈال دیا گیا کہ پردہ ہٹا کے دیکھا جائے گا کہ کس نے اچھی پینٹنگ کی۔ چینیوں نے یہ کیا کہ دیوار کو پالش کرنا شروع کر دیا۔ رومیوں نے دیوار پر بڑے خوبصورت نقش بنائے۔ جب پردہ ہٹایا گیا تو وہ سارے نقش چینیوں کی دیوار کے شیشے میں آ گئے، شیشے میں وہ نقش زیادہ خوبصورت نظر آتے تھے...... تو بتایا یہ گیا کہ آپ دل کو صَیقل کرو تو یہ کائنات اپنے جلوے کا آپ کے دل کی چمکتی ہوئی دیوار کے شیشے میں عکس دے گی اور یہ زیادہ خوب صورت نظر آئے گی۔ تو اللہ کے پاس جانے کا ایک راستہ یہ بھی ہے کہ آپ اپنے دل کو مصفا کرتے چلے جائیں، پالش کرتے جائیں، چمکاتے چلے جائیں حتیٰ کہ آپ کے اندر سے کرودھ یا کدورت نکل جائے اور لوبھ نکل جائے۔ تو آپ کرودھ اور

لوبھ دونوں نکال دیں۔ کرودھ کا معنی کدورت اور لوبھ کا معنی لالچ ہے۔ آپ یہ دونوں اپنے اندر سے نکال دیں...... پھر آپ کو علم ملے گا۔ لیکن یہ بات یاد رکھنا کہ کبھی علم کی برابری کا دعویٰ نہ کرنا کیونکہ کوئی بھی چیز بظاہر برابر ہونے کے باوجود برابر نہیں ہو سکتی۔ نہ تمہارے پاس دل ہے اور نہ مرتبہ ہے۔ وہاں دل بھی اور ہے' مرتبہ بھی اور ہے' اس لیے آپ کے عمل کا نتیجہ وہ نہیں ہو سکتا...... اس لیے آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ سب پر فضل فرمائے ...... یہ ضرور غور کیا کریں کہ کچھ لوگوں کو کیوں فیض نہیں مل رہا۔ کیونکہ ان کے پاس دل نہیں ہے' دل کے اندر وہ بات نہیں ہے۔

رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی

تو وہاں وہ بات نہیں رہ گئی' اذان کی رسم تو رہ گئی لیکن حضرت بلالؓ والی روح ہو تو پھر وہ اذان بنے گی۔ اب ہمارے ہاں رومیِ عصر' غزالیِؒ دوراں' بلالِ زماں اور پتہ نہیں کیا کیا ٹائیٹل بناتے رہتے ہیں۔ یہ تو اُن کو بھی بدنام کرنے والی بات ہے۔ یہ جہالت کے پردے ہیں۔ چلو اب تو غزالی جیسی بات کر کے غزالی کہلائے مگر غزالی نے پہلے کس غزالی کو پڑھا تھا۔ اگر اللہ بناتا ہے تو کوئی غزالی بن جاتا ہے ورنہ پڑھنے سے غزالی تو نہیں بنتے۔ غزالی ایک مرتبے کا نام تھا اور یہ علم نہیں تھا۔ آپ کے ہاں علم سے بنتے ہیں مگر مرتبے سے نہیں بن سکتے۔ یہی بات ہے جس کی وجہ سے کنفیوژن پیدا ہو رہا ہے۔ آج کا مولوی بے شمار علم کی زد میں ہے اور مرتبہ' مرتبے والوں جیسا مانگتا ہے اور وہ نہیں ملتا۔ مرتبے والوں کے پاس علم تھا اور علم والوں کے پاس ضروری نہیں کہ مرتبہ ہو...... تو نتیجہ یہ ہے ...... جن کو مرتبہ ملا انہیں علم بھی ملا اور جو علم حاصل کرنے کے بعد مرتبہ بھی مانگتے ہیں تو

انہیں یہ نہیں ملے گا۔ مرتبہ تقرب سے ملتا ہے اور صرف علم سے نہیں ملتا۔ تقرب اس ذات کی اپنی رضا ہے، علم سے نہیں ہے۔ یہ الگ میکانزم ہے، یہ الگ کہانی ہے۔......اس پر ضرور سوچنا......

آخر میں دعا کرو، سب کے لیے۔ اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے۔ آمین۔

برحمتک یا ارحم الرّٰحمین۔
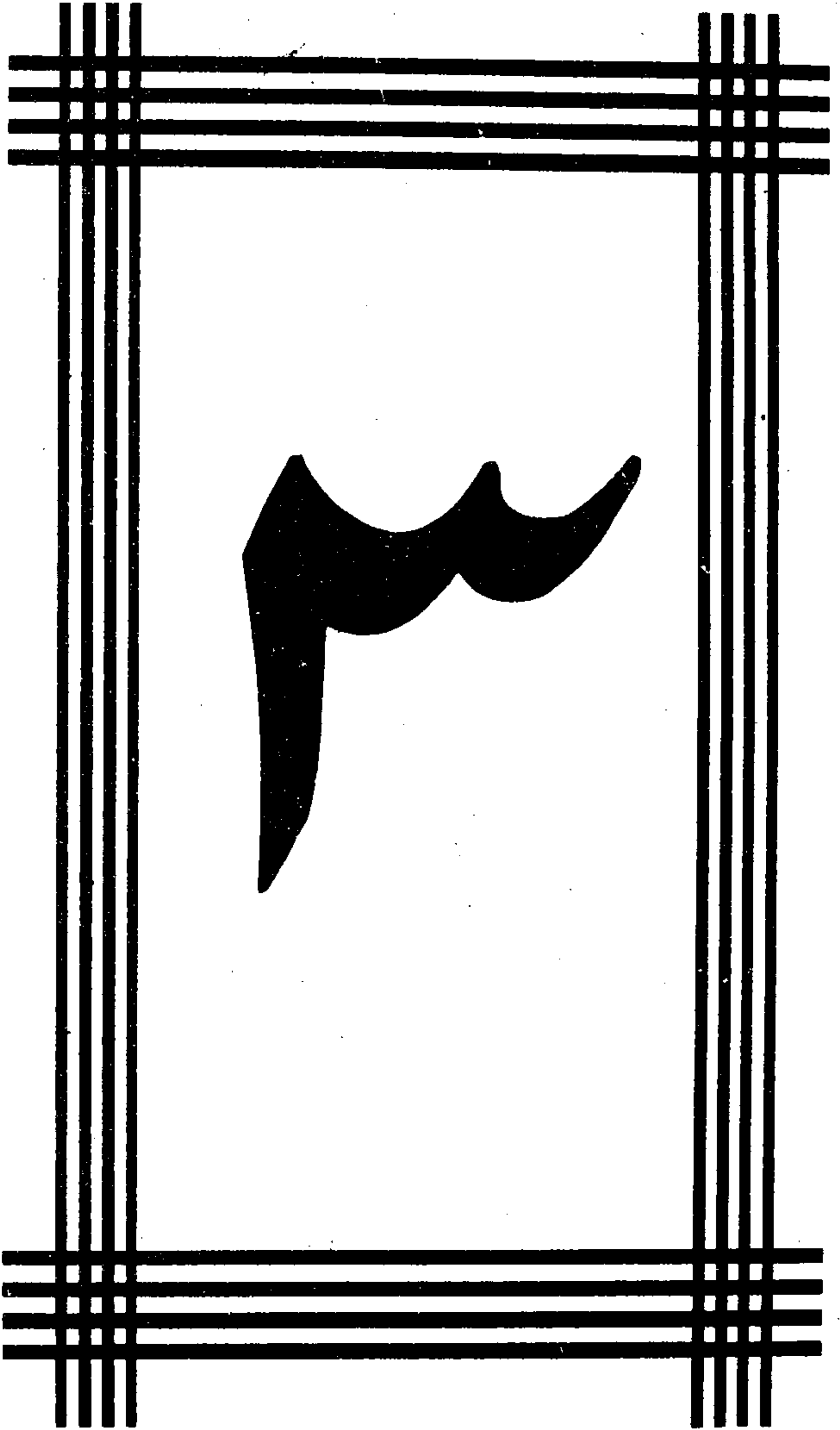
۱ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ طبیعت میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور پھر یکسوئی ختم ہو جاتی ہے؟

۲ انسانوں کے ساتھ تعلقات کس حد تک رکھنے چاہییں۔

۳ غیب کا علم صرف اللہ کو ہے لیکن کچھ ولی اور بزرگ ایسے گزرے ہیں جن کو پہلے پتہ چل جاتا ہے' تو یہ کیا ہے؟

۴ عبادت کی ضرورت کیا ہے؟

سوال :

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ طبیعت میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور پھر یکسوئی ختم ہو جاتی ہے؟

جواب:

یہ جو آپ کی زندگی ہے اس میں پھیلاؤ زیادہ ہو گیا ہے' مقاصد کے حوالے سے بھی اور ضروریات کے انداز سے بھی۔ حالانکہ انسان کی بنیادی ضرورتیں وہی ہیں' کھانا پینا' سونا اور لباس۔ تو انسان نے اپنے لیے کچھ اور ضروریات بنا رکھی ہیں اور کہتا ہے کہ یہ بھی ضروری ہے' وہ بھی ضروری ہے' سماج کا خیال رکھنا ہے' سوسائٹی کا خیال کرنا ہے' بچوں کی شادیاں بھی سماج کے مطابق کرنی ہیں۔ آج کل تعلیم صرف تعلیم کے لیے نہیں ہے بلکہ تعلیم کسی ادارے کا نام ہے اور اچھے اداروں میں تعلیم دلانا بچوں کے لیے مسئلہ ہے۔ تو انسان کی ضروریات پھیل گئی ہیں اور انسان کی خواہشات پھیل گئی ہیں بلکہ انسان کے مقاصد بھی پھیل گئے ہیں' وہ چیز کو اپنا مقصد بنا لیتا ہے۔ پھر کہتا ہے کہ یہ کام ضروری ہے اور وہ کام بھی ضروری ہے۔ تو انسان نے اپنے آپ کو اتنا مصروف کر دیا' Involve کر دیا کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ کام میرے بغیر نہیں ہو سکتا اور کبھی یہ سمجھتا

ہے کہ میں اس کام کے بغیر نہیں رہ سکتا...... یہ انتشار کی ابتداء ہے۔ انسان یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں شامل نہ ہوا تو یہ کام کیسے ہوگا اور میرے بغیر یہ کارخانہ نہیں چل سکتا اور پھر کبھی کبھی یہ کہتا ہے کہ میں اس کے بغیر نہیں چل سکتا۔ تو انسان نے اپنے آپ کو Indispensible' لازمی گردانا ہوا ہے کہ میرے بغیر یہ کام نہیں چل سکتا حالانکہ اس کے بغیر اس علاقے میں وہ کام ہو رہا ہے جہاں وہ نہیں ہے اور وہ ہر جگہ ہر وقت نہیں ہے۔ حالانکہ خدا کے علاوہ کچھ نہیں ہے لیکن لوگوں نے نہ مان کر بھی گزارہ کر لیا ہے۔ تو یہ جو انسان کی Indispensibility ہے یہ صرف اس کا اپنا خیال ہے۔ ایک بڑھیا گاؤں والوں سے ناراض ہوگئی تو اس نے کہا ہم اپنا مُرغا لے کے یہاں سے جا رہے ہیں' نہ مُرغا بانگ دے گا اور نہ تمہارے ہاں صبح ہو گی...... تو یہ بات نہیں ہے کہ مُرغا بانگ نہیں دے گا تو صبح نہیں ہوگی۔ اس طرح کا آدمی یہ سوچتا ہے کہ میں نہیں ہوں گا تو سوسائٹی نہیں ہوگی اور وہ اپنے آپ کو اتنا مصروف رکھتا ہے' اتنا ضروری سمجھتا ہے کہ اگر میں گھر میں نہ ہوا تو پھر گھر کیا ہے اور باہر اگر میں نہیں ہوں تو باہر کیا ہے۔ اصل میں یہ اپنے Vision یا وسعتِ نظر کی کمی ہے...... انسان وہیں تک دیکھتا ہے جہاں وہ موجود ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ بات بھی میرے لیے ضروری ہے اور وہ بات بھی۔ یہاں پہ آ کے انتشار پیدا ہوتا ہے کہ انسان جہاں پہلے ضروری تھا اُسے بھول گیا' اب یہاں ہونے کو ضروری سمجھ رہا ہے اور تھوڑی دیر بعد کسی اور جگہ ضروری ہوگا تو یہاں والی بات کو بھول جائے گا۔ اس لیے جب اس کو بھولی ہوئی منزلیں یاد آئیں گی تو انتشار پیدا ہوگا اور انتشار کا سب سے خطرناک حصہ وہ ہوتا ہے جب ایک ہی وقت میں دو مختلف قسم کی فوری ضروریات لازم ہوں یعنی ایک وقت ہو اور اس

میں دو لازمی کام کرنے پڑ جائیں اور وہ کام آپس میں Agree نہ کریں۔ مثلاً پورے چھ بجے اس کو ضرور جانا ہو اور چھ بجے اس کے پاس کسی نے آنا بھی ضرور ہو۔ اب وہ آدمی انتشار میں مبتلا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی سے کہیں کہ یہ مکان چھوڑ دو تو وہ کہے کہ ابا جان کا مکان ہے' اسے چھوڑ بھی نہیں سکتے'' پھر اس میں رہو'' تو وہ کہے کہ اس میں رہ بھی نہیں سکتے کیونکہ یہ مکان ٹھیک نہیں ہے...... تو وہ نہ چھوڑتا ہے' نہ رکھتا ہے...... زندگی اگر پریشان ہے تو چھوڑ دو' اگر دنیا مشکل لگ رہی ہے تو دنیا کو تیاگ دو' کوئی کام مشکل لگ رہا ہے تو کام کو چھوڑ دو...... لیکن آپ چھوڑتے بھی نہیں ہو اور آسان بھی نہیں کرتے...... انسان کو صرف مصروف رہنے کی ایک بیماری ہے اور اس بیماری کا نام ہے انتشار۔ انسان کام کرتا ہے اور مصروف رہتا ہے تاکہ پھر فرصت مل جائے مگر اب مصروفیت سے فرصت نہیں ہے' پیسے کماتا ہے تاکہ آسانی سے خرچ کر سکے لیکن جب خرچ کا وقت آتا ہے تو کہتا ہے ابھی اور کما لو۔ تو اس نے جس وجہ سے جو کام کیا تھا وہ وجہ بدل گئی ہے اور کام اس کے انتشار کا ذریعہ بن گیا۔ پہلے نیکی کے نام پر جو کام شروع کیا تھا اس میں اتنا مصروف ہو گیا کہ کہتا ہے کہ صبح ہوتی ہے یا شام ہوتی ہے بس میرے بغیر کاروبار نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ خیال رہے کہ تم انسان ہو اور میں پالنے والا ہوں' کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ تم ہی پالنے والے ہو۔ یہ نہ کہنا کہ بچوں کا کیا بنے گا' وہی بنے گا جو تیرے باپ کے بچوں کا بن رہا ہے۔ آپ کا باپ چلا گیا تو اب اس کے بچے زندہ ہیں اور کیا تیرے بچے زندہ نہیں رہ سکتے۔ تو آپ بچوں والی بات نہ کرو۔ یہ انسان کا وہم ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ کارخانہ میری وجہ سے چل رہا ہے اور اس نے اپنی مصروفیات کو بہت پھیلا کے رکھا ہوا ہے' یہاں

سے پھر انتشار پیدا ہوتا ہے اور اس کے اندر دراڑ آ جاتی ہے۔ سب سے بڑی دراڑ یہ ہوتی ہے کہ "یہ کام جائز تو نہیں لیکن اکثر ضروری ہو جاتا ہے"۔ تو یہ "اکثر" کا لفظ آپ کے لیے مصیبت ہے اور آخر کار آپ کو پکڑوائے گا' گردن میں پھندا ڈلوائے گا۔ تو یہ کہنا کہ "یہ ضرورت ہے' After all' ہم نے رہنا بھی تو ہے"۔ تو یہ جو جواز بنانا ہے یہ جواز انتشار کا باعث ہے مثلاً یہ کہنا کہ "یہ کام غیر ضروری ہے لیکن کرنا پڑتا ہے' آخر بچوں کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہے"۔ آپ بچوں کو مصیبت سے نجات دلائیں اس طرح کہ بچوں کا خیال رکھنے والا بچوں کی عاقبت کا بھی خیال رکھے۔ تو بچوں کی عاقبت کا خیال بھی ہونا چاہیے..... تو آج کا انسان یہاں آ کے پریشان ہوا ہے کہ ایک تو اس نے بہت ساری مصروفیات رکھی ہیں اور مصروفیات کے اندر اتنا تضاد ہے کہ صبح صبح یہ مومن ہو جاتا ہے اور شام کو کافر بن جاتا ہے۔ مسجد میں جب جاتے ہیں تو جوتا اتار دیتے ہیں یعنی جب آپ مسجد میں عبادت کے لیے گئے تو دنیا کی چیز اتار دی' جو کہ مسجد کے باہر بڑی ضروری ہے۔ آپ کی پرابلم یہ ہے کہ عبادت میں جو چیزیں چھوڑ کے جانی ہیں وہ عبادت میں آپ ساتھ لے جاتے ہیں۔ عبادت کا مفہوم یہ تھا کہ وہ آپ کو دنیا کے پریشر سے بچائے' حالات کی تیزی سے بچائے اور آپ نے یہ کام کیا کہ اپنی فائل بھی مسجد میں ساتھ لے گئے اور نماز پڑھتے ہوئے ایاک نعبدو وایاک کہتے ہوئے یہ بھی کہا کہ میرا یہ کام ہونا چاہیے۔ تو جس کام کو چھوڑ کے عبادت کرنی تھی اس کام کو لے کے آپ عبادت کر رہے ہیں۔ تو آپ دنیا کو لے کر مسجد میں چلے گئے اور جو دنیا کا کام تھا اس میں الٰہیات کو لے کے آ گئے' لوگوں کو الٰہیات کی نصیحت کرتے ہو اور خود اپنے کاروبار میں مصروف ہوتے ہو۔ تو جس آدمی میں

انتشار ہے اس نے ذہنی طور پر یہ سمجھا ہی نہیں' یہ فیصلہ کیا ہی نہیں کہ یہاں پر آنے کا میرا مقصد کیا ہے۔ اگر تو مقصد ہوتا صرف وقت گزارنے کا تو وہ تو آپ بھی گزار رہے ہیں اور کافر بھی گزار رہا ہے' پھر آپ کو مسلمان ہونے کا کیا فائدہ اور کیا نقصان۔ اور اگر مقصد ہو کسی خاص چیز کو Achieve کرنے کا تو وہ چیز آپ سے پہلے جن لوگوں نے حاصل کی ان کا نام آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔ اگر ان کا نام معلوم ہے تو ان کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیے۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ ایک آدمی بیمار ہو اور وہ اللہ کے قریب ہو؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ آپ کہیں گے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن آپ نے دیکھا ہوگا کہ کوئی بیمار ایسا ہوتا ہے جو اللہ کے قریب نہیں ہوتا بلکہ اللہ سے جھگڑتا ہے اور بار بار اُسے بتاتا رہتا ہے کہ میں بیمار ہوں۔ اب وہ بتا کس کو رہا ہے؟ اللہ کو' جب کہ اس کو بھیجنے والا اللہ خود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بیماری کو جواز بناتا ہے' عبادت میں دلچسپی نہیں لے سکتا' سجدہ نہیں کر سکتا اور جب سجدے کا وقت آ جائے تو پھر دنیا کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ تو آج کا مسلمان ان دونوں باتوں میں صلح نہیں کرا سکا اور دین کا مقصد کسی اور طرف جا رہا ہے اور دنیا کی ضرورتیں کسی اور طرف لے کے جا رہی ہیں' درمیان میں انتشار ہے۔ تو یہ انسان اپنے آپ کو نہ خدا پہ چھوڑتا ہے اور نہ خود کو ڈاکٹر کے حوالے کرتا ہے۔ ڈاکٹر کے حوالے کرے تو پھر ڈاکٹر جانے اور بیماری جانے' دیکھا جائے گا۔ آپ کہیں گے کہ ڈاکٹر ہمیں ویسے ہی ختم کر دے گا فیسیں لے لے کے۔ جب آپ مانتے ہیں کہ اللہ بیماری بھیجنے والا ہے اور وہی شفاء دینے والا ہے تو اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دو۔ مگر انسان خود کو اللہ کے حوالے نہیں کرتا' اس لیے انتشار ہوتا ہے۔ اور اس لیے انتشار ہے کہ انسان دوسروں کے حق ادا نہیں

کرتا......تو جس کا حق ہے اس کو ادا کر دو تو انتشار ختم ہو جائے گا۔ اور اگر ہو سکے تو اپنا حق معاف کر دو' پھر انتشار ختم ہو جائے گا۔ انتشار جو ہے یہ سادہ زندگی میں ختم ہوتا ہے اور بے تاب زندگی' پریشان زندگی اور کثیر المقاصد زندگی میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ آج کے انسان کو اس کے علاوہ اور بھی انتشار ہیں۔ یہ جو بین الاقوامی خبریں آ رہی ہیں اس سے بھی انتشار پیدا ہو رہا ہے' مثلاً روس نے امریکہ پر حملہ کر دیا یا امریکہ نے روس پر حملہ کر دیا اور یہ جنگ ہمارے دروازے تک آ پہنچی ہے۔ یعنی کہ انسان کو وہ جو آسودہ دنیا اور آسودہ زندگی میں رہنے کا لطف آتا تھا اس کی وہ دنیا پریشان ہو گئی۔ ایران اور عراق کی جنگ سے سب پریشان ہیں' افغانستان میں بھی جنگ ہے' انڈیا میں کوئی واقعہ ہو گیا' بنگلہ دیش میں بھی کچھ واقعہ ہو گیا۔ تو باہر کے علاقوں کی خبریں بھی آپ میں انتشار پیدا کر رہی ہیں اور اپنے ملک کے بارڈر پر Fear پیدا ہو رہا ہے' خوف اور خطرہ دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ حالانکہ یہ سارا وہم ہے۔ زندگی کو اگر کوئی خطرہ نہ ہو تب بھی اس نے مر جانا ہے اور خطرہ ہو پھر بھی اس نے مر جانا ہے۔ موت' زندگی کے نصیب میں ہے۔ اور خطرہ جو ہے یہ صرف وہم ہے۔ اگر انسان موت کا ہونا قبول کر لے تو زندگی سے خطرہ ٹل جاتا ہے۔ بس یہ پتہ ہو کہ موت نے آنا ہے اور جس دن اس نے آنا ہے وہ دن پہلے نہیں آ سکتا اور وہ دن ٹل بھی نہیں سکتا۔ اگر یہ ایمان پختہ ہو جائے کہ موت کا وقت مقرر ہے' نہ وہ ٹل سکتا ہے اور نہ وہ قبل از وقت آ سکتا ہے' تو پھر انتشار ختم ہو جائے گا۔ انسان یہ فیصلہ کر لے کہ میں نے زندگی کا کون سا مقصد بنانا ہے اور میں کون سا نامۂ اعمال مرتب کر رہا ہوں جو میں اللہ کے روبرو پیش کروں گا' یہ نہ کہنا کہ میں کل اصلاح کر لوں گا' کل تک پتہ نہیں کون جیتا ہے۔

آپ اپنے اعمال کو اپنے ہاتھ سے کر کے اپنا اعمال نامہ خود لکھ رہے ہیں' اس میں ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے' مخفی بھی ہے یعنی جو جو کچھ آپ نے سوچا وہ اعمال نامے میں ہے' جو کچھ آپ نے کیا وہ اعمال نامے میں ہے اور لوگوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اعمال نامے میں ہے...... اس کا گواہ کون ہے؟ خود آپ۔ دوسرے گواہ کی ضرورت کوئی نہیں ہے اور آپ کی اپنی گواہی آپ کے اعمال نامے کے Authentic ہونے میں حرفِ آخر ہے۔ آپ کے ہاتھ میں جو پرچی لکھی ہوئی ہوگی اللہ تعالیٰ نے اسے ظاہر کر دینا ہے...... انتشار اس لیے ہے کہ آپ میں دین کو چھوڑ کر دنیا کی طلب ہے اور دنیا بھی آسودہ نہیں ہے۔ نتیجہ پھر یہ ہوا کہ کچھ بھی نہ بنا اور صرف انتشار رہ گیا۔ اس لیے آج کے انسان میں انتشار زیادہ ہے۔ اگر آپ Concentrate کریں' توجہ کریں تو ایک اور خواہش پیدا ہوتی ہے' ایک اور فرض پیدا ہو جاتا ہے' اس لیے یکسوئی نہیں ہوتی۔ اگر آپ یکسوئی میں بیٹھ جائیں اور بیٹھے رہیں تو پھر ایک خبر اچانک آ جاتی ہے اور یکسوئی ختم۔ یکسوئی جو ہے یہ خالق کے ساتھ مکمل طور پر متعلق ہونے میں ہے' تعلق میں آنے میں ہے۔ اگر آپ مخلوق سے متعلق ہو جائیں گے تو پھر یکسوئی نہیں ہوگی۔ کیونکہ مخلوق یکسو ہو نہیں سکتی۔ اس لیے انتشار ہوتا رہے گا۔ پھر اگر آپ ماموں کے گھر جائیں گے تو چچا کا گھر ناراض ہو جائے گا' میرا مطلب ہے کہ کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ ہوتا رہے گا اور یہ واقعات ہوتے رہیں گے۔ اگر آپ اللہ کو فائنل مان لو اور اللہ کے فیصلوں کو آخری مان لو تو پھر یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر آپ دنیا کے حاصل کو اتنی اہمیت نہ دو' اگر آپ اپنے ذہن سے غریبی امیری کے فرق کو نکال دو تو یکسوئی پیدا ہو جائے گی۔ جو خوشی مال حاصل کرنے سے ہوتی ہے اگر وہ مال خرچ کرنے

سے ہونے لگے تو یکسوئی پیدا ہو جائے گی۔ یکسوئی اس فیصلے کا نام ہے جب آپ اللہ کے فیصلے پر راضی ہو جائیں اور جو شخص راضی نہیں ہے اسے یکسوئی نہیں ملے گی۔ جس کو عشق ہو جائے وہ یکسو ہو جاتا ہے۔ مجنوں سے کسی نے پوچھا کہ تو نے شہر دیکھا ہے تو اس نے کہا کہ میں نے تو شہر نہیں دیکھا' میں نے تو لیلیٰ ہی دیکھی ہے' میں نے خدا کی اور کوئی شے نہیں دیکھی' میں نے صرف ایک ہی چیز دیکھی ہے۔

جب درد سے ہوتا تھا مضطر کہتا تھا یہ مجنوں رُو رُو کر
دنیا کی ہر اک شے کو یارب لیلیٰ کر دے محمل کر دے

اس کے لیے ہر شے ایک ہی ہے اور وہ کہتا ہے مجھے ایک ہی جلوہ درکار ہے۔ جس کو ایک جلوہ درکار ہو گا اس میں یکسوئی آئے گی' یکسوئی جو ہے یہ یک نظری کا نام ہے اور نظر کا انتشار خیال کا انتشار ہے۔ اور اگر آپ اپنے آپ کا صبح سے شام تک جائزہ لیں کہ آپ کیا کرتے رہتے ہیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا لیکن پھر اللہ کے سامنے بڑے مسکین بن کے' بڑے عاجز ہو کے کھڑے ہوتے ہیں اور جب غصہ آتا ہے تو پھر آپ پورے "غیر اللہ" بن جاتے ہیں۔ داتا صاحبؒ کے آستانے پہ جائیں تو لوگ ہاتھ باندھ کے جاتے ہیں اور جب واپس آتے ہیں تو اُدھر کو پیٹھ نہیں کرتے اور اُدھر کو منہ کر کے اس طرح واپس آتے ہیں جیسے یہ داتا صاحبؒ کو دیکھ رہے ہوں اور وہ ان کو دیکھ رہے ہوں...... اور داتا صاحبؒ کی زندگی کا کوئی عمل ان کی زندگی میں شامل نہیں ہوتا۔ کسی بزرگ کے ساتھ اس سے بڑا جھگڑا اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ اُسی کے نام پر اُسی کا کام نہ کرنا' مطلب یہ کہ اس کے پاس رہنا اور اس کا کام نہ کرنا۔ آج کا انسان اس لیے ڈسٹرب ہوا ہے اور اس لیے یکسوئی میں نہیں ہے۔ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ تم

کس بزرگ کا کہنا مانتے ہوتو وہ اگر کہے کہ میں تو ہر بزرگ کا کہنا مانتا ہوں تو وہ جھوٹا ہوگا۔کون جھوٹا ہوگا؟ جو یہ کہے کہ میں ہر بزرگ کا کہنا مانتا ہوں۔ اُس کو اس لیے جھوٹا کہتے ہیں کہ ہر بزرگ تمہارے مزاج سے آشنا نہیں ہے' ہر ڈاکٹر سے علاج کرانے والا ضرور بیمار رہے گا کیونکہ ایک مزاج آشنا ڈاکٹر چاہیے' اُسے پتہ ہوتا ہے کہ ایسا علاج کرنا ہے کہ کہیں دوسری بیماری پیدا نہ ہو جائے۔ اس لیے ایک معالج ہونا چاہیے۔ یہ بڑی ضروری بات ہے۔ اسی طرح ایک معلم ہونا چاہیے جس سے تعلیم حاصل کی جائے۔ ورنہ تو تعلیم کے شعبے بہت ہیں مثلاً ہمارے ہاں طریقت میں چشتی' قادری' نقشبندی اور سہروردی سلسلے ہیں اور ایک آدمی ہر سلسلے کی تعلیم حاصل کرے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ناکام ہو جائے گا۔ ناکام ہونے کا پکا نسخہ یہ ہے کہ دو چار کام شروع کر دو' ایک دوکان بنا لو اور ایک ٹورنگ کمپنی بنا لو......تو دوکان اور ٹورنگ کمپنی کا آپس میں کیا تعلق؟ ایک چلنے والا اور دوسرا ٹھہرنے والا کام ہے۔ تو یہ تضاد ہے۔ یہ تضاد ہے کہ لوہے کا کاروبار کرتے ہو اور ساتھ ہی کپڑے کا کاروبار کرتے ہو اور روئی کا بھی کاروبار کرتے ہو۔ تو کاروبار کے اندر ایک جیسا کاروبار یکسوئی پیدا کرتا ہے۔ تو آج کے انسان کے لیے بڑا ضروری ہے کہ پہلے یہ فیصلہ کرے کہ میں نے کس جگہ پر کس انداز میں آخری سانس پورا کرنا ہے۔ یہ نہ کہنا کہ اللہ کے حوالے کرتے ہیں' یہ فرار ہو گا۔ اپنی زندگی میں اپنے لیے فیصلہ کر لو کہ میں اس مقام پر جا کر اس انداز سے آخری سانس پورا کرنا چاہتا ہوں اور پھر میں راضی ہو کے چلا جاؤں گا۔ اگر آپ نے یہ فیصلہ نہیں کیا تو پھر انتشار ہوگا۔ اگر یہ فیصلہ کر لیا کہ آرزو کیا ہے کہ کس جگہ پر دم نکلے اور پتہ چل جائے کہ میری یہ خواہش ہے کہ فلاں جگہ دم نکلے تو اس جگہ کی

طرف چل پڑو۔ پھر دم لیتے لیتے وہاں تک پہنچ جاؤ۔ اگر وہاں نہیں جانا اور یہ خواہش ہے کہ یہیں پر ہمارا دم نکلے اور اس طرف سفر نہیں کیا تو پھر یہ جھوٹ ہے اور انتشار پیدا ہو جائے گا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہماری خواہش ہے کہ اللہ کے گھر میں' خانہ کعبہ میں ہماری جان نکلے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ اب وہ خانہ کعبہ کی طرف چل پڑے کیونکہ جان نکلنے کا وقت آ رہا ہے۔ اور اگر خانہ کعبہ سے ڈرتا ہے جب کہ آخری سانس وہاں لینا چاہتا ہے تو پھر انتشار پیدا ہو جائے گا۔ اس لیے یہ بات ضروری ہے کہ انسان اللہ کو مانے اور اللہ کریم کے احکامات کو بھی مانے۔ کیونکہ آج کا انسان اللہ کو تو مانتا ہے لیکن اللہ کے احکامات کو نہیں مانتا' تو انتشار' وہ لوگوں کو خوش کرنا چاہتا ہے لیکن لوگوں کے ساتھ نیکی نہیں کرتا' تو انتشار' اور وہ خرچ کیے بغیر یہ سمجھتا ہے کہ میں اللہ کے قریب ہو گیا تو انتشار' وہ کثیر المقاصد ہو گیا تو انتشار' ہر بندے کو راضی کرنا چاہتا ہے تو انتشار...... انسان ہر بندے کو کیسے راضی کر سکتا ہے۔ ایک بزرگ نے اپنے ایک مرید کو خلافت دی اور اُسے کہا کہ فلاں علاقے میں چلے جاؤ۔ وہ اس علاقے میں چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد پیر صاحب نے وہاں سے رپورٹ منگوائی کہ کیا حال ہے ہمارے خلیفہ کا۔ انہوں نے کہا کہ بہت اچھا حال ہے' وہ بہت کامیاب ہیں اور ان پر سب لوگ راضی ہیں۔ پیر صاحب نے کہا کہ اُسے پیغام دو کہ واپس آ جائے اور خلافت کی سند بھی واپس دے دے۔ جب وہ واپس آیا تو پیر صاحب نے فرمایا کہ سُنا ہے لوگ تم پر بہت راضی ہیں۔ کہنے لگا کہ یہ آپ کی مہربانی ہے اور آپ کی دعا ہے کہ سارے ہی راضی ہیں۔ پیر صاحب نے کہا کہ اگر سارے راضی ہیں تو تُو جھوٹا ہو گیا ہے اور تُو نے سچ بولنا چھوڑ دیا ہے۔ تو جو سچ بولنا چھوڑ دے اس سے سب راضی ہوں

گے ورنہ سب راضی کیسے ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آج کا انسان ہر ایک کو راضی کرنا چاہتا ہے' اِس کو بھی راضی رکھ اور اُس کو بھی راضی رکھ۔ مدعا یہ ہے کہ اگر تمہارا اپنا رنگ نہیں ہوگا تو پھر تُو ہر رنگ میں ڈھلنے کی کوشش کرے گا۔ یہاں پہ انتشار پیدا ہوتا ہے۔ انتشار سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ تمہارا ایک رنگ ہو۔ اگر ایک رنگ کا گمراہ شخص ہو تو وہ بھی انتشار سے بچ سکتا ہے مثلاً چور نے ہر صورت میں چوری کرنی ہے اور پھر ایک دن وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ کے گھر میں چوری کرنی ہے' خانہ کعبہ سے تھوڑا سا غلاف پھاڑ کے لے آئے گا۔ پھر اسے ہدایت ملتی ہے اور یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے۔ یکسوئی اس میں پیدا نہیں ہوتی جس کے خیال میں یکسوئی نہیں ہے' جس کا عمل یکسُو نہیں ہے' جو سوچتا ہے اور بدلتا ہے' بدلتا ہے اور سوچتا ہے' جس کے فیصلے دیرپا نہیں ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ ہر ایک کو راضی رکھنا چاہتا ہے لیکن وہ کسی کو راضی نہیں رکھ سکے گا۔ اس لیے اپنے آپ کا خود فیصلہ کر لو کہ تم نے کس کے نقشِ قدم پر چلنا ہے' جس کے نقشِ قدم پر چلنا ہے اس کی طرف چل پڑو' اگر کسی بزرگ کے حوالے سے چلنا ہے تو بزرگ کے حوالے سے چل پڑو۔ عبادت کرنی ہے تو عبادت کے حوالے سے چل پڑو۔ انتشار جو ہے یہ دنیا میں ٹھہرنے کی آرزو کا نام ہے جب کہ تم ٹھہر نہیں سکتے۔ اگر تم یہاں ٹھہرنے پر زور نہ دو اور اصرار نہ کرو تو انتشار ختم ہو جائے گا۔ اگر اپنے آپ کو یہ نہ سمجھو کہ تمہارے بغیر یہ قافلہ نہیں چلے گا تو انتشار ختم ہو جائے گا۔ قافلہ ضرور چلے گا اور قافلے چلتے ہی رہتے ہیں۔ اگر آپ کو پتہ چلے کہ آپ کا دوست اللہ کو پیارا ہو گیا تو پھر آپ کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر آپ کا دوست اللہ کو پیارا ہو گیا تو اُس کے دوست آپ بھی تو ہیں' کیا پتہ اللہ کو آپ کے ساتھ پیار ہو جائے۔ تو

انسان یہ بات نہیں سمجھتا۔ ہوتا یہ ہے کہ شہر میں بندے اُتنے ہی رہتے ہیں' ایک ایک کر کے رخصت ہوتے جاتے ہیں' کچھ عرصہ کے بعد شہر بھرا رہتا ہے اور بندے غائب ہو جاتے ہیں' بازار بھرے ہوتے ہیں لیکن آشنا بندے غائب ہو جاتے ہیں' شیخ صاحب بھی چلے گئے اور چوہدری صاحب جو تھے وہ شیخ صاحب کے دوسرے دن چلے گئے۔ پھر آپ وہاں جتنے نام گنواؤ' ان میں سے ایک بندہ بھی نہیں ہوگا۔ تو شہر تو آباد تھا' شہر بھرا ہوا تھا لیکن آشنا بندے غائب ہو چکے تھے۔ اسی طرح آپ بھی غائب ہو جائیں گے' آپ بھی گم ہو جائیں گے......

اللہ کو یاد کیے بغیر اپنے آپ کو گم شدہ ہونے سے بچانے کی آرزو کرنا انتشار ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ تم دنیا کو چھوڑتے ہوئے' دنیا کی آرزوؤں کو چھوڑتے ہوئے ففروا الی اللہ اللہ کی طرف بھاگتے ہوئے' فرار کر جاؤ' ہر شے کو چھوڑ کے آ جاؤ' ہر شے کا خیال چھوڑ کے آ جاؤ...... جس طرح آپ مسجد میں جوتا نہیں لے کے جا سکتے اسی طرح آپ اللہ کی آرزو میں دنیاوی آرزو ترک کر کے جائیں۔ دنیاوی آرزوؤں کا وہاں کوئی مقام نہیں ہے۔ ہر آدمی دنیا میں آسودہ ہونا چاہتا ہے' آپ نے آسودہ ہونا ہے تو اسی جگہ ہونا جہاں پر آپ ہیں۔ اسی چیز کا نام آسودگی ہے۔ کبھی آپ کو کسی طریقے سے اپنے بزرگوں میں سے دادا نانا تک رسائی ہو جائے تو ان سے پوچھنا کہ آپ کی زندگی کیسی تھی' پھر آپ کو پتہ چلے گا کہ زندگی کیسی تھی...... بڑے بڑے بادشاہ' ظلِ سبحانی اور آنجہانی جو تھے ان کی حالت یہ تھی کہ کمرے میں ائیر کنڈیشنڈ نہیں تھا۔ اکبر بادشاہ کے پاس ٹیلی فون نہیں تھا۔ آپ بگی میں نہیں بیٹھ سکتے اور اکبر بادشاہ لاہور سے دلی بگی میں بیٹھ کے جاتا تھا۔ حالانکہ وہ تھا شہنشاہ جلال الدین اکبر۔ وہ ہاتھی پر

بیٹھ کے بھی جاتا تھا اور اگر آپ کو سزا کے طور پر کہیں کہ لاہور سے شیخوپورہ ہاتھی پر بیٹھ کے جاؤ تو آپ مر جاؤ گے۔ آپ کے پاس تو ڈی لکس قسم کی گاڑیاں ہونی چاہییں۔ آپ کی زندگی بڑی آسان ہے بس صرف شکر نہیں ہے اور ناشکری بڑھ گئی ہے۔ آپ کی تنخواہیں بہت زیادہ ہیں مگر آپ کی غریبی تنخواہ سے زیادہ ہے' جوں جوں تنخواہ بڑھتی جا رہی ہے غریبی بھی بڑھتی جا رہی ہے کیونکہ ہوس بڑھتی جا رہی ہے' لالچ بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ نہ کہنا کہ پرائس بڑھتی جا رہی ہے' پرائس آپ خود ہی کنٹرول کرتے ہیں۔ آپ اگر ضرورت کو صرف ضرورت کی حد تک رکھیں تو پھر آپ پرائس کنٹرول کر سکتے ہیں۔ آپ ان چیزوں کی طرف رجوع کر گئے ہیں جو چیزیں زندگی کے لیے اتنی ضروری نہیں تھیں۔ آپ میں سے کئی آدمی ایسے ہوں گے جن کے گھر میں دنیا کی آسانیاں اور آسائشیں ہیں اور ان سے اگر پوچھو کہ تم نے کب نیا قرآن شریف خریدا تھا' کہاں سے خریدا تھا اور اس کو کتنی بار پڑھ لیا ہے...... تو پھر جواب کیا ہوگا؟ ویسے آپ بڑے ادب نواز ہیں' کبھی امریکہ کی چھپی کتاب پڑھتے ہیں اور پھر کبھی انگلینڈ کی یا انڈیا کی۔ اور یہ جو تیرے اللہ نے کتاب بھیج رکھی ہے اگر وہ پڑھنے کا موقع نہ ملے تو...... اگر اس کتاب کو آپ نے اللہ کا کلام مان لیا ہے تو پھر پتہ تو کرو کہ اللہ کہتا کیا ہے' کچھ تو کہا ہوگا' شاید آپ کے لیے اس میں کوئی پیغام ہو کیونکہ اللہ کو تو پتہ ہے کہ یہ کتاب آپ کے زمانے میں بھی جانی ہے۔ تو آپ اسے پڑھو تو سہی اور کبھی اسے مان ہی لو۔ آپ تو اخبار پڑھیں گے' واپڈا کے بل پڑھیں گے' یہ پڑھیں گے' وہ پڑھیں گے' دوسروں کے خط پڑھیں گے اور دوسرے سب واقعات پڑھیں گے لیکن قرآن کو نہیں پڑھیں گے۔ آپ اس کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ یہ کہتا کیا ہے۔ اللہ کے

ساتھ آپ کی Communication یا تو قرآن میں ہوتی ہے یا سجدے میں یا پھر تنہائی میں۔ اس لیے یکسوئی کیا ہے؟ اللہ کے ساتھ کمیونیکیشن' رابطہ۔ جب اللہ کے ساتھ آپ کی کمیونیکیشن نہیں ہوتی تو پھر انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ بہت ساری خواہشات سے بھرے ہوئے ہیں' آپ کے پاس بے شمار واقعات ہیں کہ کیا کیا کریں:

؎ کیڑھا کیڑھا رونا روئیے سارے روگ اَوَلے نیں

یعنی کس کس بات کا رونا روئیں کیونکہ سب روگ بڑھتے جا رہے ہیں' ایک روگ ہو تو انسان رو بھی لے مگر آپ نے تو ہزار ہا روگ لگا لیے ہیں۔ اور آخر کار زندگی کو مرنا ہے۔ چلو یہ ہو جائے کہ آپ روگ لگا لیں مگر زندگی بچ جائے مگر زندگی نے تو بچنا نہیں ہے۔ اگر ڈاکٹر سے کوئی پوچھے کہ اس مریض کا بتائیں تو وہ کہے گا شاید کل تک مر جائے۔ پھر وہ کہے گا کہ ڈاکٹر صاحب اگر اس نے کل مر جانا ہے تو پھر اس کو اتنے پائپ' ٹونٹیاں کیوں لگا رکھی ہیں۔ ڈاکٹر کہے گا کہ یہ اس کا نصیب ہے۔ مدعا یہ ہے کہ آپ کو پتہ ہے کہ زندگی کے نصیب میں موت لکھی ہوئی ہے' اور پھر بھی زندگی میں Burden کرنا اور اسے پریشان کرتے رہنا اچھی بات نہیں ہے۔ اگر کوئی غریب آدمی پیسے کما کے دولت حاصل کر گیا' امیر ہو گیا تو وہ امیر ہونے کے بعد پھر غریبی کی زندگی گزارتا ہے کہ خرچہ کنٹرول کرو' تھوڑا خرچ کرو' یہ میں نے بڑی مشکل سے بنایا ہے...... جب بنا لیا ہے تو پھر خرچ ہونے دو۔ تو یہ انسان ہے جو کبھی آسودہ نہیں ہوتا اور اپنی زندگی کو خود ہی پریشان کرتا رہتا ہے۔ اگر آپ یہ فیصلہ کر لیں کہ زندگی کو آسان بنانا ہے تو زندگی آسان ہو جائے گی۔ یا تو مبالغہ کرنا چھوڑ دو' نمائش کرنا چھوڑ دو' یا پھر یہ مان لو کہ تم غریب ہو۔ اگر

غریب ہونا مان لو گے تو پھر غریبی میں قرار آ جائے گا۔ اگر یہ مان لو کہ آپ آزردہ ہو تو پھر قرار آ جائے گا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بزرگوں کے ساتھ آپ کے جو تعلقات ہیں اُن میں ابہام نہ ہو۔ داتا صاحبؒ بے شمار لوگوں کے مرشد ہیں لیکن بے شمار لوگ داتا صاحبؒ کے پاس نہیں آئے۔ خواجہ صاحبؒ نے یہاں آ کے فیض لیا مگر خواجہ صاحبؒ پھر چشتی کے چشتی ہیں' جب بھی وہ کریڈٹ دیں گے اپنے پیر عثمان ہارونیؒ کو دیں گے جب کہ داتا صاحبؒ سے بھی فیض لے لیا۔ تو آپ کا جو شیخ ہو گا اس کے حوالے سے آپ کو نسبت ملے گی۔ مدعا یہ ہے کہ اپنے شیخ کو یا بزرگ کو دریافت کرو' اپنی نسبت کو دریافت کرواور ان کے ساتھ چلو' جیسے جیسے وہ چلیں آپ بھی ویسے چلو۔ اگر ویسی چال نہیں ہے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ سکون نہیں ملے گا۔ سکون ہوتا ہے اتباع میں اور جس آدمی سے آپ نے اللہ کے حکم اور احکام لیے ہیں اس آدمی کے رنگ کی اتباع ہو۔ اگر صابری لوگ گیروے رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں تو اب جو صابری ہو گیا وہ وہی رنگ پہنے گا اور اس کو اسی رنگ میں قرار ملے گا' جو چشتی ہو گا وہ قوالی سُنے گا۔ آپ دوسروں پر اعتراض کرنا چھوڑ دو اور اپنا کام کرتے جاؤ۔ نیت صاف ہو تو پریشانی نہیں ہو گی۔ پیسہ مادہ ہے اور مادہ کو جمع کرنے سے انتشار پیدا ہو گا اور اگر آپ پیسہ خرچ کر دو' انسانوں کو دے دو' کسی انسان کو سکون دے دو تو انتشار ختم ہو جائے گا۔ کسی آدمی کو آسانی پہنچانے سے انتشار ختم ہو جاتا ہے۔ اور جب اللہ کے پاس جا کے آپ کو دعا بھی بھول جائے تو سمجھو کہ یکسوئی پیدا ہونے لگی ہے۔ وہاں دعا کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اب آپ اللہ کے پاس آ گئے ہیں۔ جب آپ پاس آ جائیں تو پھر دعا کا کیا فائدہ۔ اگر وہ پاس ہے تو پھر اور کیا دعا مانگنی ہے۔ سب سے بڑی چیز تو آپ

کو مل گئی ہے کہ اللہ آپ کے پاس آ گیا یا آپ اللہ کے پاس چلے گئے تو پھر اب کیا دعا مانگنی...... اور اگر وہ پاس نہیں ہے تو پھر دعا کیا ہے۔ اس لیے یہ بات غور سے سمجھو کہ جہاں قبولیت کا وقت آ جائے وہاں دعا نہیں مانگنی کیونکہ اب قبولیت آ گئی ہے اور جب اللہ تعالیٰ قبولیت عطا فرما دے تو پھر ارادہ ہی دعا ہے۔ اس لیے انتشار سے بچنے کے کئی طریقے ہیں' اللہ کا ذکر کرو اور درود شریف پڑھو۔ اللہ کا ذکر آپ میں یکسوئی پیدا کرتا ہے اور پھر انسان میں وجدان پیدا ہو جاتا ہے' اس کے اندر جنون پیدا ہو جاتا ہے' شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ جو ایک راستے کا مسافر ہو گا اس کو انتشار نہیں ہو گا۔ دو راستوں کا مسافر منتشر رہے گا۔ جس آدمی کی زندگی میں دو کام آپس میں Tally نہ کریں تو انتشار ہو گا' اگر دونوں کاموں میں سے ایک نیکی ہے اور دوسرا غلطی ہے تو انتشار ہو گا۔ ایسا شخص نہ نیکی چھوڑتا ہے اور نہ وہ غلطی چھوڑتا ہے۔ اس لیے انتشار ہوتا ہے۔ آپ اپنے آپ کو یک طرفہ کر دیں' ایک طرف مائل ہو جائیں اور زندگی میں یہ فیصلہ کر لیں کہ کہاں پہ جان ختم ہونی ہے۔ یہ فیصلہ بہت ضروری ہے۔ سب بزرگ یہ بتاتے ہیں۔ اور اسی عمر میں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ نوجوان اپنے بڑھاپے کو اپنی جوانی کی نگاہ سے دیکھیں اور یہ فیصلہ آج ہی کر لیں کہ بڑھاپا کہاں ختم ہونا ہے تاکہ جو آخری عمر میں پرابلم ہوتی ہے وہ آپ کو نہ ہو۔ پھر آپ کو انتشار نہیں ہو گا۔ اس مقصد کے لیے باقی کام چھوڑتے جائیں۔ جب آپ نے دوست کی شادی پر جانا ہے تو راستے کے جتنے کام ہیں وہ چھوڑ دو۔ یہ نہ کہنا کہ اے دوست معذرت ہے کہ میں آج نہ آ سکا کیونکہ راستے میں ایک اور دوست مل گیا۔ تو ایسا شخص جھوٹا ہے جو ایک جگہ دعوت کا وعدہ کر لیتا ہے' پھر ایک اور جگہ دعوت کا وعدہ کرتا ہے اور پھر اکیلا بیٹھ کے کھانا کھا لیتا ہے۔

اس لیے اپنے وعدوں کا پاس کرو' اپنے خیال کی نگرانی کرو' اپنے آپ کو کثرتِ مقصد سے بچاؤ' اپنے آپ کو مادہ کی محبت سے نکالو اور مادہ پرستی سے نکالو۔ پھر آپ کو آسودگی مل جائے گی' آپ کے معاملات ٹھیک ہو جائیں گے اور انتشار ختم ہو جائے گا۔ اللہ نے یہ کہا ہے کہ تمہیں اللہ کے ذکر میں یکسوئی ملے گی۔ کائنات کے جتنے بھی جان دار ہیں ان سب میں اللہ تعالیٰ نے یکسوئی رکھی ہے اور انسان میں انتشار ہے۔ کسی ذی جان کی آواز کبھی نہیں بدلی' طوطا' کبوتر کی طرح بھی نہیں بولا' جو اُن کی آواز ہے وہ وہی رہتی ہے' جو پرواز ہے وہی پرواز رہتی ہے' گھوڑا مر جائے گا لیکن گوشت نہیں کھائے گا اور شیر مر جائے گا لیکن گھاس نہیں کھائے گا۔ یہ مزاج ہیں اور ہر چیز کا مزاج Fix کر دیا گیا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ دیکھو ان میں کس طرح یکسوئی ہے۔ جو جس طرف کا مسافر ہے اسی مدار میں چل رہا ہے' ستارے اپنے مدار میں چل رہے ہیں' سورج اپنے مدار میں چل رہا ہے' ان میں کوئی Change یا تبدیلی نہیں ہے۔ اور آپ لوگ اپنا مدار چھوڑ جاتے ہیں' اپنے فیصلے چھوڑ جاتے ہیں' جاتے جاتے آپ کوئی چیز اٹھا لیتے ہیں اور پھر پتہ چلتا ہے کہ یہ تو غلط چیز اٹھالی تھی' پھر اُسے چھوڑنے میں ایک مصیبت پڑ جاتی ہے۔ آپ خوشی کے نام پر چیزیں اکٹھی کرتے ہیں اور وہ غم ہوتا ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کیا جائے تاکہ انتشار سے بچا جائے۔

تو یہ تھا آپ کے سوال کا جواب۔ اب آپ اور سوال پوچھ لیں......

سوال:

انسانوں کے ساتھ تعلقات کس حد تک رکھنے چاہییں۔

جواب:

انسانوں کے ساتھ جو تعلقات ہیں ان کا حکم دینے والی اللہ کریم کی ذات ہے کہ انسانوں کے ساتھ حسنِ سلوک رکھو۔ اگر آپ اللہ کا حکم مان کے انسانوں سے تعلق رکھ رہے ہیں تو یہ یاد رہے کہ اللہ کو چھوڑ کر انسانوں سے تعلق نہ رکھنا کیونکہ انسانوں کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ آپ نے اللہ بنائی ہے۔ اگر اللہ کو چھوڑ کر آپ ان انسانوں سے تعلق رکھ رہے ہیں جو اللہ کو نہیں مانتے تو پھر یہ جواز کہ میں اللہ کے لیے انسانوں سے تعلق رکھ رہا ہوں' یہ جواز غلط ہے اور یہ تعلق ناجائز ہے۔ اور اگر آپ نے انسانوں سے تعلقات اپنے لیے رکھے ہوئے ہیں تو وجہ پتہ ہونی چاہیے کہ کیوں رکھے ہوئے ہیں' کیا اس سے آپ کو آسانی ہوتی ہے؟ اگر آپ کے پاس یہ وجہ ہے کہ سب انسانوں کو خوش رکھنا ہے تو کیا آج تک کوئی انسان سارے انسانوں کو خوش رکھ سکا؟ اگر ایک آدمی آپ کا دوست ہے اور اس کی دوستی پر آپ کو فخر ہے تو پھر اس دوست کا گلہ نہ کرنا چاہے وہ صریحاً دھوکا دے جائے۔ اگر آپ کے بہت سارے دوست ہیں تو زندگی ناکام ہو سکتی ہے' ایسا شخص زندگی اچھی گزارتا ہے' رونق ہوتی ہے' میلہ ہوتا ہے لیکن زندگی کامیاب نہیں ہوتی۔ یا تو وہ سارے لوگ ایک مقصد کے مسافر ہوں' ایک سنگت رکھتے ہوں' ایک طرف جانے والے ہوں تو پھر ایک کیفیت بن جاتی ہے ورنہ یہ Heterogeneous قسم کا یہ گروہ کیفیت شکن ہے اور اس معاشرے سے بچنا چاہیے۔ تو دوستوں سے تعلقات اس حد تک رکھو کہ آپ خود ٹوٹ نہ جاؤ یعنی کہ دوستی کو یا محبت کو مصیبت نہ بناؤ۔ محبت تو رکھی تھی خوشی کے لیے اور اگر وہ مصیبت بن رہی ہے تو پھر غور کرو کہ دوستوں کی محبت کدھر لے کے جا رہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دوست آپ کی رکاوٹ بن جائیں۔ ایک بات بڑی ضروری' یاد رکھنے والی

ہے کہ نیک آدمی کی محفل تمہیں نیک بنادے گی اور بَد کی محفل بَد بنادے گی۔ اگر دوست تم سے زیادہ نیک ہے تو اس سے نیکی اخذ کرنے کے لیے جا اور اگر وہ بد ہے تو اس کی بدی دُور کرنے کے لیے جا۔ اگر تُو اس کی بدی دور نہیں کرتا تو تُو بدی کا حصہ ہے اور پھر دوست کے اعمال نامے کی سزا Slip کرتے کرتے تیری گردن میں آ جاتی ہے۔ یعنی اگر اُسے تو نے دوست کہا اور تو جانتا تھا کہ وہ غلط جا رہا تھا تو تیری خاموشی تیرا جرم ہے۔ کہتے ہیں کہ پکڑا جائے گا وہ آنکھوں والا جس کی نگاہوں کے سامنے اندھا کنوئیں میں گرا۔ اس لیے اگر تو آنکھوں والا ہے اور تیرا دوست کنوئیں میں گر رہا ہے اور تو نے اس کو نہیں بچایا تو پکڑ تمہاری ہوگی۔ اگر تم دونوں برابر کے ہو تو پھر نہ اس کا طریقت کے ساتھ کوئی تعلق ہے اور نہ اس سوال سے کوئی تعلق ہے۔ ہم ایک طرف کو جانے والے لوگ ہیں۔ اگر ایک آدمی ہے جو تصویر بناتا ہے اور اُسے کوئی دوست مل گیا اور اس نے اس دوست سے کہا کہ تیری تصویریں تو مجھے اچھی نہیں لگتیں مگر تو مجھے اچھا لگتا ہے تو سمجھو کہ وہ جھوٹا ہے۔ جو تمہارے فن کو غلط سمجھتا ہے اور تمہارے ساتھ دوستی کرتا ہے' جس نے تیرے دین سے محبت نہ کی اور تیری ذات سے محبت کی تو اس سے زیادہ جھوٹا بندہ کوئی نہیں ہے اور وہ قاتل ہے۔ یہ وہ دشمن ہے جو دوست کے لباس میں آ رہا ہے۔ تو دشمن کون ہے؟ دوست کے لباس میں آنے والا وہ شخص جو تمہارے دین کو نہ مانے اور تمہیں مانے۔ اس لیے اس سے بچو جو تمہارا ہم دین نہ ہو' اس سے بچو جو تمہارا ہم سفر نہ ہو اور اس سے بچو جو تمہارا ہم خیال نہ ہو۔ یہ تو بڑے خطرناک دوست ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر جان قربان ہی کرنی ہے تو بہتر ہے کہ کسی خُوبرو پر جان قربان کر دو یا کسی دانا آدمی پر جان نثار کر دو۔ دوست رکھنا اور پھر اس

دوست کا ہم خیال نہ ہونا ایک سزا ہے جو آپ کو ملے گی۔ یہ نہ کہنا کہ پرانے تعلقات تھے۔ جب اسلامی معاشرہ قائم ہوا تو پرانے تعلقات ختم ہو گئے' باپ نے بیٹے کو چھوڑ دیا اور بیٹے نے باپ کو چھوڑ دیا' کلمہ پڑھنے والے ایک طرف ہو گئے' پھر جہاد ہو گیا تو بیٹے کے مقابلے میں باپ آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ اب یہ تم میں سے نہیں ہیں بلکہ اب یہ اور ہو گئے ہیں' اب وہ کافر کہلائیں گے حالانکہ کل تک باپ کہلاتے تھے' کل تک بھائی کہلاتے تھے' اب تم مومن کہلاؤ گے اور وہ کافر کہلائیں گے۔ تو اب بھائی کیسا اور دوست کیسا۔ اس لیے اگر وہ مومن نہیں ہے تو دوست کیسا' اگر ہم خیال نہیں ہے تو دوست کیسا۔ پھر دوستی حجاب ہے۔ پھر یہ دوستی اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کا اور خود پر غفلت کا پردہ ڈالنے کا نام ہے۔ تو آپ یہ دیکھیں کہ دوستی کی وجہ کیا ہے؟ اگر وہ وجہ نہ رہی تو پھر دوستی نہ رہی۔ اس لیے دوستوں کے معاملے میں بڑی احتیاط کرنی چاہیے کہ دوست کسے کہتے ہیں اور دوستی ہوتی کیا ہے۔ دوستی برابر کی ہوتی ہے یا معتقد ہوتی ہے۔ بس یہ دو چیزیں ہوتی ہیں۔ اگر معتقد دوستی ہے تو وہاں سے سبق لو اور اگر برابر کی دوستی ہے تو پھر دیکھو کہ آپ کے ساتھ کیا واقعات ہو رہے ہیں۔ جو تم سے سبق لیتا ہے اگر تم نے اس کی اصلاح نہ کی تو پھر تم گرفت میں آ جاؤ گے۔ دوست کی اصلاح کرو' اگر اصلاح نہیں کر سکتے تو گریز کرو۔ ماڈرن مین کے پاس یہ ایک بڑا حربہ ہوتا ہے کہ دوست کہہ کے دشمنی کر جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مذہب کی کیا بات کرتے ہو' مذہب کی بات چھوڑو' یہ تو پرانے زمانے کی بات ہے' فرسودہ بات ہے......

اب جس نے تمہیں یہ کہہ دیا کہ یہ فرسودہ باتیں ہیں تو تم اس کو چھوڑ دو۔ اگر تمہارا دوست تمہارے دین کے بارے میں' خدا کے بارے میں اور قرآن کے بارے

میں کچھ کہے تو پھر تمہارے دوست ہونے کا فرض یہ ہے کہ ایک دفعہ اس کی گردن پر تمہارا ہاتھ لگ جائے۔ کیونکہ وہ یہ سب اپنے خدا کے بارے میں نہیں کہہ رہا بلکہ تمہارے خدا کے بارے میں کہہ رہا ہے۔ یہ جو الفاظ وہ کہہ رہا ہے یہ تمہارے خدا کے بارے میں کہہ رہا ہے۔ اگر کوئی تمہارے باپ کو اچھا نہ کہے تو وہ تمہارا دوست کیسے ہوگا۔ کیا تم اپنے دین کو اپنے باپ سے بھی زیادہ نہیں سمجھتے۔ یعنی اگر آپ کے باپ کے بارے میں کچھ کہے تو آپ مائنڈ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہاری ہماری دوستی ختم کیونکہ تم نے ہمارے ابا حضور کی شان میں کچھ کہا ہے هذا فراق بيني و بينكم ہمارے تمہارے درمیان اب جدائی ہے۔ تو دین کو اتنی تو وقعت دو کہ جو تمہارے دین کے خلاف بات کرے اس کو Accommodate نہ کرو۔ اس میں Compromise نہیں ہے' اللہ کو یہ بات پسند نہیں ہے۔ دوستی ضرور پالو مگر وجوہات کے ساتھ' مقصد تمہارا اللہ ہونا چاہیے' زندگی کا مدعا اللہ ہے۔ دوستی تو اللہ کی طرف جانے کا ذریعہ ہوسکتا ہے کہ اللہ کی طرف سب جارہے ہیں' چلو مل کے چلیں۔ اور جو تمہارے ساتھ اس راستے میں نہ چلے تو وہ کیا دوست ہے۔ یہ نہ کرنا کہ دوست مل گیا ہے چلو اب کارڈز کھیلیں۔ اور پھر وہ تاش کھیلنے لگ گیا۔ تو دونوں دوست نامُراد' کہ وقت گزرتا جارہا ہے اور وہ کھیلتے جارہے ہیں۔ جو باتیں آپ دوستوں کے ساتھ کرتے ہیں وہ نامۂ اعمال میں شامل ہے۔ دوست کی غلط بات کو سن کر خاموش ہو جانا مجرم ہونے کے برابر ہے۔ حدیث شریف سن لو کہ من استحسن قبيحا فقد عمله جس نے پسند کرلیا قبیح کو اس نے عمل کر دیا۔ جس نے غلط بات پر داد دے دی سمجھو اس نے غلط بات کر دی۔ جس دوست کے اندر تمہیں غلطی محسوس ہو اور تو اسے دور نہ کرے تو سمجھو کہ تم اس کو داد دینے والے ہو'

تم غلطیوں کو پالنے والے ہو۔اس لیے پھر تم اس کے ساتھ گرفت میں آ جاؤ گے۔ سفر کرو تو خوش قسمت کے ساتھ۔ کشتی میں پچاس بندے بیٹھے ہوں اور کشتی ہچکولے کھا رہی ہو تو اگر ان میں ایک بھی خوش قسمت بندہ بیٹھا ہو تو کشتی نہیں ڈوبے گی۔ کیونکہ Nature جو ہے وہ Afford نہیں کرتی کہ اس خوش قسمت شخص کو ڈبویا جائے۔اور جب یہ پتہ چل جائے کہ دوست بدقسمت ہے تو وہاں سے بھاگ جاؤ۔اللہ وہاں معاف نہیں کرتا۔کسی پیغمبر نے آج تک شیطان کی سفارش نہیں کی۔کافروں کے بارے میں کہا گیا کہ یہ کافر تو ہے' تجھے بھی نہیں مانتا اور مجھے بھی نہیں مانتا لیکن مجھے یہی بندہ چاہیے۔اللہ نے بھی کہہ دیا کہ چلو ٹھیک ہے۔مگر کسی نے آج تک یہ نہیں کہا کہ یا اللہ اب شیطان کو معاف کر دے' کبھی یہ تیرا سجدہ کیا کرتا تھا' اور نہ کسی کو یہ کہنے کی جرأت ہے' شیطان جو ہے یہ بغاوت کی بات نہیں ہے بلکہ بدقسمتی کی بات ہے' ازلی بدقسمتی کی بات ہے۔اس لیے اگر تمہیں پتہ چل جائے کہ تمہارا کوئی دوست اس طرح کا بدقسمت ہے یا اس میں کوئی کمی ہے تو پھر اس سے گریز کر جا۔غلط عمل اور چیز ہے مگر بدنصیبی اور چیز ہے اور اگر یہ سمجھ آ جائے کہ اللہ اس شخص سے ناراض ہے تو جس شخص پر اللہ ناراض ہو اس کا ساتھ نہ دینا۔پھر بے شک جو ہو جائے۔ جہاں اللہ ناراض نہ ہو وہاں بے شک آپ اس کی سفارش کر لو۔ جہاں یہ اللہ نے فیصلہ کر دیا ہو وہاں کبھی سفارش نہ کرنا۔اگر شیطان کو لعین کہہ دیا' فرعون کو لعین کہہ دیا تو اب ان کی سفارش کرنے کا کسی کو حق ہی نہیں۔سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔خیال بھی پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ نے یہ فیصلہ کر دیا۔ جہاں یہ فیصلہ نہیں ہوا تو اس کو کہو کہ تیرے اندر یہ غلطیاں ہیں' ان کو دور کر لے۔ دوست کی غلطی دور کرنے کی تمنا دراصل اپنی نیکی میں اضافہ

ہے۔ آپ یہ ضرور کیا کریں۔ اگر یہ کر سکتے ہیں تو دوستی حق ہے اور اگر نہیں کر سکتے تو پھر تنہائی برحق ہے اور ضروری ہے۔ دوست کے بعد "ذی القربیٰ" کا یعنی رشتہ داروں کا حق ہے۔ رشتہ داروں کو، اگر وہ اہل ہوں یا نہ ہوں، مال میں شریک رکھو۔ آپ کے پاس اگر مال زیادہ آ جائے اور آپ کا قریبی خون اگر مال سے محروم ہو، بھائی ہو، بھتیجا ہو، ماموں ہو، بہن ہو، چاہے کوئی ہو، اس کو اپنے مال سے آپ Help کرتے رہیں۔ ان کے لیے بھی آپ کو حکم ہے کہ ان کی اصلاح کرتے رہو، بتاتے رہو اور جتاتے رہو۔ مثلاً رشتے داروں میں شادی کا وقت آ گیا، گھر کے اندر ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا خوشیوں کے نام پر، گمراہی کا ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا...... وہاں اگر آپ ہوں تو آپ یہ کہیں کہ یہ چیز دین کے خلاف ہو رہی ہے، اس لیے میں Protest کرتا ہوں اور یہ جو بچی کی شادی ہو رہی ہے اس میں میری طرف سے یہ مال کا تعاون ہے، یہ آپ قبول کریں، مگر میں اس ہنگامے میں تعاون نہیں کر سکتا، یا تم ٹھیک ہو جاؤ یا پھر میں جا رہا ہوں، پھر کل شام کو ملوں گا...... رشتے دار کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ کچھ رشتے ہوتے ہیں جو ٹوٹ نہیں سکتے۔ وہ رشتے جو خدا نے بنائے ہیں ان میں اُدھر سے رعایت ہوتی ہے اور جو رشتے آپ نے بنائے ہیں اس کے ذمہ دار آپ ہیں۔ دوستی آپ نے بنائی ہے اور شادی بھی آپ نے بنائی ہے لیکن آپ کی بہن خدا نے بنائی ہے، اس میں آپ کے پاس کوئی Choice نہیں ہے، اس لیے اس کو آپ نہیں چھوڑ سکتے۔ ماں کو آپ چھوڑ نہیں سکتے، بھائی کو آپ چھوڑ نہیں سکتے، یہ رشتے آپ کے پیدا ہونے سے پہلے کے بنے ہوئے ہیں۔ اور جو آپ نے بنائے ہیں آپ ان کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ تو آپ نے رشتے داری ترک نہیں کرنی، قطع رحمی نہیں

کرنی۔ تو کبھی رشتے کو منقطع نہ کرنا۔ رشتے داری چلتی رہے اور آپ کا آنا جانا رہے۔ لہٰذا قطع تعلقی نہیں کرنی۔ جو ناراض ہیں ان کو راضی رکھو۔ یہ اذیت تو ہے لیکن نیکی ہے۔

سوال:

غیب کا علم صرف اللہ کو ہے لیکن کچھ ولی اور بزرگ ایسے گزرے ہیں جن کو پہلے پتہ چل جاتا ہے' تو یہ کیا ہے؟

جواب:

غیب اور حاضر دونوں Relative Terms ہیں مثلاً اس وقت گیٹ پر کھڑا ہوا بندہ غیب ہے لیکن وہ گیٹ پر حاضر ہے۔ وہ شخص یہاں سے تو غیب ہے مگر وہاں حاضر ہے۔ اب یہ جو غیب کا علم ہوتا ہے یہ اتنا ہوتا ہے جتنی آگہی ہو۔ تو جتنی آگہی ہوا اتنا اتنا غیب ختم ہوتا جاتا ہے' جوں جوں روشنی آتی ہے غیب ختم ہوتا جاتا ہے۔ یعنی روشنی کم ہو تو پھر غیب ہے۔ شیخ چلی کی مشہور کہانی ہے کہ ایک آدمی درخت کی جس شاخ پر بیٹھا تھا اسے کاٹ رہا تھا۔ وہاں سے ایک بندہ گزرا تو اس نے کہا گر جاؤ گے۔ اس نے کہا گر کیسے جائیں گے۔ پھر وہ گر گیا' کیونکہ شاخ وہی کاٹ رہا تھا۔ اُس شخص کے پیچھے بھاگا اور کہنے لگا کہ تو بڑا ولی اللہ ہے......

اس نے Cause کو دیکھا کہ یہ Effect پیدا ہوگا' تو دیکھنے والے کے لیے وہ حاضر تھا اور کاٹنے والے کے لیے وہ غیب تھا۔ آپ جو قربانی کا بکرا لاتے ہیں' اس بکرے کے لیے یہ غیب ہے کہ آپ نے اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے اور آپ کو پتہ ہے' اس لیے آپ کے لیے وہ حاضر ہے۔ تو آگہی کے ساتھ ساتھ غیب کی Range بدلتی جاتی ہے۔ آپ جب Tomorrow کا پروگرام بناتے ہیں

کہ میں پرسوں تمہارے پاس آؤں گا تو کیا یہ "پرسوں" حاضر ہوا یا غیب ہے
کیوں کہ "پرسوں" پروگرام میں آ گیا، تخیل میں آ گیا، اور ارادے میں آ گیا۔
جو زمان و مکان کا خالق ہے اس کے لیے خالق ہونے کی حیثیت سے کوئی غیب
نہیں ہے۔ یہ جو لفظ بتایا گیا ہے کہ عالم الغیب والشهادة یہ غیب وہ ہے جو
تمہارا غیب ہے اور یہ اللہ کا غیب نہیں ہے کیونکہ اللہ تو غیب کو جانتا ہے اور اللہ اس
غیب کو جانتا ہے جو آپ کے لیے غیب ہے۔ اللہ کے لیے کچھ بھی غیب نہیں ہو سکتا
کیونکہ وہ تو خالق ہے اور اتنا بڑا خالق ہے کہ تاریک رات کی تنہائیوں میں کالے
پہاڑ پر چلنے والی چھوٹی سی چیونٹی کے دل کی فریاد سُنتا ہے۔ تو اس کے سامنے غیب
کیا ہے کیونکہ وہ تو اللہ ہے۔ تو وہ آپ کے غیب کو جانتا ہے اور آپ جوں جوں
آگاہ ہوتے جاتے ہیں آپ کا غیب ختم ہوتا جاتا ہے۔ آپ جب اپنے بیٹے کو
کہتے ہیں کہ بیٹا یہ کام نہ کرنا تو وہ کام آپ کے لیے حاضر ہوتا ہے اور بیٹے کے
لیے غیب ہوتا ہے۔ تو اللہ غیب جاننے والا ہے اور ولی کیا جانتے ہیں، جاننے
والے کا نام ولی ہے۔ ایسا خواب کیا دیکھنا جس کی تعبیر کا انتظار ہی رہے۔ ولی نے
اگر خواب دیکھا تو بتائے گا کہ پرسوں آپ کو خوش خبری ملے گی۔ تو پرسوں تک تو
آپ انتظار میں پھنس گئے۔ اگر پرسوں خوش خبری مل گئی تو بھی دو دن آپ کا خون
خشک رہے گا۔ اس لیے جو جانتے ہیں وہ اس لیے نہیں بتاتے کیونکہ بتانے کا حکم
نہیں ہوتا۔ اس لیے جاننا اور نہ جاننا برابر ہے۔ زندگی کا انجام وہ بھی جانتے ہیں
اور آپ بھی۔ اور زندگی کا انجام کیا ہے؟ موت۔ اب اور کیا جاننا ہے۔ کائنات کا
خالق اللہ ہے، اب اور کیا جاننا ہے۔ آسمان اور زمین کے درمیان وقت کی قید نہیں
ہے، یہ ستارے اور سیارے اللہ کے حکم پر چل رہے ہیں، تم چلے جاؤ گے، اور لوگ آ

جائیں گے، مگر ستارے وہی رہیں گے۔ ساری کائنات گردش میں رہے گی اور تم نے چلے جانا ہے۔ اس میں کوئی نیا علم کس لیے ضروری ہے۔ آپ ماں باپ کو چھوڑ کے چلے جاؤ گے یا اولاد کو چھوڑ کے چلے جاؤ گے، جب یہاں پر ٹھہرنا ضروری ہوا تب چھوڑ کے چلے جاؤ گے، بناتے جاؤ گے، چلتے جاؤ گے اور چھوڑتے جاؤ گے۔ پہلے آپ مکان بناتے ہیں، پھر دوسرا مکان بناتے ہیں اور پھر یہ چھوڑ کر تیسرے مکان میں چلے جاتے ہیں جو کہ چند فٹ کا مکان ہوتا ہے، میانی صاحب قبرستان میں چھوٹی سی جگہ...... تو اللہ کا غیب کوئی نہیں ہوتا۔ غیب جاننے والا وہی ہے۔ ایک نازک سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا اللہ کے حبیب ﷺ غیب جانتے ہیں؟ جب وہ اللہ کے حبیب ہوئے تو اللہ جو چاہے محبت میں کرتا جائے۔ اس میں تمہارا کیا دخل ہے۔ تم اللہ کے حبیب ﷺ کے علم کو کیسے جان سکتے ہو، بس اس ذات کا نصیب جانو کہ ان کا جو نام محمدؐ ہے وہ آپ لوگوں کا ایمان ہے۔ تو یہ نام صرف نام نہیں ہے بلکہ تمہارا کلمہ ہے، تمہارا ایمان ہے۔ تو اس ذات کا تم نے کیا فیصلہ کرنا ہے کہ وہ غیب جانتے ہیں کہ نہیں۔ اگر تم آج درود شریف پڑھ رہے ہو اور تمہیں یہ یقین ہے کہ وہ آج بھی آپؐ کو سنائی دیتا ہے تو پھر غیب کی بات تو ہو گئی۔ تو وہ آج بھی سن رہے ہیں اور اگر وہ نہیں سن رہے تو کوئی پڑھ ہی نہیں سکتا۔ اس لیے یہ ثابت کرنا کہ وہ غیب جانتے ہیں یا نہیں جانتے، بیکار ہے۔ محبوب جو ہے وہ اگر خالق کا محبوب ہو تو وہ جو چاہے ہو جائے گا، اللہ نے سیر کرائی اپنے بندے کو۔ اللہ چاہے ماضی کی سیر کرا دے، چاہے مستقبل کی کرا دے، یہ اللہ کے کام ہیں۔ غیب کے معاملے کی بحث کب شروع ہوئی ہے؟ یہ بریلوی اور دیوبندی حضرات کے درمیان شروع ہوئی۔ ایک طرف سے کہا گیا کہ:

السلام اے غیب جانن والیا

اور دوسری طرف سے کہا گیا کہ اللہ کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا' اور فرمایا گیا کہ انا بشر مثلکم میں تمہاری طرح کا انسان ہوں۔ نہ اُن کو پتہ ہے کہ خدا کا مقام کیا ہے اور نہ اِن کو پتہ ہے کہ حضور پاک ﷺ کا مقام کیا ہے۔ تو بحث ہو رہی ہے اور آپس میں جھگڑا ہو رہا ہے...... جس ذات کو تم اپنا پیغمبر کہہ رہے ہو اس کی شان میں اگر غیب جاننا بہتر ہے تو سمجھو کہ وہ جانتے ہیں اور اگر نہ جاننا بہتر ہے تو پھر جو مرضی کہو۔ ان کی شان ہی اور ہے اور وہ شان بیان کرو۔ بحث کرنا بند کر دو۔ اسی طرح لوگ کربلا کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں' نہ آج کا شیعہ کربلا میں شامل تھا اور نہ آج کا سُنی کربلا میں شامل تھا۔ یہ دونوں بعد میں آئے ہیں۔ جھگڑا کب ہو رہا ہے؟ آج۔ واقعہ کب کا ہے؟ پہلے کا۔ دیکھا کس نے ہے؟ تاریخ نے۔ تاریخ کس نے لکھی ہے؟ تمہاری تاریخ تمہارے لوگوں نے اور ہماری تاریخ ہمارے لوگوں نے۔ کیا دونوں سچے ہو سکتے ہیں؟ اس لیے آپ امام عالی مقامؑ سے محبت رکھو اور ان سے فیض لو' محبت کا فیض لو...... کسی کے درجات Judge نہ کرو بلکہ اپنے درجے کو دیکھو کہ تم کہاں پر ہو' تم کہاں تک جانتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو مخفی رکھا ہے وہ مخفی ہے۔ اگر تم جاننے لگ جاؤ' اپنے انجام کا کسی طریقے سے عرفان ہو جائے تو آج سے ہی تمہارا عمل ختم ہو جائے گا۔ جس آدمی کو پتہ چل جائے کہ پرسوں اُس نے مر جانا ہے وہ آج ہی سے مر جائے گا اور جس کو پتہ چل جائے کہ ابھی نہیں مرنا وہ آج ہی سے باغی ہو جائے گا۔ تو ہر حال میں کچھ نہ کچھ ہونا ہے' اس لیے یہ Fear' خوف اور اُمید رہنی چاہیے۔ مگر آپ میں سے نہ Fear نکلتا ہے اور نہ اُمید نکلتی ہے' اسی کے اندر زندگی چلتی جاتی

ہے اور اسی کے اندر ایمان ہے۔ فرمایا گیا کہ ایمان ڈر اور اُمید کے درمیان ہے۔ یہ کہنا کہ کہیں پکڑ نہ ہو جائے اور یہ کہنا کہ ہمیں کیا پکڑ ہونی ہے کیونکہ ہم تو غلام ہیں' تو ان کے درمیان چلنا ہے۔ اس کا ذرا خیال رکھنا۔ اللہ کے لیے کوئی غیب نہیں ہے' وہ خالق ہے۔ اللہ والوں کا کیا غیب ہو سکتا ہے' اللہ جو چاہے ظاہر کر دے' جو چاہے دکھا دے۔ اور وہ جو دیکھتے ہیں وہ بیان نہیں کرتے۔ یہ کوئی گھبرانے والی بات نہیں ہے۔ یہ غیب کی اور حاضر کی بحث اور اب قدیم و حادث کی بحث بھی لوگوں نے شروع کی ہے۔ اس طرح آپس میں جھگڑا کرتے ہیں۔ قرآن خالق ہے یا قرآن مخلوق ہے' اس پر لوگوں میں بحث ہوئی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ چار دن کی زندگی ہے' اس سے پہلے کہ یہ ختم ہو جائے تو یہ ہونی چاہیے اور اللہ راضی ہونا چاہیے۔ یہاں پہ آپ نے کیا کر کے جانا ہے' یہ زندگی تو پسماندہ لوگوں کی ہے' وہاں کے لوگوں کی اور زندگی ہے۔ اس لیے آپ بزرگوں کو راضی رکھو اور بچوں کو پیار کرتے جاؤ۔ آپ کو جانا ضرور ہے۔

سوال:

عبادت کی ضرورت کیا ہے؟

جواب:

خدا کو خدا ہونے کی ضرورت کیا ہے؟ سوال یہ ہے۔ یہ اس وقت بات سمجھ آئے گی جب تمہیں بندہ ہونے کی ضرورت سمجھ آئے گی۔ یہ سوال آپ کی ہستی کے اندر اُس وقت داخل ہوگا جب آپ کو اپنی افادیت سمجھ آئے گی۔ تو جب اپنی افادیت سمجھ آ جائے گی پھر یہ سمجھ آئے گا کہ خدا کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کہنا کہ اس کو عبادت کی کیا ضرورت تھی جب کہ اس کے پاس فرشتے بہت تھے۔

یہ ایک آزردہ زندگی ہے' باغی زندگی ہے جو سوال کر رہی ہے' پریشان زندگی سوال کر رہی ہے کہ میرے ہونے کا کیا فائدہ۔ تو آپ اپنے ہونے کا نقصان دریافت کریں' ہونے کا فائدہ بھی دریافت کریں اور آج کی پریشانی دل پہ اتنی نہ لگائیں کیونکہ کل کو ہو سکتا ہے کہ یہ پریشانی نہ ہو۔ ابھی آپ کے لیے بڑے امکانات ہیں۔ اس لیے خوف زدہ نہ ہونا۔ اللہ مہربانی کرے گا۔ اس سوال کا جواب ہر آدمی کو ملتا ہے۔ کب ملتا ہے؟ سورج کی روشنی کا ثبوت اس وقت ملتا ہے جب آنکھوں کی بینائی محفوظ ہو۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے جنوں اور انسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا۔ اللہ کو عبادت کی کیوں ضرورت تھی' کیوں اس نے یہ تخلیق فرمائی ہے؟ یہ آپ کو بعد میں سمجھ آئے گی جب آپ کو یہ پتہ چل گیا کہ آپ کا ہونا کس لیے ہے۔ آج تو آپ Meaningless ہیں' بے معنی ہیں' ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ کل کو اگر کوئی ایسا انسان مل جائے جو آپ کے ہونے کو اچھا سمجھے تو پھر عبادت کی بھی سمجھ آ جائے گی اور خدا بھی سمجھ آ جائے گا۔ آج آپ کو کوئی ایسا انسان نہیں مل رہا جو آپ کا ہونا محسوس کر لے مگر کل کو کوئی ایسا انسان مل سکتا ہے جو دعا کرے کہ تیرا دنیا میں ہونا رہے' اس کائنات میں تیرے جیسا آدمی قائم رہے تو تجھے فوراً خدا کی بات سمجھ آ جائے گی کہ خدا کہاں ہے۔ خدا تو ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اگر بیٹا پیدا ہو جائے تو باپ کے پیار کی بات سمجھ آ جاتی ہے۔ بیٹا اگر بیمار ہو جائے تو خدا قریب ہو جاتا ہے' پھر پتہ چلتا ہے کہ خدا کدھر ہے۔ جب کوئی چاہنے والا مل جائے تو پھر محسوس ہوتا ہے کہ میری زندگی ضائع ہونے والی نہیں ہے یا کسی کے تم چاہنے والے بن جاؤ تو پھر اللہ نزدیک آ جاتا ہے۔ پھر تم اللہ سے یہ نہیں پوچھو اس کو کیوں بنایا ہے بلکہ تم بتاؤ گے کہ اس کو کیوں بنایا ہے۔ کوئی پوچھے گا کہ

وہ چہرہ کیوں بنایا گیا ہے تو آپ بتائیں گے کہ وہ چہرہ میری آنکھوں کے لیے بنایا گیا ہے۔ ابھی تو آپ کو کوئی چہرہ نظر نہیں آیا اور اپنا چہرہ بھی نظر نہیں آیا' ابھی آپ بچے ہیں' لہٰذا تھوڑا سا انتظار کریں کہ یادیں Create کرنے کا زمانہ ابھی آئے گا۔ پھر یہ بات سمجھ آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں بنایا۔ اسی طرح کا سوال موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تھا کہ یا اللہ تو نے چھپکلی کو کیوں بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ابھی ابھی چھپکلی مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ تم نے موسیٰ علیہ السلام کو کیوں بنایا ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ تو ایک دوسرے کے راز ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ کو اپنی زندگی میں اپنا ہونا کب پسند آیا؟ جب زندگی میں ماں باپ پسند آ جائیں تو زندگی اچھی ہو جاتی ہے' اولاد پسند آ جائے تو زندگی اچھی ہو جاتی ہے' دوست پسند آ جائیں تو زندگی اچھی ہو جاتی ہے' Environment پسند آ جائے تو زندگی اچھی ہو جاتی ہے۔ جب زندگی میں کچھ بھی پسند نہ آئے تو انسان عبادت پر جھگڑتا ہے کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ اب آخر میں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ سب پر مہربانی فرمائے اور سب کچھ سمجھنے میں آسانی آ جائے۔

امین برحمتک یا ارحم الرحمین۔

۴

۱ بڑی کوشش کے باوجود آج کل اللہ کا اور فقیری کا راستہ نہیں ملتا تو یہ کیسے مل سکتا ہے؟

۲ یہ کیسے پتہ چلے گا کہ جو شوق مجھے اب ہو رہا ہے وہ پیدائشی ہے یا نیا پیدا ہوا ہے؟

۳ دائمی نماز کسے کہتے ہیں؟

۴ حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ انسان ایک جسم صغیر ہے اور اس میں عالمِ اکبر پوشیدہ ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

سوال :

بڑی کوشش کے باوجود آج کل اللہ کا اور فقیری کا راستہ نہیں ملتا تو یہ کیسے مل سکتا ہے؟

جواب:

جہاں تک انسان کا اور انسان کی زندگی کا تعلق ہے تو اُسے تکلیف ہو سکتی ہے' تکلیف جسمانی ہو یا روحانی ہو۔ ایک آدمی جس کو نماز کی پکی عادت ہے اگر اس کی نماز قضا ہو جائے' فوت ہو جائے تو وہ بڑی تکلیف میں ہو گا۔ اگر کسی تہجد گزار آدمی سے یک لخت بلا سبب تہجد چھوٹ جائے تو وہ تکلیف میں ہو گا اور کسی آدمی کا بچہ بیمار ہو جائے تو وہ بھی تکلیف میں ہو گا۔ اب یہ دونوں شخص روئیں گے مگر پتہ نہیں چلے گا کہ انہیں کیا ہو گیا ہے۔ تکلیف دونوں کو برابر ہے۔ تکلیف ایک شعبے کا نام ہے جس پر غم اترتا ہے۔ غم چاہے احساس ہو' ماضی کا ہو' مستقبل کا ہو' کسی چیز کے ہونے کا خیال ہو' کسی چیز کے نہ ہونے کی خواہش ہو' کچھ بھی ہو' غم نے اگر آنسو بننا ہے تو آنسو صرف آنکھ سے ٹپکے گا۔ وجہ کوئی بھی ہو' وجہ غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے اور وجہ خوش فہمی بھی ہو سکتی ہے۔ بادشاہ اگر بادشاہت سے معزول ہو جائے تو اسی طرح روئے گا جس طرح فقیر فقیری سے معزول ہو کے روئے گا۔

۔ تو عام طور پر انسان کو اتنی بات تو سمجھ آتی ہے مگر اس سے آگے بات سمجھ نہیں آتی۔ یہ اس لیے ہے کہ اگر بندے کا Emphasis ' ترجیح' زور اور اصرار دنیا پر ہے تو اس کو سوائے دنیا کے غم کے اور کوئی چیز آنسو نہیں دے سکتی۔ اور اگر وہ دین کا بندہ ہے تو سوائے دین کے غم کے اُسے کوئی اور تکلیف نہیں ہو سکتی۔ اب یہ بات چودہ سو سال سے چلتی آ رہی ہے مگر اب آپ کو سمجھ آنا بند ہو گئی ہے۔ ایک مقام تھا جب یہ بتایا گیا کہ اپنی اولاد' اپنی جان' اپنا قبیلہ' چھوٹے بڑے' سب بچالیں اور عارضی طور پر یزید کی بیعت کر لیں ...... تو بات تو یہ ہے کہ ایسی بیعت نہیں کرنی تھی۔ تو انہوں نے آپ کو ایک فرق دکھا دیا اور بتا دیا کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو ہم نے نہیں کرنی۔ کیوں نہیں کی؟ کیونکہ وہ دین والے لوگ تھے اور دنیاوی حصول کے لیے دین کو ترک کرنا ان کے منصب میں نہیں تھا۔ لوگوں نے کہا پھر آپ کے بچے شہید ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا بچوں کا غم اور چیز ہے' اور دین کا غم اور چیز ہے' کیونکہ ہم دین والے لوگ ہیں اس لیے ہمیں بچوں کا غم نہیں ہو گا' بچوں کو ہم اتنی زندگی دے سکتے ہیں جتنی اللہ نے دے رکھی ہے لیکن دین کو ہم اپنی زندگی دے سکتے ہیں۔ تو اُن کا Emphasis ' ان کا رُخ اور ان کا اصرار دنیا کی طرف نہیں ہے۔ اب وہ یہ فرق بتا گئے۔ اب اگر کسی درویش کو کہیں کہ آپ اپنا بھی کچھ خیال رکھیں' یہ کام کر لیں' یہ پیسے لے لیں' آپ بزرگ ہیں درویش ہیں' کوئی کاروبار کر لیں' فیکٹری لگا لیں۔ حالانکہ فیکٹری لگانا ضروری ہے مگر وہ نہیں مانیں گے کیونکہ ان کا Emphasis اور ہے۔ جب تک آپ لوگ اپنا Emphasis دریافت نہ کریں' مقصد دریافت نہ کریں تو آپ کو دین کا غم نہیں ہو گا اور اگر مقصد نہ ہوا تو آپ کو دنیا کا غم بھی نہیں ہو گا' آپ کو کچھ بھی نہیں ملے گا' فقیری بھی

نہیں ملے گی۔ یہ نہ کرنا کہ آپ کو دین کا سبق دیا جائے اور جب اللہ تعالیٰ قریب ہو جائے تو اپنی پروموشن کا سوال کردو۔ یا تو آپ پروموشن کا راستہ ڈھونڈیں، کسی سے پوچھیں کہ پروموشن کیسے ملتی ہے، سفارش کیسے کی جاتی ہے، بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو پھر اگلے الیکشن کے لیے تیار رہیں۔ تو وہ شعبہ اور ہے اور اس کے واقعات اور ہیں۔ اور جس کے لیے دین کی ترجیح ہے اس کے لیے ہر مقام ہی دین کا مقام ہے، ہر وقت دین کا کام ہے۔ آپ لوگ جس چیز کا شکار ہیں اس چیز کا نام ہے کنفیوژن۔ کنفیوژن کا مطلب یہ ہے کہ آپ دین کی کتابوں میں دنیا کی کتابیں رکھتے ہیں، تسکینِ وجود کی کتابیں رکھتے ہیں اور ساتھ ہی کسی بزرگ کی کتاب پڑی ہوتی ہے جو ان کی سوانح حیات ہوتی ہے۔ تو کتاب کو کتاب کے ساتھ تو نہ ملاؤ۔ آپ تو مزاج کے ساتھ بدمزاجی، بدمزاجی کے ساتھ کم مزاجی اور کم مزاجی کے ساتھ سخت مزاجی ملاتے رہتے ہیں یعنی ایک مزاج میں دوسرا مزاج ڈال دیتے ہیں۔ اگر انسان حج کرنے جائے تو مبارک بات ہے مگر وہاں سے وہ وی سی آر لے آئے، بے حیا قسم کی فلمیں لے آئے تو وہ کیا حج کرنے گیا تھا۔ یہ تو بڑا سخت عذاب ہے کہ نیک سفر کے اندر بدی کر لی۔ اس لیے ساری قوم پریشان ہے۔ اس لیے اب شہروں میں درویشی نہیں چلتی کیونکہ شہروں والے مرید پیروں کو اپنے کام پر لگا دیتے ہیں، انہیں ایسی چیز پیش کر دیتے ہیں جس کا مدعا صرف دنیا ہو، مثلاً ٹی وی پیش کر دیتے ہیں، وی سی آر پیش کر دیتے ہیں۔ تو یہ پیش کش اور ہے، مصلّیٰ پیش کرنا اور ہے۔ دونوں میں فرق ہے۔ یہاں پہ کنفیوژن پیدا ہوتی ہے۔ تو آج کا انسان جو ہے، خاص طور پر وہ مسلمان جو کہتا ہے کہ میں فقر آشنا بنوں، وہ فقر آشنا اس لیے نہیں بنتا کیونکہ اس کے مزاج میں رجوع الی الدنیا

موجود ہے۔ اگر آپ اسے بیلنس کر جائیں تو بڑی بات ہے۔ آپ فیصلہ کر لیں کہ آپ نے دین کی طرف رجوع کرنا ہے' پھر یہ نہ کہنا کہ باپ ہونے کی حیثیت سے میرا فرض یہ ہے کہ اولاد کی ڈیوٹی کروں' بھائی ہونے کی حیثیت سے میرا یہ فرض ہے' سماج کے اندر میرا یہ فرض ہے کہ اسلامی حکومت کا قیام کریں۔ آپ سیدھے اللہ کی بارگاہ میں چلے جائیں۔ کیا اللہ صرف پاکستان میں رہتا ہے؟ وہ جہاں مرضی چاہے' رہ سکتا ہے۔ تو اللہ کا فقیر جو ہے اس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے' قیام سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ ظاہری طور پر شریعت اور دین کے نظام سے بھی الگ ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اللہ کی عبادت اور محبت میں مصروف ہوتا ہے۔ اگر اسے کہیں کہ آج ضروری جلسہ ہے جس میں محلے کے سارے مسلمان ہوں گے اور محلے کے مسئلے حل ہوں گے' یہ بڑا نیکی کا کام ہے تو وہ کہتا ہے تم یہ کام کرتے جاؤ۔ اس لیے فقیری جو ہے وہ مسلمانوں کے ظاہری اعمال سے بچ جاتی ہے۔ شریعت میں ظاہری اعمال کے لیے ضروری ہے کہ اجتماع بنایا جائے' سارے Discuss کریں' محلے کے سارے حالات دیکھے جائیں کہ کس کو کیا تکلیف ہے' کس گھر میں کیا ہو رہا ہے' ووٹ کس کو دیں' کس کی کون سی جماعت ہے' ایک منشور بنایا جائے' مل کے ووٹ دیا جائے' اس طرح انقلاب آ جائے گا ...... یہ چیزیں فقیری نہیں بن سکتیں۔ فقیری کے لیے ضروری ہے کہ پہلے طے ہو جائے کہ فقیری کرنی ہے۔ اگر فقیری نہیں کرنی اور دنیا کرنی ہے تو اپنی دنیا کو دین کے تابع کر کے چلتے جاؤ' زکوٰۃ مانگنے سے پہلے ادا کرو' الحمدللہ پڑھتے جاؤ اور خیر خیریت سے چلتے جاؤ۔ اس طرح اللہ کا راز سمجھ نہیں آئے گا' راز جو ہے یہ غیر کو نہیں بتایا جاتا۔ دنیا کی محبت جو ہے یہ فقیری میں غیر ہے اور شریعت میں جائز

ہے' ضروری ہے' مثلاً اگر پیسے ہوں گے تو حج کرو گے۔ فقیر کہے گا کہ حج نہ کریں تو بھی حج ہو گیا کیونکہ حج پیسے سے نہیں ہوتا' حج نیت سے ہوتا ہے' حج محبت سے ہوتا ہے' حج دل سے ہوتا ہے اور حج اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ جہاں مل جائے وہاں حج ہے۔ کیا اللہ اپنے گھر کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتا؟ ضرور ملتا ہے۔ اس لیے آپ لوگوں کو اگلی بات سمجھنے کے لیے Devoted ہونا چاہیے' صرف ایک جمعرات کو اس ملاقات سے بات سمجھ نہیں آ سکتی۔ تو بات کیسے سمجھ آئے گی؟ بات سمجھنے کے لیے ایک مزاج ہونا چاہیے اور آپ اس مزاج کے مطابق چلتے جائیں' ایک مقصد ہو اور پھر آپ اس کے تعاقب میں چلتے جائیں۔ تو آپ نے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کو ایک نئے کام میں لگا دیں جیسے ساٹھ سال میں آپ نے ایک وجود بنایا' صحت بیماری سب ملا کے' ساٹھ سال کی یہ زندگی اب جا کے موت کے قابل بنی ہے۔ اسی طرح آپ کی زندگی کا سارا حاصل فقیری کے تب قابل ہو گا جب آپ یہ سارا دے دیں گے۔ تو ساری دنیا دے کے آپ کو فقیری مل سکتی ہے۔ اب سوچ لو کہ کیا کرنا ہے۔ پارٹ ٹائم فقیری نہیں چل سکتی۔ فیصلہ اب آپ کے پاس ہے کہ آپ نے کیا کرنا ہے۔ جو Wholetime ہو گیا' اللہ کے پیچھے Wholetime پڑ گیا تو وہ کامیاب ہو گا۔ اللہ جو سب کچھ دیتا ہے کیا وہ فقیری نہیں دے گا؟ کیا اس کے خزانے میں فقیری ختم ہو جائے گی؟ کبھی سمندر ختم ہوا؟ کبھی پانی ختم ہوا؟ کبھی ہوا ختم ہوئی؟ کبھی پہاڑ ختم ہوئے؟ کتنی سڑکیں بجری روڑی اور پتھر سے بن گئیں مگر پہاڑ ختم نہیں ہوا بلکہ ایک چھوٹی سی پہاڑی بھی ختم نہیں ہوئی۔ کوئی شے ختم نہیں ہوتی۔ آپ بکرے کھا کھا کے تھک گئے ہیں مگر بکرے ختم نہیں ہوتے اور جو حرام جانور ہیں وہ بھی ختم نہیں ہوتے۔ تو کچھ بھی ختم

نہیں ہوتا۔ شہر بڑے Develop ہو گئے مگر گلیاں ختم نہیں ہوتیں۔ جس کو آپ مارنا چاہتے ہیں وہ ختم نہیں ہوتا۔ شہر بہت اچھے ہو گئے ہیں مگر مٹی ختم نہیں ہوتی۔ علم کے باوجود آج تک جہالت ختم نہیں ہوئی۔ پیغمبروں کے باوجود کافر ختم نہیں ہوئے۔ تو یہ سارا نظام چلتا جا رہا ہے اور ہر شے رہے گی۔ تو کیا اللہ نے صرف فقیری ختم کر دینی ہے۔ فقیری ختم نہیں ہو گی اور یہ بے شمار ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ فیصلہ آپ نے کرنا ہے اور آپ نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ آپ اب اپنا فیصلہ کر لیں۔ فقیری کا فارمولا کیا ہے؟ آپ بتائیں کہ شوق کا فارمولا کیا ہے؟ کیا شوق کا بھی کوئی فارمولا ہوتا ہے؟ جس نے جہاں جانا ہے وہ وہاں پہنچ جاتا ہے' چاہے کوئی آنکھوں سے محروم ہو وہ اپنے مقام پر پہنچ جاتا ہے' معذور بھی پہنچ جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا' بارہا ٹیلی ویژن پہ فوٹو آتے رہتے ہیں کہ معذور آدمی ووٹ دینے پہنچ جاتے ہیں۔ تو انسان بڑی چیز ہے' وہ جو کرنا چاہے وہ کر لیتا ہے' اپنے گاؤں سے پیدل آتا ہے اور شہر میں مکان بنا لیتا ہے۔ اور اگر بندہ کہے کہ میں اللہ کی طرف جانا چاہتا ہوں تو کیا اُسے اللہ نہیں ملے گا۔ تو یہ کیسے نہیں ہو گا۔ یہ صرف نیت کی خرابی ہے۔ وہ سب کر سکتا ہے' اور نہیں تو اس راہ میں مر تو جائے گا۔ یہی فقیری ہے۔ اگر فقیری حاصل نہ ہو اور انسان اس راستے میں مر جائے تو یہ فقیری ہے۔ دوسرا آدمی آپ کو بات سمجھا سکتا ہے مگر فقیری نہیں دے سکتا۔ فقیری کون دے گا؟ آپ کا اپنا مزاج' آپ کا اپنا شوق آپ کو فقیری دے گا۔ اگر شوق نہیں ہے تو کوئی پکڑ کے نہیں لے جا سکتا اور فقیر نہیں بنا سکتا۔ کہتے ہیں کہ ایک آدمی گھوڑے کو تالاب تک لے جا سکتا ہے لیکن وہاں بیس چابکوں والے آدمی کھڑے ہوں تو بھی اُسے پانی نہیں پلا سکتے۔ گھوڑے کو جب پیاس لگی

تو وہ تب ہی پیئے گا۔ تالاب کا صرف رُخ دکھایا جاتا ہے کہ یہ ہے تالاب اور یہ ہے گھوڑا‘ اگر پیاس ہے تو پانی پی لو‘ پیاس نہ ہو تو زبردستی اُسے کوئی پانی نہیں پلا سکتا۔ آپ کو اگر پیاس ہے تو پانی مل جائے گا۔ آپ نے باقی سب کام کر لیے‘ نوکری بھی کر لی‘ کاروبار بھی کر لیا‘ شادی بھی کر لی اور شب و روز کے سارے کام کر لیے‘ چیزیں خرید لیں‘ Conveyance بھی خرید لی‘ گھر کا سامان بھی خرید لیا‘ بچوں کی تعلیم بھی ہو گئی ...... تو یہ سب کچھ تو کر لیا اور فقیری کا نسخہ کہیں باہر سے آئے گا؟ یہ بھی اندر سے آئے گا۔ اب جب آپ کا اندر کا سوال شروع ہو گا تو اندر کی بات شروع ہو جائے گی کہ یہ کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جو آدمی استحقاق نہ رکھتا ہو اس کو کبھی فقیری نہیں مل سکتی اور استحقاق والا کبھی محروم نہیں ہوتا۔ دنیا میں ایک چیز ہے جو کبھی محروم نہیں ہوتی اور وہ ہے شوق...... کسی بھی چیز کا شوق کبھی محروم نہیں ہوتا‘ آج تک محروم نہیں ہوا۔ اُسے کہتے ہیں کہ بے ذوق نہ ہو راہی...... اگر راہی بے ذوق ہو جائے تو پھر کچھ بھی نہیں بنے گا۔ یہ بات کتابوں میں نہیں ہے‘ کتابوں پر کتابیں بن گئی ہیں مگر فقیری پڑھ کے نہیں بتائی جا سکتی۔ مگر یہ بھی ایک کتاب بن چکی ہے کہ فقیری کے یہ یہ نسخے ہیں‘ یہ یہ کرنا ہے۔ مگر فقیری تمہارا اپنا نام ہے۔ پرانے زمانے میں فقیری کی کتابیں کیسے لکھی گئی ہیں؟ بزرگوں کے ساتھ جو سمجھنے والے لوگ ہوتے تھے‘ وہ ان کے بولنے کو اور عمل کو فقیری کا قانون سمجھ کے لکھ لیتے تھے۔ تو یہ فقیری ہوتی ہے۔ مثلاً فقیری ہوتی ہے فقرا کو کھانا کھلانا‘ جب اتنے سارے لوگ ملنے کے لیے آ گئے تو وہ ان کو کھانا ضرور کھلائے گا کیونکہ وہ تو دُور دراز سے آئے ہوئے ہیں۔ پھر وہ لنگر پکائے گا‘ دیگ بنائے گا۔ فقیری میں لنگر خانے ہوتے ہیں‘ ضرور ہوتے ہیں‘ ٹھہرنے کی جگہ بھی ہوتی ہے۔ پھر ان

سے بات ہوتی ہے' شب بیداری کا سماں ہوتا ہے۔ دعا کرو کہ آپ کو یہ شوق پیدا ہو جائے۔ تو یہ شوق کی بات ہے' نصیب کی بات ہے اور کرم کی بات ہے۔ علم تلاش سے مل سکتا ہے مگر شوق تلاش سے نہیں ملتا۔ اب آپ نے یہ خود دریافت کرنا ہے کہ آپ میں شوق ہے کہ نہیں ہے۔ پھر اس کی تکمیل کے لیے دعا کرو۔ اور اگر وہ شخص یہ کہتا ہے کہ دعا کریں کہ مکان بن جائے اور بچے کی شادی ہو جائے تو یہ الگ شعبہ ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں دنیاوی کام کرلوں پھر اس کے بعد میں فقیری کروں تو فقیری اتنی فالتو چیز نہیں ہے کہ وہ سب کے بعد ہو گی۔ Preference کا' ترجیح کا نام ہے فقیری۔ اب آپ کس کو Prefer کرتے ہیں' ترجیح کس کو دے رہے ہیں؟ شوق والا کہتا ہے کہ مجھے فلاں شخص سے محبت ہے۔ اگر اُسے کہیں کہ تم محبت کو چھوڑ دو اور بائیسویں گریڈ کی نوکری لے لو تو وہ کہے گا کہ میں کدھر اور گریڈ کدھر۔ اُسے کہو کہ بادشاہت لے لے تو وہ تخت چھوڑتا ہے لیکن محبت نہیں چھوڑتا۔ تو یہ واقعہ ہوتا ہے۔ یہ مزاج ہوتا ہے۔ تو فقیری جو ہے یہ صرف عشق کا نام ہے۔ مسلمان کی فقیری حضور پاک ﷺ کا عشق ہے۔ پھر اُس کی Guidance ہوتی رہتی ہے۔ اس کے بڑے راز اور رموز ہیں۔ مثلاً اللہ کریم کو تو پتہ ہے کہ آپ ؐ کو نبوت عطا فرمائی ہے' نبوت کے عطا ہونے سے ایک دن پہلے بھی حضور پاک ﷺ اللہ کے نبی تھے۔ تو منصبِ نبوت کے اعلان اور عطا ہونے سے پہلے بھی آپ ؐ نبی تھے اور جو لوگ آپ ؐ کے ساتھ پہلے سے دوستی اور وفا کر رہے تھے وہ سارے کے سارے اس وقت بھی اُمتی تھے۔ اب یہ ایک ایسا راز ہے کہ آپ ؐ کو نبی تو اعلان کے دن سے ہونا چاہیے مگر یہ اُس دن کی بات نہیں۔ سمجھنے والی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو منصب عطا ہوتا ہے وہ منصب

پیدائش سے پہلے کا ہوتا ہے۔تو وہ واقعات وہاں سے ہوتے ہیں۔

سوال:

یہ کیسے پتہ چلے گا کہ جوشوق مجھے اب ہو رہا ہے وہ پیدائشی ہے یا نیا پیدا ہوا ہے؟

جواب:

اگر لوہے کا ٹکڑا آگ میں چلا جائے تو اس آگ کی حدت کی وجہ سے وہ ٹکڑا بھی آگ بن جاتا ہے اور وہ لوہا کہے گا کہ میں ہی آگ ہوں۔اور اس سے علیحدہ ہونے کے بعد وہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور پھر سمجھتا ہے کہ میں لوہا ہوں۔ شیخ سعدیؒ نے کہا ہے کہ جمالِ ہم نشیں نے مجھے یہ بنا دیا ہے۔تو اس طرح کا واقعہ ہو جاتا ہے۔بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کے اندر خفیہ' Dormant اور سوئی ہوئی صلاحیتیں کسی ماحول کی وجہ سے جاگ اُٹھتی ہیں۔اس لیے بزرگانہ ماحول' بزرگانِ دین کا' فقراء کا' ضرور تلاش کیا کرو اور Attend کیا کرو۔اس کا طریقہ کیا ہے؟ جب کسی بزرگ کے پاس جاؤ تو یہ بات یاد رکھنا کہ جس طرح آپ کے اندر پسند اور ناپسند' قبول اور ناقبول کی صلاحیت ہوتی ہے' اس انسان میں بھی یہ باتیں ہوتی ہیں۔آپ اس بات کو اس طرح سمجھیں کہ جس دن کسی کو دوسرے انسان سے محبت ہوتی ہے تو اس کو شیشے سے' آئینے سے پہلی دفعہ آشنائی ہوتی ہے۔اس سے پہلے اس کو پتہ نہیں ہوتا کہ کیسی شکل لیے پھرتا ہے' لیکن جب ایک چاہنے والا مل جائے تو شکل سنوارنے کا موقع مل جاتا ہے' پہلی دفعہ احساس ہوتا ہے کہ چہرہ بھی کوئی چیز ہے۔تو یہ کس دن ہوا؟ جس دن محبت ہوئی۔اسی طرح جب آپ کسی فقیر کے پاس جاتے ہیں تو جب وہ اللہ کی بات

کرتا ہے آپ سیراب ہو جاتے ہیں کیونکہ آپ سچے ہوتے ہیں۔ وہ فقیر بے شک سچا نہ ہو، مگر وہ Labour کے ساتھ اللہ کی بات کر رہا ہے، زور لگا کے اللہ کی بات کر رہا ہے، یہ نسخہ کہیں سے مانگ کے لایا اور اس کا مقصد دنیا ہی ہو مگر سچے آدمی نے سمجھنا ہے کہ یہ اللہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ تو مجنوں خوش ہو جاتا ہے چاہے وہ شخص لیلیٰ کی بات جھوٹ ہی کہہ رہا ہو۔ اسی طرح فقیر کی بھی اپنی پسند اور ناپسند ہوتی ہے اور جب آپ کو کوئی درویش قبول نہ کرے تو وہ اپنا حسن آپ کے سامنے آشکار نہیں کرے گا اور وہ آپ کے سامنے ایسی بات بھی کر سکتا ہے کہ آپ وہاں سے اُٹھ کے آ جائیں گے۔ اگر اس نے آپ کو اچھا آدمی سمجھا تو پھر آپ کے ساتھ خوب صورت انداز سے پیار کے ساتھ بات کرے گا، پھر یہاں سے اُٹھا کے وہاں بٹھا دے گا۔ تو یہ واقعات بزرگوں نے کیے ہیں۔ اس لیے سچے آدمی کے طور پر اپنی تلاش کو جاری رکھتے ہوئے ہر محفل دیکھو۔ پھر آپ کو راز کس نے دینا ہے؟ آپ کے محبوب اللہ نے۔ آپ کو کیونکہ پتہ نہیں ہے کہ کون سچا پیر ہے اور کون نہیں ہے، اس لیے اللہ کا نام لے کے چل پڑو اور کہو کہ یا اللہ تیرے نام پہ یہ ہے، مجھے پتہ نہیں ہے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے، بس مجھے یہ پتہ ہے کہ تُو سچا ہے، میری محبت بھی سچی ہے۔ تو آپ چل پڑیں۔ اللہ جہاں سے چاہے دِلا دے۔ آپ کا سفر سچا ہونا چاہیے۔ اس کی شرط کیا ہے؟ کسی کو جھوٹا مت کہنا...... ایک بزرگ نے اپنے پیر صاحب سے سوال کیا کہ یا پیر و مرشد ہمیں توحید کے بارے میں کچھ بتائیں؟ انہوں نے کہا سمجھا دیں گے۔ کچھ عرصہ بعد وہ دونوں حج کو گئے۔ راستے میں ایسا اتفاق ہوا کہ ایک جگہ نماز پڑھ رہے تھے، وہاں ایک سوار آیا گھوڑے پہ چڑھ کے۔ اس سوار نے پیر صاحب کو الگ بلایا اور کوئی

بات کی۔ پیر صاحب نے ادب سے جواب دیا اور وہ سوار رخصت ہو گیا۔ مرید نے پوچھا یہ کون بزرگ تھے جو آئے اور چلے گئے۔ انہوں نے کہا یہ خضر علیہ السلام تھے۔ ''کیوں آئے تھے؟'' ''وہ کہہ رہے تھے کہ تم حج پہ جا رہے ہو' اگر کہو تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں''۔ ''پھر؟'' ''میں نے کہا کہ نہیں''۔ ''آپ نے کیوں کہا کہ نہیں؟'' ''میں نے کہا کہ ہم تو اللہ کی راہ میں چل رہے ہیں' کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم تیرے خیال میں گم ہو جائیں۔ یہ تیرے سوال کا جواب ہے کہ توحید کیا ہے''۔ تو توحید یہ ہے کہ اگر اللہ کے سفر میں جا رہے ہو تو کہیں خضر علیہ السلام کے خیال میں گم نہ ہو جانا۔

سوال:

یہ پیر صاحب اور اُن کے مرید جن کا ذکر ہوا ہے کون تھے؟

جواب:

آپ کے اور ہمارے پیر تو نہیں تھے' وہ تو پیروں کے پیر تھے۔ کیا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کون تھے؟ مرید کا نام تھا داتا صاحبؒ اور کتاب کا نام ہے ''کشف المحجوب''۔ تو یہ واقعہ ان کا اپنا' ذاتی ہے۔ جس جگہ توحید کا باب ہے وہاں پہ یہ بیان ہے کہ توحید کیا ہوتی ہے۔ بعض اوقات کسی بندے کے خیال میں گم ہو جانا بھی توحید ہوتی ہے۔ یہ بات بھی بتائی ہے۔ یہ بھی بتایا ہے کہ شرک کیا ہوتا ہے اور بندے کے خیال میں گم ہونا کیا ہوتا ہے۔ شرک یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا سے روکنے والے کی یاد جو ہے وہ شرک ہے اور اللہ کی یاد دلانے والے کی یاد جو ہے شرک نہیں ہے بلکہ توحید ہے۔ جو اللہ کی طرف لے کے جائے وہ توحید ہے اور جو اللہ کی طرف روکے وہ شرک ہے چاہے وہ تمہارا دین ہی ہو۔ تو دین کیسے

ہوسکتا ہے؟ بعض اوقات وہ مذہبی Formalities ایسی ہوتی ہیں کہ تم اللہ سے محبت بھول جاتے ہو، بعض اوقات لوگوں کو مذہبی رواداریوں میں جھوٹ بولنا پڑ جاتا ہے۔ مثلاً ایک سیاسی جماعت ہے جو دین کے نام پر بنائی گئی ہے اور ووٹ اسے لادین سے لینا پڑ جاتا ہے۔ یہاں پر پریشانی ہو جاتی ہے۔ پھر وہ کہے گا کہ اگر میں یہ نہ کروں تو ووٹ کیسے لوں گا۔ یہی تو اس کو بتانا تھا ہم نے کہ سچا آدمی جھوٹی دنیا میں کیسے کامیاب ہوتا ہے۔ سچا آدمی اگر جھوٹی دنیا میں جھوٹے لوگوں کے ووٹ لے کر کامیاب ہونا چاہتا ہے تو وہ سچا نہیں رہ گیا...... ان Formalities میں یہ ہوتا ہے کہ مسجد میں جلسہ ہو جائے گا، محلے کے لوگ جمع ہوں گے، کمیٹیاں بن جائیں گی، کون کون کیا کرے گا۔ اس طرح یہ واقعات ہوں گے۔ اس طرح انسان اصلی بات بھول گیا اور رنگا رنگ تقریب میں گم ہو گیا۔ جس طرح آج کل داتا صاحبؒ کا عرس ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر عرس کے دن کوئی داتا صاحبؒ سے ملے اور پوچھے کہ آج عرس کا دن ہے، آپ تو خوش ہوں گے تو وہ کہیں گے کہ میں نے کیا خوش ہونا ہے، میرے پاس تو کوئی آیا ہی نہیں، سارے تھیٹر دیکھ رہے ہیں، عزیز میاں کی قوالی سن رہے ہیں، لنگر کھاتے جا رہے ہیں...... تو لوگ بیچارے تقریبات میں گم ہیں اور اُن کے پاس وقت نہیں ہے کہ داتا صاحبؒ کے پاس جائیں۔ اسی طرح لوگ حج کی Formality میں گم ہو جاتے ہیں اور اللہ کو بھول جاتے ہیں۔ اس لیے جس فقیر کا عرس ہوتا ہے اس کو بھول جاتے ہیں اور عرس کی تقریبات میں گم ہو جاتے ہیں۔ تو یہ اُمت خرافات میں کھو گئی۔ تو یہ وہ خرافات ہیں جس سے بزرگوں نے منع کیا تھا۔ یہ وہ آستانے ہیں جہاں پر بزرگ بتاتے تھے کہ حلال حرام کی تمیز کرو اور اب حرام کی کمائی سے دیگیں

پکا کے وہاں پہنچا دیتے ہیں۔ ہر جگہ صرف تقریبات ہیں۔ اگر کبھی ان سارے بزرگوں نے ایک مرتبہ جُنبش لگائی تو سب کو اڑا کے رکھ دیں گے۔ پچھلے دور میں جو گورنر وغیرہ ہوتے تھے وہ چادر پوشی کرتے تھے اور پتہ نہیں کہ ان کی اپنی حالت پاک ہوتی تھی یا نہیں' ان کا کھانا پینا کیا ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ پہلے ایک گورنر وہاں داتا صاحبؒ کے عرس کا افتتاح کر رہا تھا اور حالتِ شراب میں تھا۔ داتا صاحبؒ تو نرم دل درویش ہیں' کچھ نہیں کہتے' کوئی اور درویش ہوتا تو کچھ کرتا۔ یہ تو یہ کہیں گے کہ یہ رُو سیاہ بندہ بھی اس راستے پر آیا تو سہی۔ تو وہ جو اس درویش کی یعنی داتا صاحبؒ کی تعلیم ہے وہ تعلیم کسی نے پیش نہ کی اور جو یہ تعلیم پیش کرتا ہے وہ پہلے اپنے آپ کو پیش کرتا ہے۔ تو جس قوم کا پیر جو ہے وہ مطلب پرست ہو تو اس قوم کا کیا حشر ہو گا۔ جس قوم کا مولوی' سیاست دان ہو اس کا کیا حشر ہو گا۔ پتہ نہیں یہ قوم زندہ کیسے ہے؟ بس یہ قوم ربِ سبّبی قائم ہے۔ اور لوگ یہ کر رہے ہیں کہ ہر ایک سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اس لیے اس وقت جس کے پاس سچ ہے اس کے پاس محرومی ہو گی۔ سچ اس دور میں سیراب نہیں ہوا' سچ اتنے انتشار میں نہیں ہو سکتا کہ بے شمار جماعتیں ہیں۔ تو لوگ منفعت پسند ہو گئے ہیں اس لیے ان کا یہ حال ہے۔ وہ دولت جو پاکستان کی شکل میں بنی تھی وہ بے معنی ہے اگر اس میں دین کا مقصد نہ ہو۔ یہ بامعنی ہو سکتا ہے اگر اس میں دین کا کوئی مقصد ہو۔

دین کے دم سے تھا میرے وطن کا اتحاد
لا الٰہ کو چھوڑنے کا ہے نتیجہ انتشار

جب نتیجہ انتشار ہونا ہو تو سب کچھ ٹوٹ جاتا ہے۔ تو یہ جس وجہ سے قائم تھا آپ

نے وہ وجہ چھوڑ دی ہے۔ اور جو ملتِ اسلامیہ ہے' ساری اُمت ہے' وہ اکٹھی نہیں ہے۔ عراق ایران اور دوسرے...... سب لڑائیاں جھگڑے۔ وہ اس طرح رہتے ہیں جیسے ہمیشہ رہنا ہے اور اندر سے سارے آہستہ آہستہ مرتے جا رہے ہیں' ایک بادشاہ مر گیا' وزیرِ اعظم مر گیا' تیسرا بھی مر گیا...... سارے مرتے جا رہے ہیں مگر تیل کا رُخ ہماری طرف نہیں ہوا۔ تو آپ کی یہ حالت ہے کہ نہ آپ مسلمانوں کو تقویت پہنچاتے ہیں' نہ کسی کا مقابلہ کرتے ہیں اور نہ بھائیوں میں صلح کراتے ہیں۔ اللہ آپ کو یا پھر آپ کے لیڈروں کو محفوظ کرے کیونکہ دونوں بیک وقت محفوظ نہیں رہ سکتے۔ تو یہ حالت ہے آپ کی۔ آپ اللہ کی طرف رجوع کریں تاکہ مدد کی کوئی صورت ہو سکے۔ سچے لوگ نہیں رہے۔ مسلمان کا وعدہ سچا نہیں رہا' وعدوں میں شک پڑ گیا' اب نتیجہ کیا ہوگا؟ خانقاہ' مسجد کا منبر' سیاست اور تعلیم' یہ چاروں شعبے زوال پذیر ہو گئے ہیں۔ اب آپ یہ کہیں گے کہ کاروباری لوگ بھی خراب ہو گئے۔ تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ بیوروکریٹس بھی تباہ ہو گئے' وہ بھی ختم۔ تو کون سا شعبہ باقی رہ گیا ہے۔ طالب علم خراب ہو گئے ہیں اور وہ علم سے محروم ہو گئے ہیں...... تو اب دعا کرنے کا وقت ہے کہ یا اللہ اسلام کو مسلمانوں سے بچا! سیاست کو سیاست دانوں سے بچا! لوگوں نے کوئی شعبہ صحیح نہیں رہنے دیا۔ جو کچھ ہو آپ وہی کچھ کہو اور وہی نکلے۔ اگر گائے کے گوشت کے کباب کو بکرے کے گوشت کے کباب کہہ کر تقسیم کرو تو یہ ٹھیک نہیں ہے۔ جھوٹ بولنا ضروری ہے کیا؟ آپ جو کچھ کہو' وہی نکلے' مگر یہ کبھی نہیں ہوگا۔ یہ جو فائیو سٹار ہوٹل ہیں بیماریاں پھیلا رہے ہیں' تباہیاں یہاں سے آ رہی ہیں' انگلش میڈیم سے آ رہی ہیں۔ آپ کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو درخواست لکھ کے آ جاتے ہو کہ

ہمارے بچے کو رجسٹر کر لیا جائے' انگلش میڈیم میں داخل ہوگا' اس کو ہم بنائیں گے سپہ سالارِ اسلام۔ یہ جس کو آپ خالد بن ولید یا محمد بن قاسم بنانا چاہتے ہیں اُسے داخل کہاں کراتے ہیں؟ سینٹ انتھونی میں۔ اب آپ کہیں گے کہ ہم تو کچھ نہیں کر سکتے۔ میں کہتا ہوں کہ اور کچھ نہ کرو لیکن تھوڑا سا افسوس تو کرو کہ آپ لوگوں سے کچھ نہیں ہو سکا۔ بس صرف تنقید کرتے رہتے ہیں۔

کوئی اور سوال ہو تو پوچھ لیں...... بولیں......

سوال:

دائمی نماز کسے کہتے ہیں؟

جواب:

ایک آدمی کو کسی دوست نے خط لکھا۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ اس نے دوسرا خط لکھ دیا۔ پھر اس نے جواب دیا کہ میں تمہیں یاد کروں کہ تمہیں خط لکھوں' یاد کرنے کا اتنا سخت عمل ہے کہ میرے پاس خط لکھنے کا ٹائم ہی نہیں ہے' ایسے میں خط غیر ہے......یعنی کہ دوست کی یاد میں خط لکھنے کا عمل بھی غیر ہے۔ تو یاد اتنی زیادہ حاوی ہوتی ہے۔ جن لوگوں کو مسجد میں جانا ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ دنیاوی کام سارے ترک کر کے چلو مسجد میں' اذان کا ٹائم ہو گیا' نماز پڑھنے جاتے ہیں۔ اور جن کی نماز قائم ہو جاتی ہے وہ کہتے ہیں کہ مسجد سے چلو اور چل کے کاروبار کرتے ہیں کیونکہ اللہ کا حکم ہے۔ تو جو نماز قائم والے ہیں وہ لوگ دنیا کی طرف مجبور ہو کے نکلتے ہیں اور جو نماز پڑھنے والے ہیں وہ نماز کی طرف مجبور ہو کر نکلتے ہیں۔ تو نماز کس کی قائم ہو گئی؟ جس کا ہر لمحہ' ہر حال جو ہے' مسجد کے اندر اور باہر ایک جیسا ہو۔ اگر مسجد کے اندر اور مسجد کے باہر زندگی الگ ہو گئی

تو اس کی نماز قائم تو کیا' نماز ہوئی ہی نہیں۔ آپ کا تو غم بھی دائمی نہیں ہے۔ اگر کوئی مر جائے تو لوگ قبر بننے کے دوران ہی باتیں شروع کر دیتے ہیں اور پھر غم کا خیال بکھر جاتا ہے۔ حالانکہ غم کا موسم تو ہر ایک موسم ہے' کل کا غم آج بھی غم ہے اور جس کو کل کا غم کل تک رہے گا یا آج تک رہے گا یا دو دن اور رہ جائے گا تو میں اس غم کو نہیں مانتا۔ تو نماز قائم کس کی ہے؟ جو ایک کیفیت میں ہو اور اس کی وہی کیفیت رہے۔

جلوہ گاہِ ناز کے پردوں کا اٹھنا یاد ہے
پھر ہوا کیا اور کیا دیکھا یہ کس کو ہوش تھا

تو اس کو آگے کا پتہ نہیں کہ کیا ہوا۔ تو پھر اس کے بعد کی زندگی کا پتہ نہیں ہوتا' وہ کام کر رہا ہوتا ہے' شہر میں آتا ہے' جاتا ہے' ہنستا ہے' بولتا ہے لیکن کیفیت وہی رہتی ہے۔ یا اس کو یوں سمجھ لو کہ

مجھ کو کسی کی انجمنِ ناز کی قسم
محسوس کر رہا ہوں کہ اب تک وہیں ہوں میں

یعنی کہ وہ بات گزر گئی ہے لیکن میں اب تک وہیں ہوں۔ تو جس کا حج قائم ہو گیا وہ روز ہی حج کرتا ہے' وہ اُدھر سے واپس آیا ہی نہیں۔ جس کا دل وہاں رہ گیا وہ واپس آیا ہی نہیں۔ تو زندگی میں ایسے ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں جو وقتی طور پر آتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے رہ جاتے ہیں۔ بے شمار لوگ بے شمار باتیں کرتے ہیں جو بھول جاتی ہیں مگر کسی کی ایک بات ہمیشہ یاد رہ جاتی ہے' وہ خلش باقی رہ جاتی ہے۔ تو ایسا واقعہ بھی ہو جاتا ہے۔ تو نماز کس کی قائم ہو گئی؟ جس کی نماز کسی نے قائم کرائی۔ تو نماز کے اندر وہ قائم ہو گیا اور نماز اس کی قائم ہو گئی۔ اس طرح

وہ چلتا جاتا ہے۔ اس کے لیے وقت ٹھہر جاتا ہے' اسی کے اندر سے ایک دروازہ نکلتا ہے اور وہ پتہ نہیں کس وقت میں چلا جاتا ہے' ٹھہر جاتا ہے' وقت سے باہر نکل جاتا ہے' ۔مان ومکاں زیرِ نگیں آ جاتے ہیں' کئی واقعات ہوتے ہیں' وہ اسی دنیا میں رہ کے کسی اور دنیا میں چلا جاتا ہے۔ یہ اللہ کی مہربانی ہوتی ہے کہ وہ اسے کسی اور دنیا میں داخل کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا اُسے مردہ نہ کہو بل احیاء ولکن لاتشعرون بلکہ وہ زندہ ہیں اور تمہیں شعور نہیں ہے۔ اب آپ یہ بات تو مان لیں کہ آپ کو پتہ نہیں ہے کہ وہ کیسے زندہ ہیں' لیکن وہ زندہ ہیں۔ اور آپ کو اس کا شعور نہیں ہے۔ اگر کبھی ایسا اتفاق ہو کہ وہ جو زندہ ہے' شہید ہے' وہ آپ سے ملاقات کرے تو یہ ممکن ہے کیونکہ زندہ شخص آپ سے مل سکتا ہے۔ تو اگر ملاقات ہو جائے تو آپ اس زندگی کے نظام سے ایک اور جگہ چلے گئے جہاں آپ میں شعور پیدا ہو گیا' ملاقات پیدا ہو گئی اور آپ اس لیول پر چلے گئے یا پھر وہ آپ کے درمیان آ گیا۔ تو اسی زندگی میں ایک اور زندگی کا تصور آ گیا۔ ان شب و روز کے اندر اور شب و روز آ گئے۔ ایک جگہ چار پانچ آدمی بیٹھے تھے اور جنات کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ جن تو ہوتے نہیں' یہ تو ایسے ہی کتابوں میں لکھا ہوا ہے' جن کیسے ہو سکتے ہیں۔ اور پھر ان میں سے ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ جنات تو ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا تمہیں کیسے پتہ ہے؟ اس نے کہا میں آپ ہوں۔ اور پھر اس نے غائب ہو کے ثابت کر دیا......

جب مشاہدے میں داخل ہو جائے تو آپ دوسری دنیا میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جب نماز مشاہدہ بن جائے تو پھر بات آسان ہو جاتی ہے' مثلاً جب وہ بولے تو اسے نظر آ رہا ہو۔ جب وہ کہے کہ اهدنا الصراط المستقیم صراط

الذین انعمت علیھم تو اللہ کے پیغمبروں کا، حضور پاک ﷺ کا، صحابہ کرامؓ کا، اولیائے عظامؒ کا اور ہمارے قریب کے بزرگوں کا مشاہدہ ہو جائے کہ یہ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کا انعام ہوا...... اور ان لوگوں کے نام بھی مشاہدے میں آ جائیں جن پر اس کا غضب ہوا۔ جب الفاظ شکل اختیار کر جائیں تو نماز قائم ہو جاتی ہے۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے تو انہوں نے کہا یہ میرا شیطان ہے۔ اس نے کہا یہ شیطان کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ یہ تو انسان ہے اور وہ تو اللہ کا شیطان تھا، منکر تھا۔ انہوں نے کہا شیاطین کا لفظ تو تم نے سنا ہو گا۔ اس نے پھر پوچھا کہ یہ آپ کا شیطان کیسے ہے؟ انہوں نے کہا اس نے کل میرے پاس آ کے بیعت کی اور بہت سارے آدمیوں میں کہا تھا کہ میں آپ کے ہر حکم کی اطاعت کروں گا مگر آج میں نے اس سے ایک بات کی تو اس نے صاف انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کی اطاعت نہیں کر سکتا۔ تو اطاعت کے بعد انکار کا نام ہی تو شیطان ہے۔ تو وہ شیطان ہے جس نے اطاعت کا وعدہ کیا ہو اور دوسرے دن انکار کر دیا ہو۔ اللہ نے شیطان سے کہا کہ میرے علاوہ کسی اور کو سجدہ نہیں کرنا تو اُس نے کہا ہم تابعدار ہیں، ایسا نہیں کریں گے۔ پھر اللہ نے کہا آدم کو سجدہ کرو تو اس نے کہا کل آپ نے حکم اور فرمایا تھا اور آج اور ہے، یہ میں نہیں کر سکتا...... اللہ نے کہا تو لعین ہے، باہر نکل جا۔ تو اطاعت کے بعد انکاری، امر کو تسلیم کرنے کے بعد امر سے انکار کرنے والا شیطان ہے۔ اس کو پہچاننے کی ضرورت ہے اور یہ بات مشاہدے میں آئے گی۔ جب یہ واقعات مشاہدے میں آ جائیں کہ یہ وہ ہے، تو اس شخص کو شہید کہتے ہیں، یہ ولی ہوتا ہے۔ اس کے لیے الفاظ مشاہدے میں آ جاتے ہیں۔ اگر الفاظ مشاہدے میں نہ آئیں تو پھر

ساری بات ہی غلط ہو گئی۔ تو پھر انسان الفاظ بولتا جاتا ہے جو مفہوم کے بغیر ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ نماز جس میں الفاظ اپنے مفہوم کی صورت اختیار کر کے نماز پڑھنے والے کے رُو برو ہمہ حال کھڑے رہتے ہیں' تو اس کی نماز قائم ہو جاتی ہے۔ اس سے پہلے قائم نہیں ہوتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ نماز قائم کرو اور نماز قائم کرو اللہ کے ذکر کے لیے اقم الصلوۃ لذکری تو جب ذکر قائم ہو گیا تب نماز قائم ہو گئی اور نماز قائم ہو گئی تو ذکر قائم ہو گیا۔ الفاظ قائم ہو گئے تو مشاہدہ قائم ہو گیا' مشاہدہ قائم ہو گیا تو آپ کا عمل قائم ہو گیا۔ جب آپ کا عمل مشاہدے کے تابع ہو جائے تو سمجھو کہ عمل گمراہ نہیں ہو گا۔ ماننے والا کبھی گمراہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو مان کے چل پڑتا ہے اور جو سوچے گا وہ پھر مشکل میں ہو گا۔ سوچنے والا خود ذمہ دار ہے۔ زندگی کا Knowledge کتاب سے اور ہے لیکن مشاہدے سے اور ہے۔ ماننے والے کو جو کہیں گے وہ کرتا جائے گا اور پار لگ جائے گا......

بس یہاں پر کچھ درویش یا پیر ایسی ملاوٹ کر گئے کہ پھر علم والے لوگ پریشان ہو گئے ہیں۔ مثلاً محفل میں سب بیٹھے ہیں اور پیر صاحب کہتے ہیں کہ مبارک ہو اس وقت میں نماز وہاں پڑھ کے آیا ہوں' یعنی کسی اور شہر میں۔ جب ایسی باتیں بیان کی جاتی ہیں جن کا تعلق کسی مافوق الفطرت واقعہ سے ہو تو لوگ پریشان ہو جاتے ہیں۔ پرانے زمانے میں بزرگ ایسی باتیں تب بیان کرتے تھے جب وہ مشاہدہ بھی کراتے تھے۔ اب مشاہدے کے بغیر بیان ہو رہا ہے' اس لیے آج کا ذہن پریشان ہو جاتا ہے۔ تو درویشی کے نام پر بہت سارے مقامات غلط ہو گئے ہیں لیکن یہ یاد رکھنا کہ اصلی مقام درویشی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو زندگی بھر کوئی قابل قدر درویش نہ ملے مگر اصلی راستہ یہی ہے۔ تو آپ تلاش جاری رکھیں' گھبرانا

نہیں، سچ کی تلاش کبھی ختم نہیں ہوتی، بس آپ چلتے جائیں۔

سوال:

حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ انسان ایک جسم صغیر ہے اور اس میں عالم اکبر پوشیدہ ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب:

یہ تو بہت واضح بات ہے کہ اللہ مالکِ کائنات ہے اور خالق ہے، خالق اپنی مخلوق سے بہت بڑا ہے، وہ بہت بڑی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وسیع سے وسیع تر کائنات ایسی تخلیق فرمائی ہے کہ وہ انسان کی سمجھ سے باہر ہے۔ آپ کبھی کائنات کے نقشے پر غور کریں، ایک نگاہ میں ستارے دیکھیں تو آنکھ خیرہ ہو کے واپس آ جاتی ہے، حالانکہ یہ ستارے ایسے نہیں ہیں جیسا کہ یہ نظر آ رہے ہیں، ان کی حقیقت تو قیامت تک سمجھ نہیں آ سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس کو دوبارہ دیکھ لو، کیا کائنات میں کوئی کجی ہے۔ تو اس کائنات کا جو مالک ہے وہ Perfect ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ جب میری کائنات Perfect ہے تو یہ دیکھو کہ میں کتنا Perfect ہوں۔ تو Perfection اللہ کو زیب ہے۔ اب اس اللہ کا شعور حاصل کرنے کے لیے، اس کو جاننے کے لیے، اس کائنات میں انسان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ باقی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے کیونکہ اس کو حکم ہے، اور وہ سب اپنے اپنے مدار میں سرگرداں ہیں لیکن اللہ کے بارے میں بولنے کا شعور اور شعور سے بولنا صرف انسان کو عطا ہوا۔ اتنا بڑا، وسیع اللہ جو ہے، یہ چھوٹا سا انسان اس کا میڈیم ہے۔ اب وہ سارا عالم، وہ ساری بات، سارے کا سارا تمہارے وجود میں ہے اور تمہارا وجود دراصل تمہارے احساس کا وجود ہے۔ ٹھوس چیزیں اور کھانا

پینا آپ کا وجود نہیں بلکہ آپ کا احساس آپ کا وجود ہے۔ آپ کے احساس میں اللہ تعالیٰ نے اتنی لطافت عطا فرمائی ہے کہ یہ احساس اس کائنات کی وسعتوں پر اتنا ہی حاوی ہے۔ تو اسی انسان کو وہ شعور بخشا گیا ہے۔ تو اس صغیر جسم کے اندر عالمِ اکبر پوشیدہ ہے' عالمِ اکبر کا عکس موجود ہے۔ تو اس کا عکس موجود ہے' اس کا اجمال موجود ہے' اس کا شعور موجود ہے' اس کا ''کُن'' موجود ہے اور اس کا ''فیکون'' موجود ہے۔ اگر انسان مغموم ہو جائے تو کائنات مغموم ہو جاتی ہے۔ اگر انسان فیل ہو جائے تو کائنات فیل ہو جائے گی۔ کیونکہ کائنات فیل نہیں ہونی اس لیے انسان نے فیل نہیں ہونا۔ انسان نے اللہ کے ساتھ کامیاب ہونا ہے تو صرف مذہب کے ذریعے۔ اب آپ مذہبوں میں یہ تلاش کر لیں کہ کون سا مذہب بہتر ہے۔ اگر آپ کو اسلام بہتر لگا ہے تو پھر آپ اس میں سے ملاوٹ نکال دیں' پھر آپ بچ جائیں گے۔ ورنہ آپ کیسے بچیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو Purify کر کے اس کا سکّہ چلانا ہے۔ تو اس کائنات کا Future اسلام میں ہے اور اگر آپ اس کا فیوچر خراب کریں گے تو آپ کو اُڑا دیا جائے گا۔ اس لیے آپ لوگ جو اسلام کو مانتے ہیں وہ ایک بات تو ضرور مانیں کہ اسلام سچوں کا دین ہے اور سچا دین ہے۔ تو اس میں سے جھوٹ کو نکال دو۔ اگر اللہ کی راہ میں چل پڑے ہو یا نہیں چلے ہو تو کم از کم جھوٹ تو نکال دو' Good man تو بنو۔ پھر آپ صحیح مسلمان ہو جائیں گے۔ پھر اپنے آپ کی تکمیل کریں۔ اگر مسلمان دوسرے مسلمان پر تنقید کرنا چھوڑ دے تو آدھا مسلمان تو وہ پکا ہو گیا۔ اگر دوسرے کا قصور چھوڑ کے اپنا قصور چھوڑ دو تو بہت بہتر ہو جاؤ گے۔ آج کا مسلمان صرف بیان کرتا رہتا ہے' اسے تبلیغ کا شوق ہے' آج کا مسلمان تبلیغ کا مارا ہوا ہے' اسے تبلیغ کا اور

تنقید کا شوق ہے' ہر وقت لوگوں کی باتیں کرتا رہتا ہے اور اپنا مطلب نکالتا رہتا ہے' یہاں سے بھی حاصل کرتا ہے اور وہاں سے بھی لیتا ہے۔ اور پھر ہر چیز یہیں کی یہیں رہ جاتی ہے۔ آج زمین کا جو ٹکڑا آپ نے خریدا ہے اس سے پوچھو کہ اے زمین کے ٹکڑے تو آج تک کتنی مرتبہ انتقال ہوا ہے اور تیرے کتنے مالک انتقال کر گئے تو پھر بس ...... تو اس کا کوئی مالک نہیں اور نہ بن سکتا ہے۔ زمین اُسے کچھ نہیں کہتی' آرام سے ٹھہری رہتی ہے اور بندے مرتے رہتے ہیں ...... اور پھر وہ انسان دو گز جگہ مانگتا ہے' وہ بھی عافیت والی جگہ ہونی چاہیے۔ اگر وہ دو گز کی عافیت والی جگہ نہ ملی تو پھر تمہاری ساری حویلیاں کس کام کی' تمہارے واقعات کس کام کے' تمہیں کسی دعا کا سایہ بھی نہ ملا تو تمہاری زندگی کس کام کی' تمہاری اولادوں میں دعا کرنے والا کوئی نہ ہوا تو تم دیکھو گے کہ تمہاری زندگی کتنی ناکام ہوگئی ہے۔ اگر تم گستاخ رہے اور ماں باپ نے دعا نہ دی تو اولاد بھی ویسی ملے گی۔ یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ارواح کے لیے ہم پڑھتے ہیں' پتہ نہیں وہاں پہنچتی ہے کہ نہیں پہنچتی تو جب آپ مر کے وہاں جائیں گے تو پتہ چلے گا۔ وہاں جا کے آپ کہیں گے کہ کاش میرا ایسا بیٹا ہوتا جو مجھ پر کچھ پڑھتا ......

تو آپ دعا کریں کہ اللہ ہمیں چیزوں کا شعور دے' مشاہدہ کھول دے' مہربانی فرمائے ......

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و نور عرشہ افضل الانبیاء والمرسلین سیدنا و مولنا حبیبنا و شفیعنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین آمین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین۔

۵
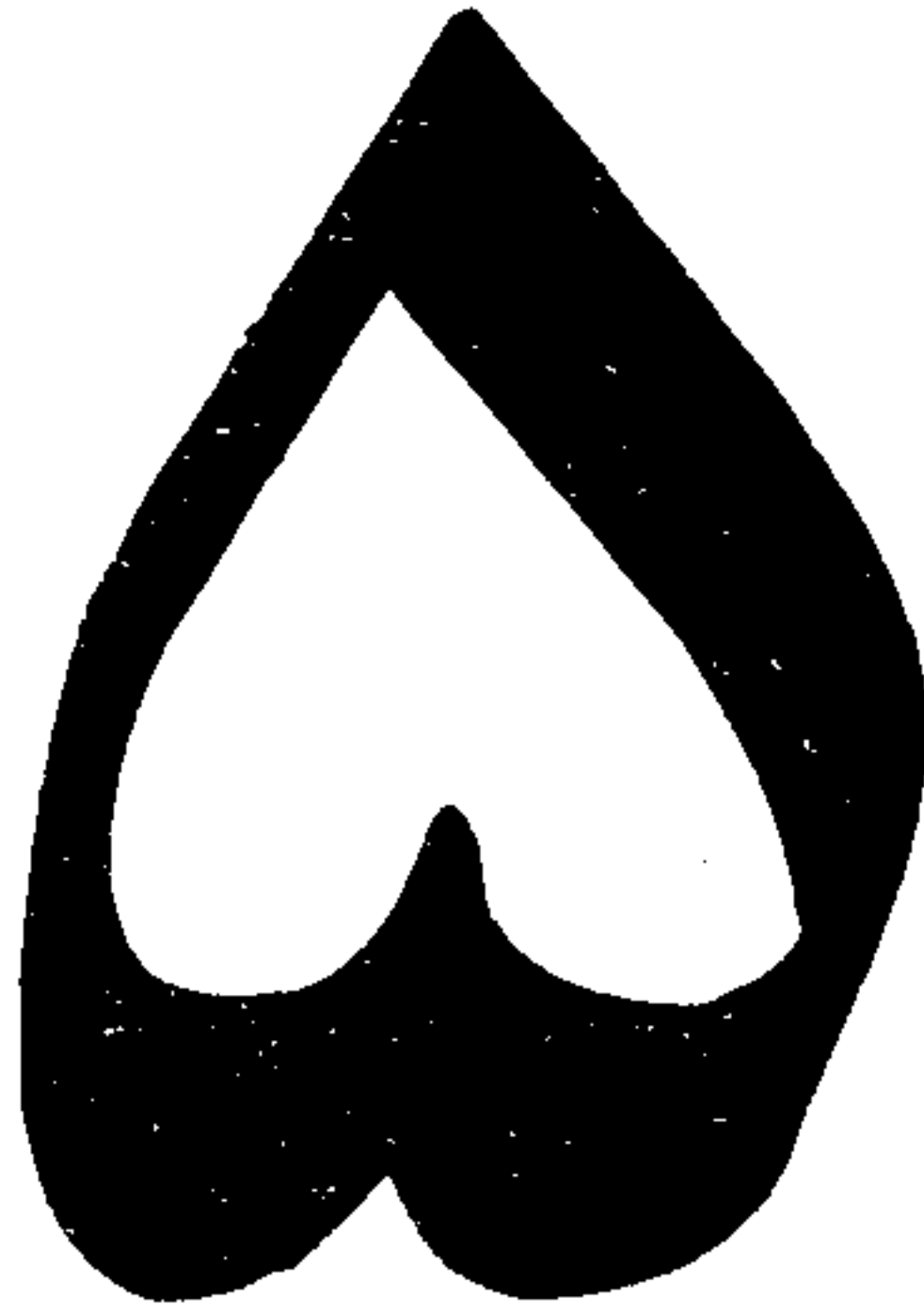
۱ جب ہم مزارات پر جائیں تو کیا دعا مانگنی چاہیے تا کہ دعا بھی ہو جائے اور شرک بھی نہ ہو۔

۲ صحابہ کرام کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حالانکہ اللہ تو پہلے ہی ان سے راضی ہے......

۳ میرا عقیدہ ہے کہ نبی پاکؐ حاضر و ناظر ہیں اور وہ ہماری ہر بات سنتے ہیں، نماز میں بھی ان کا تصور آ جاتا ہے۔ کیا یہ شرک تو نہیں ہے؟

۴ کیا جو لوگ تعویذ گنڈا کرتے ہیں وہ صحیح ہے؟

۵ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ ایک ایسا مقام بھی ہوتا ہے کہ دعا نہ کیا کریں......

۶ ہم اپنے لیے اور معاشرے کے لیے جو نیکی کرتے ہیں وہ اکثر کامیاب نہیں ہوتی ......

۷ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایک ہنر دے کر بھیجا ہے۔ اس ہنر کو تلاش کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

۸ کیا دوسرے انسانوں کو اپنے سے بہتر سمجھنا چاہیے؟

۹ وسوسے، لالچ اور برائی سے کیسے بچا جائے؟

۱۰ یہ کیا وجہ ہے کہ مغربی لوگوں نے بڑی ترقی کر لی ہے اور ہم بہت پیچھے ہیں؟

سوال :

جب ہم مزارات پر جائیں تو کیا دعا مانگنی چاہیے تا کہ دعا بھی ہو جائے اور شرک بھی نہ ہو۔

جواب:

اولیاء اللہ کے مزار کا جو Visit ہے' Pilgrimage ہے' یعنی کسی مزار پر جانا' اس کو آپ یوں سمجھیں کہ صاحبِ مزار جو ہے وہ شرک سکھانے تو نہیں آیا تھا' اس کا پیغام شرک تو نہیں تھا اور اسی لیے تو ان کا یہ مقام موجود ہے' ان کی کوئی کتاب ہوگی' کوئی طریقت ہوگی' کوئی سلسلہ ہوگا۔ اسی لیے تو اُن کا ذکر چلتا آ رہا ہے' ورنہ آپ کو کیسے پتہ چلتا کہ اس مزار پہ جانا ہے۔ یہاں پر بیٹھے ہوئے آپ' اُن کے سو سال بعد یا دو سو سال بعد یا ہزار سال بعد' جب کہتے ہیں کہ اُن کے مزار پر جانا ہے تو آپ اس آدمی کا ایک نام لے کے جاتے ہیں۔ تو آپ اس کا نام رکھتے ہیں پھر اس کے دربار پر جاتے ہیں' پھر آپ کہتے ہیں کہ ولی اللہ کے مزار پر جاتے ہیں۔ تو پہلے آپ کے پاس نام ہوتا ہے' پھر آپ Visit کرتے ہیں۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جب آپ کے پاس وہ نام آتا ہے تو پھر آپ کو پتہ چل جاتا ہے کہ وہ صاحبِ تعلیم کیا تھا یعنی ان کی تعلیم کیا تھی' ان کا پیغام کیا تھا۔ تو نام

میں وہ تعلیم شامل ہوتی ہے۔ تو یہ پتہ چل جاتا ہے کہ وہ فلاں صاحب تھے' وہ ولی اللہ تھے' اُن کی یہ تعلیم ہے' یہ ان کا شجرہ شریف ہے اور اب تک یہ ان کی پوری کی پوری لائن چلی آ رہی ہے۔ کیا ان سب باتوں میں کہیں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شرک سکھانے کے لیے آئے تھے۔ تو وہ شرک نہیں سکھاتے۔ شرک کا اندیشہ وہاں جانے والے میں ہے اور بلانے والے میں نہیں تھا۔ جانے والا اگر وہاں گیا ہی نہیں تو شرک کا فیصلہ کیسے کر سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں جانے سے روکنے والوں نے جانے والوں کو شرک کا پیغام دیا ہے۔ مزار پر روکنے والوں نے جانے والوں کو ڈرایا ہے کہ شرک ہوگا۔ بلانے والا تو شرک کا پیغام ہی نہیں دیتا بلکہ وہ شرک سے بچاتا ہے۔ جانے والے کو پتہ نہیں کہ وہاں شرک ہوگا کہ نہیں' تو وہ یہ سوال کر رہا ہے۔ تو شرک کا ذکر کہاں آیا؟ شرک کا ذکر تب آئے گا جب آپ کو پتہ چلے گا کہ شرک ہو رہا ہے۔ بلانے والے کا مقصد شرک ہو نہیں سکتا' جانے والے کا مقصد شرک نہیں ہے کیونکہ وہ اُسے ولی اللہ کہہ رہا ہے۔ پھر شرک کا لفظ کہاں سے آیا؟ یہ کسی روکنے والے نے بتایا ہے کہ وہاں نہ جاؤ' یہ شرک ہے۔ اب روکنے والا جب آپ کو شرک کا بتا رہا ہے تو روکنے والے سے آپ کا کیا واسطہ۔ کل کو یہ روکنے والا کہے گا کہ ماں باپ سے محبت شرک ہے تو کیا یہ چھوڑ دو گے۔ تو نہ بلانے والا شرک کا کہتا ہے اور نہ جانے والا شرک کے لیے جاتا ہے تو اب فیصلہ کیا ہوا؟ جانے والے کی جو نیت ہے وہی نتیجہ ہے۔ شرک کے لیے اگر جاؤ گے تو شرک ہی ملے گا اور ایمان کے لیے جاؤ گے تو ایمان ملے گا۔ اب آپ بتائیں کہ آپ وہاں کیوں جاتے ہیں؟ فیض حاصل کرنے کے لیے جاتے ہیں' شرک کے لیے تو نہیں۔ پھر وہ مسافر جو ایمان کا مسافر ہے' جو شرک کے لیے نہیں

جار ہا' اگر وہ بت خانے میں جائے گا تب بھی شرک نہیں کرے گا۔ تو کیا کہا میں نے؟ ایمان کا مسافر شرک میں نہیں پہنچے گا۔ اگر آپ مشرکانہ آرزو لے کے جاتے ہو' تو پھر آپ گھر سے ہی مشرک ہیں اور اگر ایمان کی آرزو لے کے جاتے ہیں تو جہاں بھی جاتے ہیں یہ شرک نہیں ہے۔ تو ایمان داری کے ساتھ اپنے دل سے پوچھیں کہ آپ کے اندر کیا شرک کی تمنا ہے' کیا آپ ولی اللہ کے پاس خدا کا متبادل ڈھونڈنے گئے تھے؟ اگر ایسا ہے تو پھر شرک ہی شرک ہے۔ اگر خدا کی راہ کی تلاش میں جا رہے ہیں تو شرک نہیں ہے۔ تو شرک کب ہوتا ہے؟ جب آرزو دنیا کی ہو۔ اور ایمان کب ہوتا ہے؟ جب آخرت کی آرزو ہو۔ شرک کب ہوتا ہے؟ جب انسان کی تمنا ہو۔ اور ایمان کب ہوتا ہے؟ جب رحمان کی تمنا ہو۔ اگر آپ ولی سے دنیا کی آرزو کے لیے' کچھ لینے کے لیے جا رہے ہو تو یہ شرک ہے۔ آسان سی بات سمجھ لو' اگر دینے کے لیے جا رہے ہو تو یہ ایمان ہے اور لینے کے لیے جا رہے ہو تو یہ شرک ہے۔ کیونکہ دنیا دار جو ہے وہ آرزو رکھتا ہے اور اگر آپ آرزو سے نجات چاہتے ہو تو یہ شرک نہیں ہو سکتا۔ تو یہ شرک کا لفظ کہاں سے آیا؟ ان لوگوں سے جو عبادت کو ہی مفہومِ عبادت کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً نماز عبادت ہے اور نماز کے اندر ہی شرک کا ڈر ہو کہ کہیں اللہ کی نماز میں انسان کا خیال نہ آ جائے۔ اس طرح تو نماز میں شرک ہو جائے گا۔ اب آپ نماز کا ترجمہ دیکھو تو سارا ہی غیر خیال ہے۔ نماز میں آپ دعا کرتے ہیں کہ میرے ماں باپ کی خیر ہو۔ جب آپ ماں باپ کا نام لیں گے تو ان کی شکل بھی سامنے آئے گی۔ پھر کہیں گے کہ میری اولاد پر رحم فرما۔ تو اولاد کی شکل سامنے آئے گی۔ پھر حضور پاک ﷺ اور ان کی آل کا نام آئے تو آل کی کوئی شکل آئے گی کہ نہیں آئے گی۔

پھر ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کا نام آئے گا۔ عباد الصالحین کا ذکر بھی آئے گا۔ انعمت علیھم والے لوگوں کا ذکر بھی آئے گا اور ولا الضالین والوں کا نام بھی آئے گا۔ تو یہ اللہ کے علاوہ' سارے بندے ہی بندے ہیں۔ تو یہ شرک کیسے ہو گا۔ یہ جس شرک کی بات کر رہے ہیں یہ بدنیتی کا نام ہے۔ ایمان والا تو شرک نہیں کر سکتا۔ شرک تو ہو ہی نہیں سکتا۔ شرک تو ہے ہی نہیں۔ شرک کا معنٰی ہے اللہ کے علاوہ کوئی اور اللہ بنانا۔ آپ کو تو پہلا اللہ سمجھ نہیں آیا تو پھر نیا اللہ کیسے بناؤ گے۔ نیا اللہ بنانا بڑا مشکل ہے۔ اللہ کے مقابلے میں ایک ایسا اللہ چاہیے جو ہر آغاز سے پہلے ہو' ہر انجام کے بعد ہو' جو ظاہر بھی ہو اور باطن بھی ہو' نظر میں بھی رہے اور نظر نہ بھی آئے' رزق تم دفتر سے لو اور کہو کہ اللہ نے دیا ہے...... تو ایک اور اللہ کیسے بنا سکتے ہو۔ آپ جتنا تلاش کر لو نہیں ڈھونڈ سکتے۔ آپ اگر کوشش بھی کر لو تو بھی شرک نہیں ہو سکتا۔ شرک ہے ہی نہیں۔ شرک کا معنٰی دو رب بنانا۔ دو رب ہو ہی نہیں سکتے' دو ہوتے تو آپس میں فیصلہ کرتے' دو رب ہوتے تو جھگڑا ہوتا کہ کس کی بات چلے گی' پھر ایک خالق ہوتا اور دوسرا اس کا تابعدار ہوتا' مخلوق ہوتا۔ اس لیے شرک تو ہوتا ہی نہیں ہے۔ اللہ سے شرک نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ حضور پاک ﷺ کی ذات کے بارے میں' آپ ﷺ کے کہے ہوئے کے مقابلے میں کسی اور کی کہی ہوئی بات تلاش کریں گے تو وہ شرک ہو گا۔ تو اللہ کا تو شرک ہو نہیں سکتا۔ جب اللہ کہتا ہے کہ شرک نہ کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے حبیب ﷺ کی بات پر کسی اور بات کو مقابلے میں نہ لے آؤ۔ آپ لوگ نماز میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی مجھے اپنی راہ دکھا یعنی اپنے ان بندوں کی راہ دکھا جن پر تیرا فضل ہوا۔ کسی آدمی سے والہانہ محبت جو ہے وہ شرک ہونی چاہیے کیونکہ محبت اللہ سے ہونی

چاہیے لیکن اللہ سے محبت‘ اللہ کے محبوب ﷺ سے محبت اور اللہ کے محبوبؐ کے محبوبوں سے محبت تو شرک نہیں ہے۔ پھر شرک کیا ہے؟ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی صفات میں کسی کو شریک نہ کریں۔ اگر آپ اللہ کو رحمان کہتے ہیں تو کوئی بندہ آپ کے لیے رحمٰن ہوتا ہے‘ اللہ خالق ہے اور آپ روز دیکھتے ہیں کہ بندہ تخلیق کرتا ہے۔ ذات میں کوئی شامل نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ ذات وحدہٗ لاشریک ہے۔ اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کی دو صفات بتائی ہیں‘ رؤف اور رحیم اور اللہ خود رؤف بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ پھر شرک کیا ہوا؟ وہ لوگ جو اسلام کو Complicated بنانا چاہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ شرک ہے‘ جو لوگ حضور پاک ﷺ کی محبت کو کم کرنا چاہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ شرک ہے۔ یہ درمیان میں بغض والا ایک ٹولہ ہے‘ یہ عمل والے اور محبت والے لوگوں کو اس راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں‘ عشق کے راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ تو شرک نہیں ہوسکتا۔ شرک والی بات ایسے ہی بنائی گئی ہے۔ جس شرک کا وہ لوگ ذکر کرتے ہیں اس پر تو کوئی عبادت نہیں ہوسکتی۔ کہتے ہیں جس کو حضور پاک ﷺ کا تصور آجائے اس کی نماز فاسد ہوگئی‘ ختم ہوگئی۔ حالانکہ جس کو حضور پاک ﷺ کا تصور نہیں آئے گا اس کی زندگی حرام ہے۔ اس لیے ان کو شرک کا وہم ہے۔ پہلے یہ لوگ آپ کو شرک سے ڈرائیں گے پھر کہیں گے کہ اللہ نے خود فرمایا ہے کہ حضور پاک ﷺ بشر ہیں‘ تمہارے جیسے ہیں‘ انا بشر مثلکم جب کہ آپؐ کا صرف نام ہے اور وہ ہمارا کلمہ ہے۔ تو وہ ہماری طرح کیسے ہوسکتے ہیں۔ اللہ کہتا ہے میں خود درود بھیجتا ہوں‘ تم بھی درود بھیجو...... تو آپؐ ہماری طرح کیسے ہوگئے۔ تو یہ ”ہماری طرح“ والی بات کوئی اور ہے۔ اس لیے شرک کا تصور نہ جاننے والے کا اندازہ ہے‘ اس کا اپنا ہی خوف ہے اور یہ

روکنے والوں کا قصہ ہے۔ تو آپ کے سوال کا جواب یہ ہوا کہ مزار پر جانا شرک نہیں ہے اور وہاں جا کے دعا کیا مانگنی چاہیے کہ دعا شرک نہ ہو جائے؟ اللہ سے آپ کیا مانگتے ہیں؟ کہ دنیا بھی دے دے اور آخرت بھی دے دے۔ ولی اللہ سے جا کے کیا مانگتے ہیں؟ وہاں آپ شرک کے لیے تو نہیں جاتے' پھر کیا مانگتے ہیں؟ اکثر لوگوں کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ مزار پہ کیوں جاتے ہیں۔ کیونکہ باقی سارے ادھر چل پڑتے ہیں اس لیے آپ بھی چل پڑتے ہیں' یہ پتہ نہیں ہوتا کہ کس لیے جا رہے ہیں۔ بزرگان دین کے پاس جانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس راستے پر' اللہ کے راستے پر چلنا ہے اور محبت سے چلنا ہے' بزرگوں سے اللہ کا راستہ مانگا جاتا ہے اور اللہ کے محبوب ﷺ کی محبت کے ساتھ مانگا جاتا ہے۔ بزرگ سے بزرگ کا راستہ مانگا جاتا ہے' اس کا انداز مانگا جاتا ہے اور اس کا فکر مانگا جاتا ہے۔ اپنی آرزو تو آپ خود ہی پوری کرو' اس کی کیا دعا مانگنی ہے۔ اگر بیٹا پیدا نہ ہوا تو بیٹی تو ضرور پیدا ہو گی۔ اس کی دعا کیا مانگنی ہے اور کیا سوال کرنا ہے۔ کیا اَن پڑھ کے گھر بیٹی نہیں ہوتی یا بیٹا نہیں ہوتا۔ جو کافر ہوتے ہیں وہ عبادت نہیں کرتے تو کیا ان کے ہاں بیٹا' بیٹی نہیں ہوتے۔ روز ہی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جو بات روٹین کی ہے اس کو بھی آپ نے عبادت بنا لیا ہے۔ جاپان والے کافر ہیں اور اتنی شاندار کاریں' ٹویوٹا کار بناتے ہیں اور تم کلمہ پڑھ پڑھ کے تھک گئے لیکن ٹویوٹا نہیں بنا سکتے۔ تو یہ بات تو نہ کرو۔ جو چیز وہ لوگ روٹین میں لے لیتے ہیں' کافر ہو کے جو حاصل کر رہے ہیں وہ چیز آپ ایمان کے ذریعے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے دس نمازیں پڑھ لی ہیں لیکن ابھی تک موٹر سائیکل نہیں ملی۔ تو موٹر سائیکل اور نماز تو الگ چیز ہے۔ اس لیے نماز سے وہ بات

مانگو کہ جس ذات کی آپ نماز پڑھ رہے ہو اس کو آپ کے مانگنے سے خوشی ہو۔ تو اللہ سے وہ بات مانگو جو مانگنے پر اللہ بھی خوش ہو۔ وہ کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ کے محبوب ﷺ کی محبت۔ اس سے اللہ بہت خوش ہو گا۔ اللہ کے محبوبؐ سے کیا مانگو؟ اللہ کا راستہ۔ اس طرح آپؐ خوش ہوں گے۔ اللہ سے اللہ کے محبوبؐ کی محبت مانگو اور اللہ کے محبوبؐ سے اللہ کی محبت مانگو۔ پھر مسئلہ حل ہو جائے گا...... بات سمجھ آئی آپ کو؟ دنیا خود کماؤ، محنت کرو۔ دعا کو ہر جگہ استعمال نہ کرو کہ اگر پین گم ہو گیا تو دعا ہی مانگتے جا رہے ہو۔ بازار سے نیا خرید لو یا کسی سے لے کے لکھ لو۔ اس لیے آپ سوچو کہ آپ کہتے کیا ہیں ......

سوال:

میں نے لوگوں کو مزار پر سجدہ کرتے دیکھا ہے۔

جواب:

یہ شرک ہے۔ دوسرے کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے شرک کیا ہے، آپ نہیں کر سکتے۔ اگر آپ لوگ اپنا سفر دیکھیں تو وہ شرک نہیں ہے اور دوسرے کو دیکھیں گے تو وہ شرک نظر آئے گا۔ آپ فتویٰ دینا چھوڑ دو۔ اپنے سفر کا آپ خود جائزہ لیں۔ سوال آپ کا ہو اور جواب بھی آپ کا ہو۔ دوسرا جو کر رہا ہو گا وہ شرک نظر آئے گا۔ پتہ نہیں اس کی کیا نیت ہے۔ آپ اپنی بات کریں۔ آپ بتائیں کہ جب آپ کسی مزار پر جاتے ہیں تو کیا شرک کے لیے جاتے ہیں۔ آپ ایسا نہیں کرتے۔ تو آپ کا مسئلہ تو حل ہو گیا۔ وہاں جو شخص کچھ کر رہا تھا تو اس سے پوچھو تو سہی کہ وہ کیا کر رہا تھا۔ تو دوسروں سے متعلق یہ نہ سوچتے رہا کرو کہ وہ کیا کر رہا ہے، وہ کدھر جا رہا ہے، وہ کہاں سے آ رہا ہے، اس کا دل کیا ہے اور اس کی نیت

کیا ہے۔ تجھے اس سے کیا غرض ہے تو اپنی توڑ نبھا۔ آپ کسی کو مشرک نہ کہا کرو۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو مسلمان ہی کہا کریں۔ آدھے مسلمان باقی کے آدھے مسلمانوں کو کافر کہتے جا رہے ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ خرابی ہوتی جا رہی ہے۔ اس بات کو چھوڑ دو۔ پھر مسئلہ حل ہو جائے گا۔

سوال:

صحابہ کرام کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حالانکہ اللہ تو پہلے ہی ان سے راضی ہے......

جواب:

یہ اس طرح ہے جس طرح آپ کہتے ہیں کہ اے اللہ اپنے حبیب پاک ﷺ کے درجات میں اضافہ کر۔ حالانکہ ان کے درجات میں تو پہلے ہی بہت اضافہ ہے۔ تو آپ پھر بھی کہتے ہیں۔ اللہ تو راضی ہے ان سے۔ اب آپ سے جو کہا گیا کہ ایسے کہا کرو تو آپ وہ مانتے چلے جائیں۔ بچپن سے بڑھاپے تک آپ اللہ سے کہتے جا رہے ہیں کہ یا اللہ سیدھا راستہ دکھا' تو کیا ابھی تک راستہ نہیں ملا؟ راستہ تو ملا ہے پھر بھی آپ کہتے جا رہے ہیں۔ بس یہ کہتے ہی جائیں۔ اگر کل پانچ نمازیں پڑھیں تھیں تو یہ نہ کہنا کہ آج پھر پانچ نمازیں پڑھنی پڑ گئیں ہیں...... بس آپ پڑھتے ہی جائیں۔ یہ نہ کہنا کہ پانچ کی بجائے چھ نمازیں کیوں ہیں' نماز اس طرح کیوں پڑھی جاتی ہے ...... بس آپ نماز پڑھتے جاؤ' جو کچھ کہا گیا وہ کرتے جاؤ۔ اگر ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کہا گیا تو آپ بھی کہیں اور ضرور کہیں' کیونکہ اللہ نے کہا کہ میں راضی ہوں تو آپ بھی کہیں کہ اللہ راضی رہے۔ اس میں کوئی دِقت والی بات نہیں۔ ہم روز ہی کہتے ہیں کہ یا اللہ ہم پر رحم

فرما ...... تو آپ روز ہی کہتے جائیں کہ یا اللہ ہم پر رحم فرما۔ روز ہی کہو یا اللہ اپنی راہ دکھا' چاہے راہ نظر آ جائے پھر بھی کہو کہ راہ دکھا...... اس طرح کا سوال دراصل ایک Objection ہوتا' آپ بلاوجہ کا تکلف کرتے ہیں' پریشان ہوتے ہیں۔ لوگ کوئی نہ کوئی وجہ ڈھونڈتے ہیں تا کہ نماز سے بچ جائیں' ایسی وجہ ڈھونڈتے ہیں کہ سارے لوگ کافر ثابت ہو جائیں تو وہ خود آزاد ہو جائیں۔ مگر یہ کبھی نہیں ہوگا۔ تو آپ بچنا چاہتے ہیں اور بھاگنا چاہتے ہیں' کوئی ایسی چیز مل جائے جس کے پیچھے چھپ جائیں تا کہ اللہ سے بچ جائیں۔ تو یہ نہیں ہوسکتا۔ جب تک موت آپ کے پیچھے لگی ہوئی ہے اس وقت تک آپ بچ نہیں سکتے۔ جب آپ موت سے بچ گئے تو پھر اللہ سے بچ جائیں گے مگر موت سے بچ نہیں سکتے۔ اللہ سے وہ بندہ کیسے بچے گا جو مرنے والا ہو' رونے والا بندہ اللہ سے کیسے بچے گا' جو پیدا ہوا ہے وہ موت سے کیسے بچے گا۔ مسلمان جو ہے وہ اسلام سے نکل نہیں سکتا کہ وہ کافر ہو کے بچ جائے ...... مگر نہیں ...... کافر پہلے ہی عذاب میں جائے گا۔

سوال:

میرا عقیدہ ہے کہ نبی پاکؐ حاضر و ناظر ہیں اور وہ ہماری ہر بات سنتے ہیں' نماز میں بھی ان کا تصور آ جاتا ہے۔ کیا یہ شرک تو نہیں ہے؟

جواب:

ایک بات یاد رکھو کہ علم' بحث کرے گا اور عمل' خاموش رہے گا۔ اب یہ کچا اور کمزور علم ہے کہ اگر اللہ کو یاد کریں گے تو حضور پاکؐ ناراض تو نہیں ہو جائیں گے اور حضور پاک ﷺ کو یاد کریں گے تو اللہ ناراض تو نہیں ہو جائے گا۔

اگر تم حضور پاک ﷺ کو یاد رکھو گے تو اللہ راضی ہو جائے گا۔ یہ عمل کی بات ہے اور آپ یہ کرتے چلے جائیں۔ بحث جو ہے یہ عمل سے بچنے کا نام ہے۔ آپ اگر ذکر کرنا چاہتے ہو تو کرو۔ جب ہر وقت درود شریف پڑھو گے تو درود شریف بھی آئے گا اور تصور بھی آئے گا۔ اللہ کی نماز پڑھو اور حضور پاک ﷺ پر درود شریف بھیجو' اللہ کی نماز کے اندر اللہ کے حبیبؐ پر درود بھیجو' تو یہ شرک کس بات کا۔ تو میں یہ بتا رہا ہوں کہ یہ شرک نہیں ہوتا۔ شرک' صرف بحث ہوتی ہے' عمل شرک نہیں ہوتا۔ جانا آپ نے اللہ کے پاس ہے۔ اور آپ اللہ سے بچ نہیں سکتے۔ یہ تو بڑی Non-sense بات ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے نماز اس لیے نہیں پڑھی کہ شرک کا ڈر تھا' اس میں اللہ کے حبیبؐ کے ذکر کے وقت ان کا تصور آ جاتا' کہیں اللہ مائنڈ نہ کر جائے۔ تو آپ نماز پڑھتے جائیں' اللہ مائنڈ نہیں کرتا۔ بس آپ چلتے چلے جائیں۔ آپ کو اللہ کا تصور سمجھ نہیں آتا تو اللہ کے حبیبؐ کا تصور کیسے سمجھ آئے گا۔ لوگوں کی بحث کا نام ہے شرک اور عمل کرنے والا عمل کرتا جائے گا' وہ بات نہیں کرتا بلکہ عمل کرتا جاتا ہے۔ تو آپ عمل کرتے جائیں۔ یہ شرک نہیں ہوگا۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے لیے بڑا حوصلہ چاہیے جو کہ آپ کے پاس نہیں ہو سکتا' اس کے لیے بڑی گمراہی چاہیے' متبادل اللہ بنانا ناممکن ہے۔ اس لیے شرک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ تو خالق ہے اور خالق کے مقابلے میں مخلوق کو خدا کیسے بنایا جا سکتا ہے' یہ شرک کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ ناممکن ہے۔

سوال:

کیا جو لوگ تعویذ گنڈا کرتے ہیں وہ صحیح ہے؟

جواب:

کیا آپ کروانا چاہتے ہیں یا لوگوں کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟ ایمان داری سے بتانا۔ آپ اگر نہیں کرنا چاہتے تو نہ کریں۔ لوگوں کی بات چھوڑ دیں۔ لوگوں کی اگر اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو مت کریں۔ بڑے بڑے لوگ ایسی اصلاح کرنے پہ آئے مگر ان سے نہیں ہوئی۔ تو آپ رہنے دیں۔ لوگوں سے نہ اُلجھنا۔ ان سے یہ نہ کہنا کہ تم تعویز کیوں کراتے ہو، تم تعویز لکھتے کیوں ہو، تم دیتے کیوں ہو ...... تو آپ اپنی بات کریں۔ اگر آپ کو تکلیف نہ آئے تو یہ اچھی بات ہے۔ جس کو تکلیف ہوتی ہے اس سے پوچھو کہ خدا جانے اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ ایسی ایسی تکلیف آ جاتی ہے کہ بس۔ یہاں پر آپ خاموش ہی رہو۔ اگر آپ تعویز نہیں لیتے تو مت لو، یہ بہتر ہے۔ باقی یہ کہ اس کا جواز ہے، اس کا عقیدہ ہے، اس سلسلے کے لوگ ہیں جو گرہ لگاتے ہیں، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں، **من شر النفثت فی العقد**...... آپ یہ بات رہنے دو، چھوڑ دو اور دعا کرو کہ یا اللہ ہمیں اپنا راستہ آسانی سے طے کرنے کی توفیق عطا فرما۔ لوگوں پر اعتراض چھوڑ دو۔ آدھی دنیا باقی کی آدھی دنیا پہ اعتراض کر رہی ہے۔ ایسا آدمی سوچتا رہتا ہے کہ میں کسی پہ اعتراض کیا کروں، اس آدمی کا کہنا مجھے ماننا پڑتا ہے لہٰذا اس کی کوئی غلطی نکالنی چاہیے ...... تو وہ کہے گا کہ یہ تو تعویز کرتا ہے۔ دنیا کو اس کے راستے پر جانے دو اور تم سنبھل جاؤ، اپنی جان بچاؤ...... تمہارے لیے یہ بہتر ہے۔ تو آپ وہ سوال کریں جس کے جواب سے آپ کا عمل بدلے، جس کے جواب سے آپ کو کیفیت ملے۔ تو وہ سوال کرو۔ لوگوں کے بارے میں مت سوچو۔ اس طرح آپ وقت ضائع کر بیٹھو گے۔ تم اکیلے ہو اور لوگ تو پوری

کائنات ہیں، تو اُن کے بارے میں کیا سوچو گے۔ یہ اللہ کے اپنے کام ہیں کہ آپ رہتے سماج میں ہیں اور جواب دہی اللہ کے ہاں اکیلے کی ہوگی۔ یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہارے گروپ کا کیا حال ہے۔ پوچھا یہ جائے گا کہ اے نور دین اور اے جمال دین تم لوگ اپنا اپنا حساب بتاؤ۔ تو اپنا اپنا حساب پوچھا جائے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ کسی گروپ میں آپ شامل ہو جائیں اور جو گروپ کا حال ہوگا وہ آپ کا ہوگا۔ ایسا نہیں ہوگا۔ اس لیے بات کو سمجھو کہ اکیلے اکیلے کا حساب ہو گا۔ رہنا اکٹھے ہے اور جواب دہ الگ الگ ہونا ہے...... تو آپ وہ سوال کریں جس سے آپ کی الگ الگ جواب دہی متاثر ہو۔ تو ایسا سوال کریں...... •

سوال:

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ ایک ایسا مقام بھی ہوتا ہے کہ دعا نہ کیا کریں......

جواب:

دعا مانگنے والی بات بندے اور رب کے درمیان ہے اور بندے کے دل میں جو خیال آتا ہے وہ اللہ کو معلوم ہوتا ہے۔ تو بندے کے دل میں پیدا ہونے والے خیال سے اللہ آشنا ہے۔ اب مانگنے کی کیا بات ہے۔ مسنون بات یہ ہے کہ دعا مانگا کرو اور آپ ضرور مانگا کرو۔ ایک مرتبہ یہ بات پوچھی گئی تھی کہ کیا ایسا واقعہ کبھی ہوا ہے کہ دعا مانگی گئی ہو اور منظور نہ ہوئی ہو۔ تو ایسی کئی دعائیں ہوتی ہیں۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ اللہ کے طالب جو لوگ ہیں وہ دعا پر اصرار نہیں کرتے۔ دعا، مانگنا ہے اور رضا، دینا ہے۔ صاحبانِ رضا مانگتے نہیں ہیں۔ اللہ پر جو لوگ راضی ہوتے ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ یا اللہ اس مصیبت کو ہم سے ٹال، یہ کیا کربلا

ہمارے اوپر نازل ہوگئی ہے۔ وہ کبھی یہ نہیں کہیں گے۔ اوران صاحبان کے نام سے آپ دعائیں مانگتے ہیں۔ تو جن کے نام سے آپ دعائیں مانگتے ہیں وہ کبھی یہ دعا نہیں مانگتے کہ یااللہ یہ مصیبت ٹال۔ وہ کہتے ہیں اللہ بہتر کر رہا ہے جو کچھ کر رہا ہے۔ تو وہ لوگ جب دعا مانگتے ہیں تو جمیع کے لیے مانگتے ہیں کہ یااللہ سب کی مشکلات آسان کر' اس اُمت پر رحم فرما' ہمارے لوگوں پر رحم فرما' ہمارے ساتھیوں پر رحم فرما' مسلمانوں پر رحم فرما...... وہ یہ نہیں کہتے کہ مجھ سے یہ مشکل ٹال۔ مشکل تو اُن کا درجہ ہے۔ ہم لوگ روتے ہیں کہ کربلا میں بڑا ظلم ہوا اور اگر وہاں پر حضرت امام عالی مقامؓ دعا کرتے تو وہ بلا ٹل جاتی۔ آپ لوگ جو مسلمان ہیں کیا آپ کا یہ یقین نہیں ہے کہ امامؓ کی مانگی ہوئی دعا منظور ہوگی۔ یہ ہم سب کا یقین ہے۔ کیا امامؓ نے مصیبت ٹلنے کی دعا مانگی؟ دعا جب بھی مانگے گا Follower مانگے گا اور امام جو ہیں وہ رضا پر رہیں گے۔ کیا آپ لوگ علیؓ کو مشکل کشا مانتے ہیں؟ تو اُن پر تو مشکلات ہی مشکلات تھیں۔ پھر مشکل کشائی کیا ہے؟ آپؓ خود شہید' اولاد شہید' ان کے ماننے والے ہمیشہ شہید...... تو اسی کا نام ہے مشکل کشائی۔ تو آپ اللہ کو پریشان نہ کریں' روز Reminder نہ بھیج دیا کرو کہ فلاں کام نہیں ہوا' موٹر سائیکل گم ہوگئی ہے اور ابھی تک نہیں ملی ...... تو آپ قبول کرو' اللہ کی طرف سے آنے والا قبول کرو۔ امام وہ ہوتا ہے' ولی وہ ہوتا ہے' اچھا بندہ وہ ہوتا ہے جو یہ کہے کہ جو اللہ کی رضا ہے وہ قبول' میری رضا وہ ہے جو تیری رضا ہے' ہمیں وہ قبول ہے' جو واقعہ ہوا ہے یہ قبول' موت آ گئی ہے تو یہ بھی قبول......

پیر پیغمبر ولی درویش مردانِ خدا
موت کی وادی سے گذرے ہیں بہ تسلیم و رضا

تو تسلیم و رضا ان کا شیوہ ہے۔ جس کا شیوہ تسلیم و رضا ہے وہ اللہ سے کیا مانگے گا۔ پھر مانگنا کیا ہے...... مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے فیصلے اور اللہ کے فیصلے میں فرق...... تو آپ کب مانگتے ہیں؟ جب آپ کے فیصلے اور اللہ کے فیصلے میں فرق آ جائے۔ اگر اللہ نے کوئی مشکل ڈال دی تو انسان آسانی چاہتا ہے اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے۔ اگر جو اللہ کر رہا ہے وہ ہم بھی کریں تو پھر کوئی مشکل نہیں ہے۔ اس لیے میں نے پہلے بھی آپ کو بتایا تھا کہ اللہ کے بندے وہ ہوتے ہیں جن کو اگر یہ کائنات دو دن کے لیے مکمل اختیار کے ساتھ مل جائے تو دو دن کے بعد وہ کائنات کو جوں کا توں واپس لوٹا دیں۔ اللہ کہے کہ اس میں کوئی تبدیلی کی ہے؟ تو وہ کہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ یہ ہے رضا۔ صاحبِ اختیار ہونے کے باوجود وہ اسے Change نہ کرے۔ تو مشکل کشا وہ ہے جو مشکل قبول کرے، لوگوں کی مشکل دور کرے اور اپنے لیے مشکل قبول کرے۔ تو یہ مشکل کشا ہوتا ہے۔ تو اللہ کی طرف سے جو کچھ آ رہا ہوتا ہے وہ اپنے لیے قبول کرتے ہیں، اپنے لیے دعا نہیں کرتے اور لوگوں کی مشکل حل کرتے ہیں۔

اب آپ لوگ اور سوال کریں...... بولیں...... بولنے کا نام ہی زندگی ہے، پھر تو یہ انسان ہے، چپ کر جاتا ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے...... تو بولیں......

سوال:

ہم اپنے لیے اور معاشرے کے لیے جو نیکی کرتے ہیں وہ اکثر کامیاب نہیں ہوتی ......

جواب:

یہ بات سمجھ لیں کہ انسان اپنے لیے مقصد یا مقاصد چنتا ہے' پروگرام بناتا ہے' کہ یہ کرلیا جائے' یہ ہو جائے' یہ واقعات کرنے ہیں......اور حوالہ بالعموم اچھائی کا ہوتا ہے کہ میں یہ جو کام کر رہا ہوں یہ اچھا کام ہے' مجھے یہ کرنا چاہیے۔ اب اس میں غور والی بات یہ ہے کہ بعض اوقات مقصد کامیاب ہو جاتا ہے اور انسان ناکام ہو جاتا ہے۔ یہ عام لوگوں کی بات نہے کہ مقصد تو کامیاب ہو گیا مگر جنرل لائف ناکام ہو گئی۔ مثال کے طور پر چوری کا منصوبہ کامیاب ہو گیا اور کردار ناکام ہو گیا' گناہ کامیاب ہو گیا اور بندہ ناکام ہو گیا' ساری زندگی کے اندر جتنے جرائم ہیں وہ کامیاب ہونے کا نام ہے۔ لہٰذا کامیابی جو ہے اس پر انسان کا دارومدار نہیں ہے بلکہ انسان کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ واقعہ جو اللہ کی رضا کے لیے ہو اور اللہ کی راہ کے لیے ہو۔ ورنہ تو انسان منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ اس لیے دعا یہ ہونی چاہیے کہ یا اللہ اگر یہ کام میری عاقبت کے لیے' میری زندگی کے لیے بہتر ہے تو یہ کامیاب کر دے اور اگر یہ بہتر نہیں ہے تو اس کام کو مجھ سے دور کر اور مجھے اس کام سے دور کر' اور میرے لیے جو متبادل نیکی ہے وہ مقرر فرما اور اس پر مجھے راضی رہنے کی توفیق عطا فرما۔ اگر آپ یہ دعا کرتے رہیں تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔ پھر آپ کا کام ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ کامیابی کو تلاش نہ کرنا بلکہ صحتِ مقصد تلاش کرنا۔ صحتِ مقصد کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا مقصد صحیح ہو' پھر اگر کامیاب ہو گئے تو بھی نیکی ہے اور کامیاب نہ ہوئے تو بھی نیکی ہے۔ تو غلط مقصد میں کامیابی بھی غلط ہے۔ اس لیے دعا یہ کرو کہ نیک مقصد کی کامیابی جو ہے وہ کامیاب ہو جائے۔ یہ بھی دعا کرو کہ جو ہمارے چھوٹے

چھوٹے مقاصد ہیں یہ بھی کامیاب ہونے چاہییں۔تو یہ کامیابی بھی آپ حاصل کرلیا کریں۔اصل کامیابی نیک مقصد کی کامیابی ہے عام مقصد کی کامیابی میں غلط مقصد بھی شامل ہوسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کو آسانیاں عطا فرمائے جو کہ اس کی راہ پر چلنے والا ہے اور جو اللہ کی راہ پر چلنے والوں کو رکاوٹ ڈالتا ہو اللہ اسے کامیابی نہ دے۔جو نیک بندوں کی راہ میں رکاوٹ ڈالتا ہے' جو ایمان کی راہ میں رکاوٹ ڈالتا ہے' جو ایمان والوں کی راہ میں رکاوٹ ڈالتا ہے اور جو دین کی خدمت کی راہ میں رکاوٹ ڈالتا ہے' اللہ اسے کامیابی نہ دے۔اب یہ تو نہ ہو کہ مسجد بنانے والا بھی کامیاب ہو جائے اور مسجد گرانے والا بھی کامیاب ہو۔ یہ تو گڑ بڑ ہو جائے گی۔یا اللہ نیک بندوں کو آسانیاں عطا فرما' اپنے بندوں کو آسانیاں عطا فرما اور ان لوگوں کی آسانیاں روکنے والوں کو تُو خود روک دے۔ یہ مہربانی فرماتا کہ مسئلہ آسان ہو جائے۔انشاءاللہ تعالیٰ یہ جلد ہی آسان ہو جائے گا۔

سوال:

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایک ہنر دے کر بھیجا ہے۔اس ہنر کو تلاش کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:

ایک شعر سن لو' یہ حضرت بیدم وارثیؒ کا شعر ہے کہ

ہر اہلِ کمال آتا ہے لے کر کمال
بیدم آیا ہے بے کمالی لے کر

یہ وہی بیدم وارثیؒ ہیں جنہوں نے یہ کہا تھا

آئی نسیم از کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کھچنے لگا دل سوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تو کہتے ہیں کہ یہ ہمارا کمال ہے' کہ بے ہُنر ہونا ہی ہمارا کمال ہے۔ اگر ہُنر دریافت ہوتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ بے ہُنر ہی رہو اور پرواہ نہ کرو۔ بس نیت صاف ہونی چاہیے ہُنر بدلتے رہتے ہیں۔ جوانی کے ہُنر اور ہیں اور بڑھاپے کے ہُنر اور ہیں۔ نیت کا راستہ' ڈائریکشن اور رُخ ٹھیک ہونا چاہیے۔ انسان میں اطاعت کا ہُنر ہونا چاہیے۔ کس کی اطاعت؟ اللہ کی۔ اور اگر اللہ کی سمجھ نہیں آتی تو ماں باپ کی اطاعت کرو۔ یہ تو سمجھ آتی ہے ناں۔ جب ماں باپ زندہ ہوں اور آپ نے ان کی اطاعت نہ کی تو پھر ان کی قبروں پر چراغ جلایا تو کیا جلایا۔ اس لیے اب ماں باپ کی اطاعت کر لو۔ یہ Best بات ہے۔ استاد کی اطاعت کرو' بزرگوں کی اطاعت کرو اور پھر اللہ کے رسول ؐ کی اطاعت کرو۔ جو قریب کے بزرگ ہیں ان کی اطاعت کر لو۔ چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی کا کہنا مان لے۔ اگر اپنے پیر فقیر کا کہنا مانتے ہو تو وہ مانتے چلے جاؤ۔ بس اطاعت کی عادت پڑ جائے۔ یہ ہُنر ہوتا ہے۔ کیا ہُنر ہوتا ہے؟ Follow کرنا اور قدم بہ قدم Follow کرنا۔ یہ اطاعت ہوتی ہے۔ یہ بڑا ہُنر ہے۔ باقی جو ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہُنر عطا کیا ہے اُسے دریافت کرنا چاہیے۔ مگر آپ نے کیا دریافت کرنا ہے' ہُنر تو خود سینہ پھاڑ کے بولے گا۔ جس کے گلے میں گانا ڈالا گیا ہے وہ خود بخود گائے گا' اُسے ایسی ٹھیس لگے گی کہ وہ روئے گا اور اس طرح گانا بن جائے گا۔ تو گانا جو ہمیشہ گانے والوں نے گایا' ایسا کبھی نہیں ہوا کہ گلے میں آ کے چلا گیا ہو' جب گلے میں آیا تو زبان سے ضرور نکلے گا۔ اگر ہُنر رونا ہے تو وہ ضرور روئے گا

ہاتھ میں اگر تصویر کا فن ہے تو تصویر بھی بولے گی۔ فن ظاہر ہو کے رہتا ہے۔ یہ کہیں نہیں جاتا' Undiscovered نہیں جاتا۔ آپ مت کوشش کریں' ایک عمر کے بعد یہ خود بخود ہی ظاہر ہو جائے گا۔

سوال:

کیا دوسرے انسانوں کو اپنے سے بہتر سمجھنا چاہیے؟

جواب:

آپ بہتر انسان کو بہتر سمجھیں۔ اپنے آپ کو غریب ترین اور کم ترین کہنا بھی توہین ہے۔ یہ اس کے سامنے کہو جہاں کہنا چاہیے اور یہ ہر ایک کے سامنے مت کہو۔ تو جو بہتر ہے اس کو بہتر کہو اور جو کمزور ہے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

سوال:

وسوسے' لالچ اور برائی سے کیسے بچا جائے؟

جواب:

پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ سنگت بدلیں' دوست بدلیں' ساتھی بدلیں۔ آپ اپنے رشتے دار تو نہیں بدل سکتے مگر کم از کم اپنے دوست احباب بدل سکتے ہیں۔ اپنی نشست و برخاست بدلو۔ اس سے سارا واقعہ بدل جائے گا۔ پھر یہ کہ بیعت ضرور کرو اور اطاعت سیکھو' رضا سیکھو۔ پھر تزکیہ ہو جائے گا اور لالچ نکل جائے گی۔ لالچ نکل گئی تو پھر وسوسہ ختم ہو جائے گا۔ وسوسہ عام طور پر لالچ کے ذریعے ہوتا ہے' مثلاً یہ خیال کہ جو دولت ہم کما رہے ہیں یہ ضائع نہ ہو جائے اور جو حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ رہ نہ جائے۔ شیطان آپ کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے' انسان بھی ڈال سکتا ہے یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس

تو یہ جن ہو سکتے ہیں' ایسے انسان ہو سکتے ہیں جو آپ کے دل میں وسوسہ ڈالیں۔ وسوسہ جو ہے یہ بے یقینی سے ہوتا ہے' وسوسہ لالچ سے ہوتا ہے' وسوسہ غلط دوست سے ہوتا ہے اور وسوسہ آخرت پر ایمان نہ ہونے سے ہوتا ہے۔ جس کا آخرت پر ایمان ہے اس کو وسوسہ نہیں ہوتا کیونکہ اُسے جانا ضرور ہے۔ یہ جو لکڑی اکٹھی ہو رہی ہے اس کو آگ ضرور لگے گی۔ وسوسہ کیا ہے؟ لکڑی ہے تو جلے گی ضرور۔ جو آیا ہے اس نے جانا ضرور ہے۔ انسان نہ کچھ کھوتا ہے اور نہ کچھ پاتا ہے' وہ صرف آتا ہے اور جاتا ہے۔ پھر وسوسہ کس بات کا؟ نہ ہم نے کچھ چھوڑنا ہے اور نہ ہم نے کچھ لے کے جانا ہے۔ پھر وسوسہ کیسا۔ کچھ ساتھ لے جانے کی تمنا چھوڑ دو تو وسوسہ ختم ہو جائے گا۔ ماں باپ زندہ ہوں تو ان کی اطاعت کرو' وسوسہ نہیں رہے گا۔ وسوسہ ہوتا ہے خفیہ خزانہ' جس کے لٹنے کا اندیشہ ہو...... ایک کہانی سنو۔ ایک شخص اندھا تھا اور اس کا خیال تھا کہ وہ دور کی چیزیں دیکھ رہا ہے۔ عام طور پر دور بینی کا اعلان بھی اندھے پن کا اعلان ہے۔ بے شمار لوگ کرامتوں کا اعلان کرتے رہتے ہیں کہ ہم دیکھ رہے ہیں' سامنے لکھا ہوا ہے۔ دوسرا آدمی تھا بہرہ' کانوں سے سنتا نہیں تھا۔ وہ یہ کہتا تھا کہ مجھے آواز آ رہی ہے' کئی آوازیں آ رہی ہیں۔ تو یہ بہرے آدمی کی بات ہے جو دور سے سنتا تھا۔ تیسرا آدمی لباس سے محروم تھا' اس نے چیتھڑے پہنے ہوئے تھے۔ وہ وسوسے والا آدمی تھا۔ اس کا خیال تھا کہ لوگ اصل میں میری پوشاک کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اس کا وسوسہ کیا تھا؟ پوشاک کو بچانا۔ ظاہری پوشاک' باطنی پوشاک' گھر کے اندر پیسہ' پیسے کے اندر گھر' دولت مال وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کا یہ خیال تھا کہ ہمیں لوگ لوٹنا چاہتے ہیں۔ ہر دنیادار یہ سمجھتا ہے کہ لوگ اسے غریب کرنا چاہتے ہیں' حالانکہ ہر

دنیا دار غریب ہی ہوتا ہے۔ جو آنے والا ہے وہ ٹھہر سکتا نہیں، موت سے بچ سکتا نہیں، موت سے جب بچ نہیں سکتے تو اب دولت کیا کام آئے گی۔ دولت رہ جائے گی مگر سانس اندر سے ختم ہو جائے گی، بیٹھے بیٹھے بینائی کم ہو جاتی ہے اور عینک لگ جاتی ہے، یادداشت کمزور ہو جاتی ہے، دوست کا نام بھی بھول جاتا ہے، قوت کم ہو جاتی ہے، سماعت کمزور ہو جاتی ہے، بس ہر شے کمزور ہو جاتی ہے...... اور انسان سمجھتا یہ ہے کہ لوگ مجھے کمزور کرنا چاہتے ہیں...... ان بندوں میں چوتھا شخص ایک لنگڑا تھا جو یہ سمجھتا تھا کہ ہمیں قوت سے، طاقت لگا کے بھاگ جانا چاہیے...... تو یہ ہیں دنیاداروں کی چار قسمیں جو اپنے آپ کو اپنے اصل سے علاوہ سمجھتے ہیں۔ جو لنگڑا ہے اس کے لیے اللہ نے کہا ہے کہ یمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموت والارض فانفذوا لاتنفذون الا بسلطن کہ اے انسانوں اور جنوں کے گروہ تم زمین اور آسمان کے حصار سے نکل جاؤ اگر نکلنا چاہتے ہو تو، نکل کے دیکھو، نہیں نکل سکتے جب تک ہم حکم نہ دیں، ہم طاقت نہ دیں۔ تو ہر آدمی لنگڑا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نکل جاؤں گا حالات کے دائرے سے، مگر وہ نہیں نکل سکتا، کوئی نہ کوئی مجبوری اُسے آ کے پکڑ لے گی، کوئی حالات پکڑ لیں گے، مثلاً آپ صحیح ہوں گے مگر کوئی دوست، محبوب فوت ہو جائے گا۔ تو وہ کہے گا کہ یہ غم کدھر سے آ گیا۔ ایسا غم چٹھی بن کے آئے گا، تار بن کے آئے گا۔ تو یا تو باپ بیٹے کی لاش پہ جائے گا یا پھر بیٹا باپ کی میت اُٹھائے گا۔ کچھ نہ کچھ تو ہوگا۔ آج نہیں تو پچاس سال کے بعد ہی۔ یونان کی ایک دیوی تھی۔ بڑی مشہور تھی وہ، ہمیشہ جوان رہنے والی۔ اس کو دنیا کے اندر رہنے والا ایک خوب صورت مرد پسند آ گیا۔ وہ اپنے دیوتاؤں کے پاس گئی کہ مجھے یہ بندہ

پسند آ گیا ہے‘ اس کو بھی دیوتا بنا دو۔ انہوں نے کہا یہ تو انسان ہے‘ انسانوں کو ہم دیوتا نہیں بنا سکتے‘ ہم لوگ اور مخلوق ہیں اور یہ اور مخلوق ہے۔ اس نے کہا پھر ایسا بناؤ کہ اس کو موت نہ آئے۔ دیوی نے جب دیوتاؤں کے سردار سے Request کی کہ اسے لائف دے دی جائے تو اس نے لائف دے دی۔ پھر ان کی شادی ہو گئی۔ بیس تیس سال کے بعد اس انسان کی جھریاں نکلنی شروع ہو گئیں‘ بڑھاپا شروع ہو گیا‘ ہڈیاں اور گوشت علیحدہ علیحدہ ہونا شروع ہو گئے۔ پچاس سال کے بعد تو اس کا بالکل ہی برا حال ہو گیا۔ وہ مر تو نہیں سکتا تھا۔ مگر اب اس کی شکل بھی پہچانی نہیں جاتی تھی۔ اس آدمی نے چیخ و پکار شروع کر دی کہ اے دیوی تیرا حسن تجھے مبارک‘ میری جان خلاصی کر۔ یعنی کہ وہ زندہ نہیں رہنا چاہتا تھا...... اگر غریبی ہو‘ بڑھاپا ہو‘ کمزوری ہو‘ بیماری ہو اور طویل عمر ہو تو یہ عذاب ہے۔ تو اس کا نام عذاب ہے کہ غریبی ہے‘ بیماری ہے‘ بڑھاپا ہے اور دنیا میں اس کا کوئی محرم نہیں ہے......

اسی طرح ایک اور کہانی ہے۔ ایک بادشاہ نے ایک نجومی کو اپنا ہاتھ دکھایا کہ بتاؤ ہمارے ہاتھ میں کیا لکھا ہوا ہے۔ اس نے کہا آپ کے سامنے آپ کی اولاد مرے گی۔ بادشاہ نے کہا یہ کیسا نجومی ہے‘ پھر اُسے جیل میں ڈال دیا۔ پھر اعلان کرا دیا کہ ہے کوئی بہتر نجومی؟ ایک نجومی آ گیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا بتاؤ کیا لکھا ہوا ہے؟ اُس نے کہا جناب کا اقبال بلند ہو‘ سلامتی ہو‘ مبارکیں ہوں‘ آپ اپنی اولاد سے زیادہ عمر پائیں گے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ بتا تیری کیا خواہش پوری کی جائے۔ نجومی نے کہا میرے استاد کو رہا کر دیں۔ بادشاہ نے کہا وہ کیسے؟ نجومی کہنے لگا جسے آپ نے سزا دی ہے وہ میرا استاد ہے‘ اُس نے بھی وہی کہا ہے جو میں نے کہا ہے‘ اس نے ذرا صاف کہہ دیا ہے کہ آپ کی اولاد

پہلے مرے گی اور میں نے یہ کہا ہے کہ آپ اولاد سے زیادہ عمر پائیں گے' بات تو ایک ہی ہے ...... تو بات کہنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے ...... تو وہ جو میں نے چار آدمی بتائے ہیں وہ بستی میں بیٹھے ہوئے ایک دن غور کر رہے تھے۔ اندھے نے کہا دیکھو بات یہ ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ دشمن ہماری بستی پر حملہ کرنے والا ہے۔ تو اندھے کو کیا ہوا؟ اندیشہ۔ بہرے نے کہا بات یہ ہے کہ میں بھی اُن کے گھوڑوں کی آواز سن رہا ہوں' دشمن واقعی آ رہا ہے۔ وہ جو لباس سے محروم بندہ تھا اُس نے کہا کہ وہ لوگ میرا لباس چرانے آ رہے ہیں۔ لنگڑے نے کہا سوچتے کیا ہو' بھاگ چلیں ...... تو کہانی یہ ہے کوئی بھاگ نہیں سکتا اور جو بھاگنے کی دعوت دے رہا ہے وہ لنگڑا ہے۔ یہ دنیا وہ ہے جس سے آپ اندیشہ نکال نہیں سکتے۔ ایمان جوں جوں قوی ہوگا اندیشہ نکل جائے گا۔ اندیشے کو ذکر جلاتا ہے اور ایمان جلاتا ہے' اللہ کا ذکر قوی ہو جائے'' ''ہُو حق'' کا ذکر قوی ہو جائے اور ایمان قوی ہو جائے تو پھر اندیشہ ختم ہو جاتا ہے۔ اندیشہ لالچ کا نام ہے۔ اگر پیسہ چلا گیا ہے تو جانے دو' جو بچ گیا ہے وہ بھی جانے دو اور دعا کرو کہ اللہ تمہیں غریب رکھے' تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ اندیشہ نہیں ہوگا۔ آپ نے امیر ہونے کی جو دعائیں مانگی ہیں وہ تو پوری نہیں ہوئیں' اب دعا کرو کہ یا اللہ ہمیں غریب ہی کر دے...... اگر آمین بولو تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔

غریبم یا رسولؐ اللہ غریبم
ندارم در جہاں جُز تو حبیبم
مرض دارم زِ عصیاں لادوائے
مگر الطافِ تو باشد طبیبم

برمیں نازم کہ ہستم اُمتی تو
گناہگارم ولیکن خوش نصیبم

تو ایسے غریب ہو جاؤ تو پھر بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اور اللہ تعالیٰ آپ کو پیسے سے بچائے۔ ایسے بزرگ بھی ہوتے تھے جو یہ دعا دیتے تھے کہ بیٹا اللہ تجھے پیسے سے بچائے اور اللہ تجھے خوشیوں سے بچائے اور اللہ تجھے زیادہ سونے سے بچائے۔ تو جب اللہ نیند سے بچائے' خوشی سے بچائے' اور پیسے سے بچائے تو تم خود بخود ہی اللہ والے بنو گے۔ تو یہ بھی دعا کا طریقہ ہوتا ہے کہ ایسا بھی ہونا چاہیے۔

سوال:

میری صحت ٹھیک نہیں ہے' مہربانی فرمائیں۔

جواب:

یہ صاف سوال ہے۔ اللہ تعالیٰ جس نے بیماری بھیجی ہے وہی اُسے واپس بلائے۔ یعنی بیماری بھیجنے والا بیماری کو واپس بلائے۔ پھر صحت ٹھیک ہو جائے گی۔ آپ کی صحت جو ہے یہ اولاد کی خوش قسمتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو آپ کی عمر درازی عطا فرمائے۔ آپ صحت کی ضرور کوئی نہ کوئی خیرات ادا کرتے رہا کرو۔ صحت اور بیماری دو قسم کی ہے۔ یہ میری بقیہ کتابوں میں لکھا ہوگا جو ابھی چھپنے والی ہیں۔ ایک تو بیماری وہ ہوتی ہے جو بندے کو جگاتی ہے' اللہ کی طرف لاتی ہے اور انسان دعا کرتا ہے۔ دوسری بیماری کا نام ہے عزرائیل' ملک الموت۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ جو موت والی بیماری ہے یہ عزرائیل ہی ہے' کہ انسان نے اپنے ٹائم پر آنا ہے' پیدا ہونا ہے اور ٹائم پر فوت ہونا ہے' چاہے وہ بیماری کے

ذریعے فوت ہو یا پھر کسی اور وجہ سے۔ جس کو بیماری نہیں ہوتی کیا وہ فوت نہیں ہوتے؟ صحت مند بھی فوت ہو جاتے ہیں' کچھ حادثے ہو جاتے ہیں اور جن کے ساتھ حادثہ نہیں ہوتا وہ گھر میں فوت ہو جاتے ہیں۔ یہ تو اللہ کا کام ہے۔ دنیا میں کوئی بندہ بچا نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جو بیماری ہے وہ مذاقِ سُخن ہے' اللہ کے ساتھ محبت ہے' دوستی ہے' اللہ اپنے بندوں کے ساتھ بات کرتا رہتا ہے...... بیماری صرف اندیشہ ہو سکتا ہے۔ تو صحت اور بیماری اللہ کی طرف سے ہے۔ بیماری جو ہے یہ خاتمہ نہیں ہے۔ اس آدمی کا خاتمہ نہیں ہوتا جس کا رجوع اللہ کی طرف ہو۔ آپ اللہ کی طرف رجوع کریں اور اپنی اولاد کو اللہ کی طرف رجوع رکھائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ اس اندیشے سے نکل جائیں گے۔ تو بیماری ٹھیک ہو جائے گی۔ اس کے لیے خیرات کرو' بیماری ٹل جائے گی۔ یہاں پر اتنے سارے لوگ بیٹھے ہیں' سب لوگ دعا کریں' سب لوگ سب کی بیماریوں کے لیے دعا کریں کہ یا اللہ بیماریاں دور کر دے۔ بس اللہ تعالیٰ مہربانی کرے۔ پھر آسانی ہو جائے گی۔

ہاں جی اور لوگ سوال کریں......

سوال:

یہ کیا وجہ ہے کہ مغربی لوگوں نے بڑی ترقی کر لی ہے اور ہم بہت پیچھے ہیں؟

جواب:

آپ یہ دیکھیں کہ اس ترقی کا فائدہ کیا ہے اور نقصان کیا ہے۔ لیکن اس سے پہلے ہمیں یہ پوری طرح پتہ ہونا چاہیے کہ فائدہ کسے کہتے ہیں اور نقصان

کسے کہتے ہیں۔ ایک آدمی اگر کچھ روپے کماتا ہے تو یہ فائدہ ہے اور اگر عاقبت گنوا بیٹھتا ہے تو یہ نقصان ہے۔ تو دین کو دے کر اگر دولتِ دنیا مل جائے تو کیا یہ فائدہ ہے یا نقصان ہے۔ ظاہر ہے یہ نقصان ہے۔ ترقی ہوتی کیا ہے؟ ترقی ایک بحری جہاز کی طرح ہے جو وسیع سمندر پر تیرتا ہے' ڈوبتا نہیں' چاہے سمندر میں طوفان ہو' لیکن اس جہاز کو اپنی منزل کا پتہ نہیں ہے۔ یہ جو ترقی یافتہ اقوام ہیں ان کو اپنی منزلِ مقصود کا پتہ نہیں ہے اور یہ پتہ نہیں کہ زندگی کا اصل مقصد کیا ہے' مدعائے حیات کیا ہے۔ انسان کہتا ہے کہ آرام چاہیے' آسانی چاہیے اور آسائش چاہیے۔ اگر آپ کو کچھ عرصہ بعد سمجھنے کی توفیق مل گئی تو آپ دیکھیں گے کہ آج کا ماڈرن مین جو آرام کر رہا ہے گھر کے اندر' کار کے اندر' دفتر کے اندر تو آپ کو معلوم ہوگا کہ صرف لاہور میں قدم قدم پر کلینک بنتے جا رہے ہیں...... کہیں آدمی بے آرام تو نہیں ہو گیا؟ تو کچھ عرصہ بعد آپ کو پتہ چلے گا کہ آدمی بے آرام ہو گیا ہے۔ اُسے کس نے بے آرام کیا؟ آرام کی خواہش نے بے آرام کر دیا۔ تو یہ آپ کی ترقی ہے! آپ کا کھانا جو ہے وہ ترقی یافتہ لوگوں والا ہے مگر یہ کھانا آپ کو بیماری دے رہا ہے۔ آپ کھاد سے بڑی سبزیاں پیدا کر رہے ہیں تو بڑی ترقی ہے لیکن اس کھاد کی وجہ سے انسانوں میں کینسر ہو رہا ہے۔ فیکٹریوں سے پیدا ہونے والا دھواں ماحولیات کو خراب کر رہا ہے۔ جلد ہی اعلان ہو جائیں گے کہ کیا ہونے والا ہے۔ تو انسان نے جو ترقی کی ہے اس نے دراصل انسان کو پریشان کر دیا ہے۔ پھر یہ بات کہ انسان نے اپنے گھر سے قبرستان تک جانا ہے جو کہ عام طور پر دو تین میل کا فاصلہ ہوتا ہے اور ساٹھ سال میں یہ طے کرنا ہے۔ اس کے لیے کتنی ترقی چاہیے آپ کو۔ کیا ترقی کر کے انسان

موت سے بچ سکا؟ نہیں بچا۔ جوں جوں انسان نے دوائیوں میں ترقی کی ہے' بیماریوں نے بھی ترقی کی ہے۔ آج کا مچھر چھوٹی موٹی دوائی سے مرتا ہی نہیں۔ ایسی ایسی شاندار دوائیاں بن گئی ہیں کہ دوا کہتی ہے میں ''شفائے ملت'' ہوں تو بیماری کہتی ہے میں پھر ''مرض الموت'' ہوں۔ ایسی ایسی بیماریاں پیدا ہو گئی ہیں کہ میڈیکل سائنس میں اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ جوں جوں انسان ترقی کرتا جا رہا ہے وہ تباہی کے قریب ہوتا جا رہا ہے۔ مغربی سائنس نے آدمی کو بچایا' صحت کے لحاظ سے' حالات کے لحاظ اور واقعات کے لحاظ سے اور پھر سائنس نے ایک ایٹم بم بھی بنا دیا۔ ایٹم بم کس لیے؟ تباہی کے لیے۔ ہزاروں سالوں کی جنگوں میں اتنی تباہی نہیں ہوئی جتنی ان دو ایٹم بموں سے ہوئی ہے۔ اس وقت دنیا میں جتنے بم پڑے ہوئے ہیں اگر وہ Dispose off کریں گے تب بھی آدھی دنیا غرق ہو جائے گی۔ تو دنیا کو دنیا والے تباہ کرتے جا رہے ہیں...... تو یہ ترقی ہے! انسانوں کے محافظ انسان کو تباہ کر رہے ہیں' انسان کے محسنین انسان کو تباہ کر رہے ہیں' آدمی' آدمی کے کیا قریب ہوتا جا رہا ہے کہ گلا چھری کے قریب ہوتا جا رہا ہے۔ اس لیے یہ بڑے غور سے دیکھو کہ آدمی کو ہو کیا گیا ہے۔ تو ہر آدمی ایک قسم کے عذاب میں آنے والا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے...... تو آپ غور کیا کریں کہ حاصل کیا کرنا تھا اور حاصل کیا کیا' جانا کدھر تھا اور ہم پہنچ کہاں گئے اور آدمی نے سکھی ہونا تھا تو آدمی دکھی کیوں ہو گیا۔ پہلے زمانے میں اتنے پیسے نہیں ہوتے تھے' آج سب کے پاس پیسے ہیں مگر آدمی پھر بھی پریشان ہے۔ تو پھر پیسہ تو علاج نہ ہوا۔ علاج ظاہر کا ہو رہا ہے اور انسان کا باطن پریشان ہے۔ تو غور کریں کہ اس میں Fault کیا ہے ...... ہر آدمی اندر سے پریشان ہے۔ تو یہ

ہے ماڈرن مین اور اس کی بڑی پریشان زندگی! وہ جو سادہ زندگی تھی اُسے وہ کھو بیٹھا ہے' وہ ضائع ہو گئی ہے۔ اب وہ زندگی ختم ہو گئی جو قدرت کے قریب' حالات کے قریب' واقعات کے قریب' خدا کے قریب' ماں باپ کے قریب اور ماضی کے قریب تھی۔ آج کا انسان پریشان حال ہو گیا ہے۔ اس بات پر ضرور غور کرنا۔ مغرب جو کرتا ہے کرتا جائے مگر یہ دیکھو کہ ہم نے کیا فائدہ اور کیا نقصان اُٹھایا ہے۔ ہم نے بڑا فائدہ اٹھایا کہ مسجدوں میں لاؤڈ سپیکر لگا لیا۔ کیا اس سے نمازی بڑھ گئے؟ مسجدیں بڑھتی جا رہی ہیں اور نمازی کم ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ دیکھو کہ حالات کدھر جا رہے ہیں۔ بینکوں میں اتنے پیسے بھرے پڑے ہیں اور آج کل اتنی غریبی ہے۔ پیسوں کے باوجود انسان کا اندیشہ ہی ختم نہیں ہوتا۔ پیسہ آ گیا مگر برکت چلی گئی۔ تو برکت اور سکونِ قلب جو تھے ختم ہو گئے۔ آج کا انسان سکونِ قلب سے محروم ہو گیا۔ اور اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ نہیں ملے گا سکونِ قلب مگر میرے ذکر سے۔ آپ سے ذکر کی دولت چھن گئی ہے۔ اس لیے آپ کو بڑی پریشانیاں ہیں۔ امیر آدمی کو بہت پریشانی ہے۔ ماڈرن مین' ترقی یافتہ انسان بہت پریشان ہے۔ یہ ہسپتال ایسے نہیں بن رہے ہیں' بندے بیمار بہت ہو رہے ہیں اور پھر بھی ہسپتالوں میں داخلہ نہیں مل رہا۔ لاہور میں کتنے ہی ہسپتال بن گئے ہیں' کلینک بن گئے ہیں بڑے عجیب و غریب نام ہیں اور ہر آدمی کے بجٹ میں ہسپتال کا خرچہ ہے۔ پرانے زمانے میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ ہر آدمی بیمار ہو۔ دعا کرو کہ انسان بیماری سے نجات پائے۔ بس دعا کرتے جائیں۔ سب حاضرینِ مجلس اپنے لیے اور سب کے لیے دعا کریں' ملک کے لیے دعا کریں' قوم کے لیے دعا کریں کہ یا رب العالمین رحم فرما' سب پر رحم فرما

اور حالات پر رحم فرما ...... یا اللہ تمام سامعین پر رحم فرما' حاضرین پر رحم فرما۔

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه ونور عرشه افضل الانبیاء والمرسلین حبیبنا وشفیعنا سیدنا وسندنا ومولٰنا محمد وآله واصحابه اجمعین آمین برحمتک یاارحم الرٰحمین۔

٦
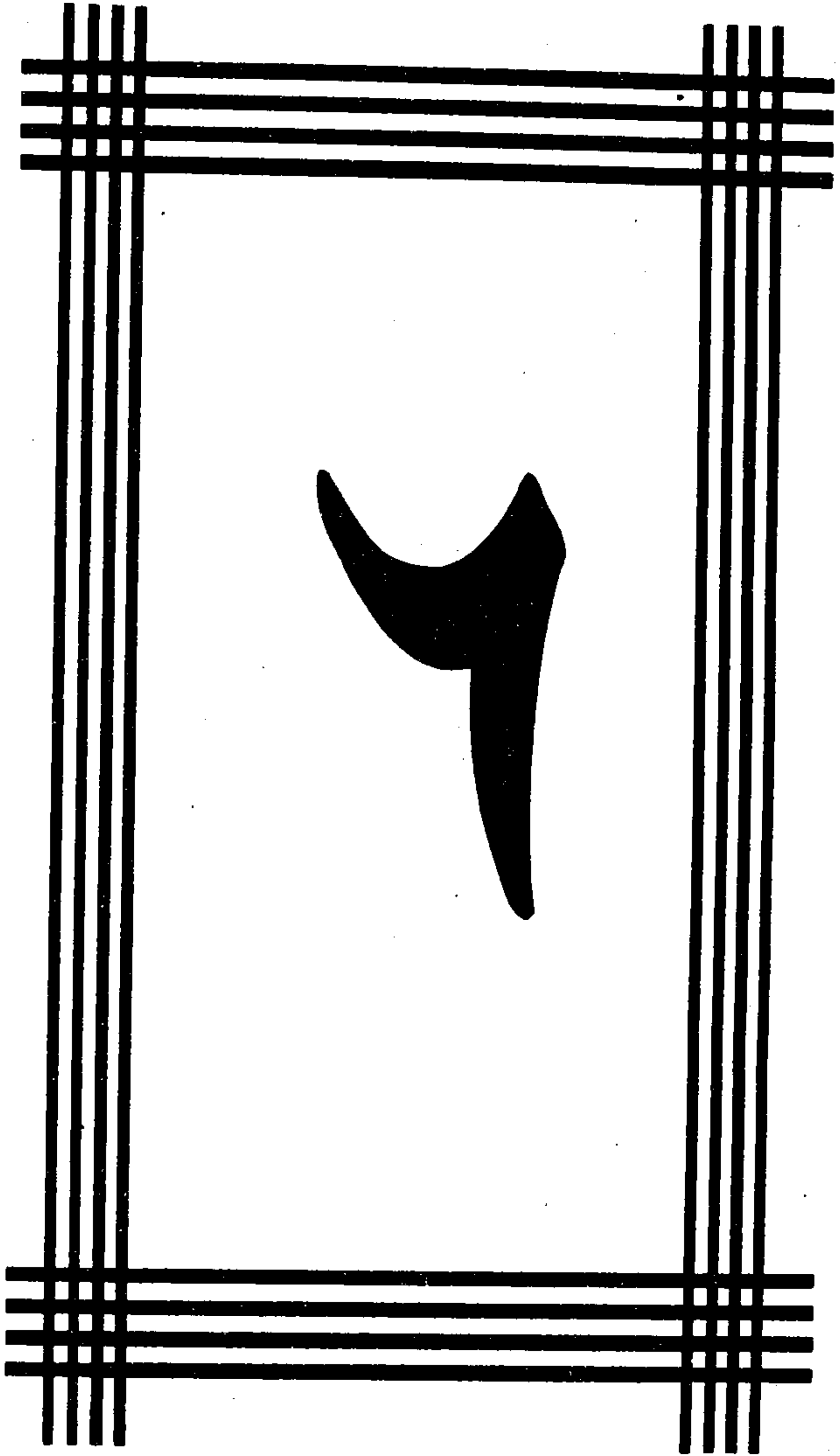
۱ جب ہم دعا مانگتے ہیں اور وہ چیز مل جاتی ہے تو پھر بعد میں خوشی کا احساس نہیں رہتا حالانکہ پہلے اس کی بہت طلب ہوتی ہے……

۲ تو کیا خواہش نہ کرنا اور دعا نہ مانگنا کفرانِ نعمت نہیں ہے؟

۳ جب رات کو ہم اللہ تعالیٰ سے اپنی غلطیوں کے لیے شرمندہ ہو کر دعا مانگتے ہیں تو بڑی لذت ملتی ہے۔ اگر ہم غلطی نہیں کریں گے تو پھر یہ لذت کیسے ملے گی؟

۴ سفر میں جو لذت ہے وہ منزل میں تو نہیں ہو سکتی……

۵ اگر سب چیزیں چھوڑ دی جائیں تو پھر اپنا کیا رہ گیا؟

۶ یہاں جو ہم لوگ بیٹھے ہیں یہ وہاں آگے بھی اکٹھے ہونے چاہئیں……

۷ کیا انسان کے بس میں ہے کہ وہ God Consciousness میں پہنچ سکے؟

۸ اللہ کے بارے میں ہماری جو سوچ ہے اس کا ایمان کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

۹ ہم ایمان تو رکھتے ہیں مگر پھر کبھی اللہ کریم کے بارے میں سوچ بھی آجاتی ہے کہ وہ دور ہے یا بہت قریب ہے ……

۱۰ ہم کسی چیز کا جو کفارہ ادا کرتے ہیں تو اس کا کیا مطلب ہے؟

۱۱ کیا توبہ کے بعد انسان بَری ہو جاتا ہے؟

۱۲ روزے کا کہتے ہیں کہ یہ گناہوں سے بچانے کے لیے ڈھال ہے تو اس

بارے میں Spiritually کیا فائدے ہیں......

۱۳ بچپن میں سنا تھا کہ کسی کا دل نہ دکھاؤ کیونکہ اس سے عرش کے کنگرے ہل جاتے ہیں۔

۱۴ جنت میں مردوں کو تو حوریں ملیں گی لیکن عورتوں کو کیا ملے گا؟

۱۵ کیا وہاں سب کی عمریں ایک جتنی ہو جائیں گی؟

۱۶ آپ نے فرمایا ہے کہ جس حالت میں کسی کی موت ہو گی وہ اس حالت میں اٹھایا جائے گا' پھر جو سو سال کی عمر میں مرا ہے کیا وہ اس حالت میں اُٹھے گا؟

سوال :

جب ہم دعا مانگتے ہیں اور وہ چیز مل جاتی ہے تو پھر بعد میں خوشی کا احساس ہی نہیں رہتا حالانکہ پہلے اس کی بہت طلب ہوتی ہے……

جواب:

ہاں ایسا ہوتا ہے۔ بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ چیز حاصل ہوگئی اور پھر بیزاری پیدا ہوگئی۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ آپ نے فائدہ مانگا' پھر فائدہ حاصل ہوگیا' بعد میں پتہ چلا کہ یہ تو نقصان تھا۔ لیکن انسان میں پھر ایک اور خواہش پیدا ہوجاتی ہے' ایک درخت سے گرا اور پھر ایک اور درخت پہ چڑھ گیا۔

سوال:

تو کیا خواہش نہ کرنا اور دعا نہ مانگنا کفرانِ نعمت نہیں ہے؟

جواب:

یہ کفرانِ نعمت ان لوگوں کے لیے ہے جو ایک سطح کے لوگ ہوتے ہیں' جو زندگی کو محنت کے ساتھ مشروط کرتے ہیں کہ زندگی محنت کا نام ہے۔ جو زندگی کو رحمت کے ذریعے گزارتے ہیں اُن کے لیے خواہش نہ کرنا کفران نہیں ہے۔ آپ اپنے آپ کو باقیوں سے ذرا الگ رکھیں' آپ Slightly different تو

ہیں۔ لوگ تو بیتاب ہو جاتے ہیں اور آپ لوگ کوشش کرتے ہیں کہ بیتاب نہ ہوں کہ یہ واقعہ ایسے کیوں ہو گیا۔ پھر آپ سوچتے ہیں کہ یہ واقعہ کس نے کیا۔ مثلاً کوئی رشتہ دار فوت ہو گیا تو آپ کہیں گے کہ یہ تو خدا نے کیا ہے۔ اس طرح آپ راضی ہو گئے۔ تو یہ فرق ہے آپ میں اور دوسرے لوگوں میں۔ اس میں رضا کا پہلو ہے۔ تو ہم اللہ کی سربراہی میں چلنے والے لوگ ہیں کہ وہ یہ رنگ دکھا دے تو ہم راضی اور وہ رنگ دکھا دے تو ہم راضی۔ جو آدمی یہ کہتا ہے کہ میں سب کچھ خود ہی بنا لوں گا تو اس کی Orientation اور ہے' اور جب اس سے کچھ نہیں بن پاتا تو وہ کہتا ہے کہ Something is wrong somewhere' کہیں کچھ غلط ہو گیا ہے۔ پھر کہتا ہے میں یہ دوبارہ بناتا ہوں۔ پھر جب گرتا ہے تو کہتا ہے سیڑھی خراب تھی' فرش خراب تھا۔ یہ نہیں کہے گا کہ کوئی ذاتی یا کائناتی غلطی ہے۔ وہ بیچارہ پھر Break' Make کرتا رہتا ہے' Till that time اُسے کہا جاتا ہے کہ Thy time is up تمہارا وقت اب ختم ہو گیا ہے' End ہو گیا ہے۔ تو وہ اور لوگ ہیں...... اور ہم تو وہ لوگ ہیں کہ:

؎ تاڑی مار اُڈا نہ باہو اسی آپ ای اُڈن ہارے ہو

ہم تو سارے تیار بیٹھے ہیں۔ اس لیے یہ فرق ہے۔ اور جب آپ یہ بھول جائیں گے کہ زندگی اللہ کی رحمت یا اس کا فضل ہے تو آپ زندگی خود بنائیں گے' وہاں سے غلطی ہو جائے گی۔ آپ کی مرضی جو ہے وہ تسلیم کرنے میں ہونی چاہیے جب کہ ان لوگوں کی مرضی کام کرنے میں ہے۔ تو وہ کرتے جائیں' اپنی زندگی ٹھیک کر لیں' جو چیز خراب ہو گئی ہے وہ ٹھیک کر لیں۔ پھر یہ نہ کہنا کہ مریض کو دوائی دی تھی تو ٹھیک ہو گیا۔ اگر مریض پھر بیمار ہو گیا تو دوبارہ ٹھیک کر لو۔ ایک وقت آتا

ہے کہ انسان کہتا ہے کہ ہم اسے ٹھیک نہیں کر سکتے' اب اللہ ہی مہربانی فرمائے۔ جب آپ اس ذات کو شامل کریں گے تو پھر آپ اور طرح کے ہو جائیں گے۔ ہر چیز کی فطرت اللہ نے بنائی ہے' گائے نے سینگ مار دیا یا کُتا بھونک پڑا تو ان کا کام ہی یہی تھا۔ کُتے کی آواز کا نام ہے بھونکنا' محبت کرے گا تو بھی بھونکے گا' ڈرائے گا تو بھی بھونکے گا۔ تو بھونکنا اس کی آواز ہے۔ یہ دنیا ایک وادی کی طرح ہے جس میں آپ گئے' پھر وادی سے نکل آئے اور جو اس وادی سے آشنا ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس وادی سے ہر آدمی رو کے نکلا ہے

کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد

یہ دنیا ایسی ہے کہ کسی نے یہاں اپنا کام مکمل نہیں کیا' سارے کام ادھورے رہ گئے' کوئی بات نہ پوری ہوئی' اس دنیا میں ہر انسان کوئی نہ کوئی کام کرتے کرتے رہ جاتا ہے...... یہ بات چند لوگوں کو سمجھ آتی ہے۔ دنیا نے پارٹس میں' حصوں میں مکمل نہیں ہونا بلکہ جب یہ سارا پراسیس پورا ہوگا تب دنیا مکمل ہوگی۔ اور آپ کی جو Minor contribution ہے' ذرا سا کام ہے اس کا کئی سال بعد جا کے پتہ چلے گا کہ کائناتی نظام پر اس کا یہ اثر پڑا ہے۔ یہ زندگی بنانے والے نے جس طرح بنائی ہے' پیدا کرنے والے نے جس طرح پیدا کیا ہے' اس کا مقصد اسی کو پتہ ہے' وہ جانتا ہے کہ فائنل مقصد کیا ہے۔ اللہ تک پہنچنے کے کئی راستے ہیں لیکن جب ایک راستے پر چل پڑیں تو دوسرے راستے سے بچنا چاہیے۔ اپنی ذات کو سکون دینے کا ایک طریقہ یہ ہے جو غالب نے کہا تھا :

مَے سے غرض نشاط ہے کس رُو سیاہ کو

ایک گُونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے

تو ایک طریقہ عبادت ہے' ایک سکون ہے' محبت ہے' سرخوشی ہے' بیداری ہے' سکون دینا ہے' نیکی ہے۔تو یہ سارے طریقے ہیں۔ جب زندگی کی سمجھ کے لیے آپ ایک شعبے کو اختیار کریں گے تو نتیجہ اسی شعبے میں ملے گا' نتیجہ دوسرے شعبے میں نہیں ملے گا۔ مثلاً آپ عبادت کریں گے تو عبادت کا نتیجہ یہ نہیں ہے کہ مال' پیسہ مل جائے بلکہ عبادت کا مفہوم عبادت ہے۔ عبادت کا تعلق دینی طور پر' باطنی طور پر اور خدائی طور پر ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یا اللہ ہم نے بڑی عبادت کی ہے لیکن ہمارا مسئلہ تو ٹھیک نہیں ہوا۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز اس کائنات کا اہم ترین حصہ ہے۔ جیسے ایک بڑی خوب صورت گاڑی کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے کیل' جو اُسے پنکچر کر دیتا ہے۔تو یہ بھی ایک بڑا اہم حصہ ہے اور اس اہم حصے سے اکثر آپ کی ملاقات ہوتی ہوگی' چلتے چلتے راہ میں ایسا ہو سکتا ہے' چلتے چلتے کوئی کانٹا یا خار آنکھ میں کھٹک جائے' زندگی کے اچھے اور خوشگوار راستوں میں کوئی تنکا آنکھ میں پڑ جائے' خوشگوار چہروں میں کوئی ناگوار انسان نظر آ جائے ...... تو بعض اوقات چلتے چلتے کچھ اور واقعہ ہو جاتا ہے۔ زندگی کو سمجھنے کے لیے پہلی بات یہ ہے کہ اس کے بنانے والے سے رجوع کرو تا کہ وہ آپ کو بتائے کہ میں نے اسے کیوں بنایا ہے۔ اُس نے بتایا ہے' ساری چیزیں بتائی ہیں مگر آپ نے ایک چیز اختیار کرنی ہے۔ اب آپ کا Relation زندگی سے' کائنات سے یا خدا سے کیا ہے؟ کہ ہم کوشش کریں گے اللہ کے راستے کی طرف اور انتظار کریں گے تا کہ وہ راستہ بتائے۔ اب آپ بحث نہ کرنا۔ یا تو یہ کہو کہ ہم ڈھونڈ لیں گے' تو بے شک گم ہو جا' تو مالک ہے' نظر نہیں آئے گا مگر ہم تجھے تلاش کر ہی لیں گے۔ تو ایک طریقہ تو یہ ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم کہاں تلاش

کریں، ہم بیٹھے ہوئے ہیں، جب آپ آواز دیں گے ہم آ جائیں گے۔ تو یہ طریقہ ہے تسلیم ورضا کا اور انتظار کا، جس طرح کہ بارش کا انتظار ہے، زمین کو تیار کرلیا ہے اور اب بارش ہوگی تاکہ فصل تیار ہو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کب تک بارش کا انتظار کرو گے، آؤ کوئی ٹیوب ویل کا انتظام کرلیں۔ تو یہ دونوں طریقے ہیں۔ ایک طریقے کا نام بزرگوں نے بتایا ہے صعودی طریقہ اور دوسرا طریقہ نزولی طریقہ۔ صعودی کا مطلب ہے اوپر سیڑھیاں چڑھنا اور نزولی کا مطلب ہے اوپر سے رحمت کا خود بخود آنا۔ نزولی طریقے والے کہتے ہیں کہ ہم تو اتنے ناسمجھ ٹھہرے، نادان لوگ ہیں، ہمیں کہاں پتہ کہ تیرا آستاں کدھر ہے، تُو تو ہمیں جانتا ہے، تُو آپ ہی تشریف لا۔ تو یہ نزولی طریقہ ہے۔ زندگی میں کسی انسان کا معمولی سا عمل، زندگی میں آگے جا کر تاثیر بنتا ہے، سو سال بعد بھی تاثیر بن سکتا ہے۔ اگر کسی بہت بڑے بَڑ کے درخت کا چھوٹا سا بیج اتفاق سے گر گیا ہو تو آپ سو سال کے بعد دیکھیں تو اس کے نیچے ایک گاؤں آباد ہوگا۔ تو آپ کے ہاتھوں سے سرزد ہونے والی نیکی، چھوٹی سی نیکی اتنی معمولی نہیں ہے۔ ایک آدمی پہاڑ کی چوٹی پر جا رہا ہے He is just to reach that end وہ وہاں پہنچنے والا ہے جو اس کی Destiny ہے، اس کا مقدر ہے، اس کے لیے لکھا گیا ہے کہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر جانا ہے، اس شخص کو سفر کے دوران، ابتلا کے دوران ٹھنڈا پانی پلائیں، جب وہ چوٹی پر پہنچ گیا، اُسے مسخر کر چکا تو اس نے زندگی کی تلخیوں میں صرف آپ کا نام لکھنا ہے کہ There was a person جس نے وہاں مجھے ٹھنڈا پانی پلایا تھا جب کہ میں ابتلاء کے زمانے میں تھا۔ اب چوٹی اس نے سر کی ہوئی ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس شخص کو بلاؤ جس نے مجھے پانی پلایا تھا اور میرے ساتھ ہمسر کردو۔ تو پانی

کا وہ اتفاقیہ پیالہ جو کسی غیر متعلق شخص کو اچانک آپ نے دے دیا۔ ایک بہت بڑا واقعہ بن گیا ورنہ تو چوٹی پر پہنچنے کا نہ آپ کا حوصلہ تھا' نہ آپ کا مزاج تھا' نہ آپ کی ضرورت تھی اور نہ آپ کا شعور تھا۔ آپ نے وہاں جانے والے کے ساتھ نیکی کر دی تو اس نے آپ کو چوٹی پر پہنچا دیا۔ تو یہ جو Stray events ہوتے ہیں یہ Stray نہیں ہوتے بلکہ یہ بڑے متعلق ہوتے ہیں اور بڑے اہم ہوتے ہیں' لگایا ہوا درخت بڑا اہم ہوتا ہے اور اتفاقیہ کی ہوئی نیکی بڑی اہم ہوتی ہے۔ آپ اپنے آپ کو اتنا Ignore بھی نہ کریں کہ جیسے آپ کوئی بے معنی شے ہیں' آپ بے معنی نہیں ہو سکتے' بیشک Try کر لیں' آپ Insignificant نہیں ہوں گے' بے معنی نہیں ہوں گے۔ اس لیے اپنے ہونے کی اہمیت کا اندازہ لگاؤ۔ یہ نہ کہنا کہ خدا کو دریافت کرنا آپ کا ٹاسک نہیں ہے' اپنے آپ کو دریافت کرنا بھی آپ کا ٹاسک نہیں ہے' اپنے ہونے کی افادیت دریافت کرنا بھی آپ کا ٹاسک نہیں ہے...... تو پھر آپ انتظار کر لیں۔ جس نے آپ کو کان دیے وہی نغمہ سُنائے گا' جس نے آپ کو نگاہ عطا فرمائی وہی نظارہ دکھائے گا' جس نے ذہن دیا شعور وہی دے گا' جس نے آپ کو بنایا وہی آپ کا ماحول بھی خود بنائے گا' جو باتیں اس نے کی ہیں جو اس سے متعلقہ ہیں وہ باتیں وہی کرے گا۔ اب مجھے وہ بات بتاؤ جو اس پیدا کرنے والے سے متعلقہ نہ ہو۔ مثلاً اپنے وجود کا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات تو ہماری ہے' تو آپ کے وجود میں موجود ایسی کیا چیز ہے جو خالق سے متعلقہ نہیں ہے' وہ آپ دریافت کر کے بتا دیں کہ یہ ہماری ہے۔ آپ کہیں گے کہ یہ میں نے خود بنائی ہے' تو اس بنانے پر ذرا تفصیل سے غور کرو تو یہ آپ کی نہیں رہے گی۔ مثلاً آپ کو کوئی بندہ اچھا لگ گیا' کچھ عرصہ بعد پتہ چلے گا

کہ وہ بندہ بھی اُس نے بنایا تھا جو آپ کو اچھا لگا تھا۔ راستے میں ملنے والا انسان جو مسافروں کو اچھا لگا تو جب مسافر نے گھر جا کے سوچا تو پتہ چلا کہ وہ تو اس خالق کا بنایا ہوا تھا اور اس بندے کو دیکھنے والی نگاہ بھی اُسی نے بنائی تھی۔ تو پھر اس میں تیرا کیا ہے:

مہر علی تُو کون بیچارہ

پھر تُو کیا رہ گیا۔ اگر اتنی سی بات دریافت ہو جائے تو خیال کا کاروبار چل جاتا ہے' تب انسان سوچتا ہے کہ بعض اوقات وہ بات جس کے لیے ہم دعا کرتے ہیں یا آرزو کرتے رہتے ہیں' وہ جب حاصل ہو جائے تو کتنی Relevant یا Irrelevant ہو جاتی ہے۔ یہ کھیل ہی یہی ہے' آپ نے کسی حاصل کو ساتھ نہیں لے جانا...... اب بولو۔

سوال:

پھر تو بات ہی کچھ نہ رہ گئی......

جواب:

اسی "بات کچھ نہ رہ گئی" کے لیے تو ہمیں بہت کچھ کرنا پڑا ہے۔ اس خیال تک آنے کے لیے کہ "یہ جو چیز میں نے حاصل کی ہے اس کو حاصل کر کے میں کسی اور کو دے دوں" یہاں تک پہنچنے کے لیے کتنی ہی عمر گزری ہے' اس خیال کو تسلیم کرنے کے لیے آپ کو اتنے سال لگ گئے ہیں۔ آپ اگر یہ بات کسی اور سے کہیں تو وہ کہے گا کہ آپ کی عقل' دماغ خراب ہے' یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم زندگی کسی اور کے حوالے کر دیں۔ اس کو آپ سمجھیں اور تسلیم کریں تو بات یہ سمجھ

آتی ہے کہ دینے والا دے گا' جس نے ہمیشہ دیا ہے وہ دے گا۔

سوال:

میں تو کہتا ہوں کہ ہر چیز ہی اُسی کی ہے۔

جواب:

اگر یہ یقین ہو جائے تو پھر تو آپ کا کوئی کام ہی نہیں۔ پھر تو ہم میلہ لگانے والے کا میلہ دیکھیں گے۔ پھر یہ میلہ ہے اور باقی جھمیلا جو ہے وہ تمہارا اپنا ہے' جھگڑا' جھمیلا' گنتی اور دوسرے واقعات آپ کے اپنے ہیں۔ اگر تم اپنے آپ کو نکال دو' پھر میلہ دیکھو تو پھر تمہیں یہ رونق دکھائی جائے گی' کہ یہ درخت کانٹے والا ہے' یہ پھول والا ہے' یہ خوشبو ہے' یہ حاصل ہے' یہ محرومی ہے' یہ ہونا ہے' یہ نہ ہونا ہے' یہ آ رہا ہے' یہ جا رہا ہے۔ ایک مشہور بات ہے کہ جتنے لوگ آپ کی باراتوں میں آتے ہیں اتنے ہی لوگ آپ کی فائنل رخصتی پر آتے ہیں:

جیہڑے آئے میل محمد او آئے مکانے

یعنی کہ جو ''میل'' میں آتے ہیں' جو Visitors of the marriage party ہوتے ہیں' شادی میں آتے ہیں وہ آخری وقت میں آتے ہیں' Funeral کو Attend کرتے ہیں۔ آپ کے دو ہی تو فنکشن ہیں' ایک Bridal Function ہے اور دوسرا Funeral ہے' شادی اور جنازہ ہیں' اور ان دونوں سے گریز نہیں ہو سکتا۔ آپ کہتے ہیں کہ بڑے زور شور سے بارات آئے گی' مبارک ہو...... اور آگے...... آگے پھر آپ کا اختیار نہیں ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ کا شادی کے فنکشن پہ بھی اختیار نہیں تھا' وہ بھی ادھر سے ہی تھی۔ اب درمیان میں کیا ہے؟ درمیان میں آپ کا کردار ہے' آپ کو پہچان ہوتی جا رہی ہے' آپ

مختلف جگہوں پر ریکارڈ ہوتے جارہے ہیں' چہرہ محفوظ ہوتا جارہا ہے' گواہ بنتے جارہے ہیں' پسندیدہ ہوتے جارہے ہیں' ناپسندیدہ بھی بنتے جارہے ہیں' دوست بنتے جارہے ہیں' دشمن بھی بنتے جارہے ہیں۔ سارے واقعات ہوتے جارہے ہیں۔ اگر آپ Suddenly disappear ہوجائیں تب بھی آپ کا کیا ہوا کام چار ہزار سال کے بعد اتنا بڑا ہوسکتا ہے کہ پھر اس کا مٹانا مشکل ہوجائے گا۔ آپ آنے والے دور کے آدم ہیں' کئی ملتوں کے ظہور کا ذریعہ ہیں مگر آپ تو پریشان ہوتے جارہے ہیں۔ تو جس شخص کا ایک بچہ ہے وہ آنے والے دور کا بڑا ہی باوا آدم ہے' دو ہزار سال میں ایک شہر جتنی اس کی آبادی ہوجائے گی۔ اگر ایک عورت اور ایک مرد کی عمر سو سال کے قریب ہوجائے تو اس کے سارے بچے ملا کے' شادی در شادی کرا کے' اچھا خاصہ مجمع بن جاتا ہے' سو دو سو بچے ہوسکتے ہیں۔ عجب واقعات ہیں۔ اس لیے آپ یہ بات سمجھیں کہ آپ ایک تو اپنی اہمیت دریافت کررہے ہیں اور آپ کی ایک اہمیت اللہ نے رکھی ہوئی ہے۔ اس لیے میں یہ نصیحت کررہا ہوں کہ اپنے آپ کو اس کے کسی کام میں Involve کردو' مسجد میں اگر چراغ جل رہا ہو' ''میت کا ڈیوا'' جل رہا ہو تو جاتے جاتے اس میں تھوڑا سا تیل ڈال جاؤ۔ اس دیے نے بجھنا نہیں ہے۔ سرسید نے کیا کام کیا کہ ہر جگہ جا کے پیسے مانگنے شروع کردیے۔ سرسید نے کہا بے شک ایک پیسہ دو۔ انجمن حمایت اسلام نے ایک ''فنڈ کنستر'' بنایا' ایک جگہ پر بہت بڑا کنستر رکھ دیا اور کہا کہ اس میں ایک چلو آٹا ڈالتے جاؤ۔ اس سے انجمن حمایت اسلام کی بہت بڑی بلڈنگ بن گئی۔ تو تھوڑا سا آٹا ڈالتے ڈالتے سمندر بن گیا' چڑیا کی چونچ سے سمندر بن جاتا ہے۔ اتنی سی بات سے انجمن حمایت اسلام نے لاہور میں اور

پشاور میں اسلامیہ کالج بنا لیے اور ان کالجوں سے کیا کیا کچھ نہ ہوا۔ تو کروڑ پتی کی Donation اتنی اہم نہیں ہے جتنا چڑیا کی چونچ سے پانی اہم ہے۔ چڑیا کی چونچ کی کل کائنات چند قطرے ہیں مگر اس بیچاری نے وہ بھی دے دیے کہ میں بے شک پیاسی رہ لوں گی۔ گویا کہ یہ ہے آپ کا مزاج کہ اللہ کے رُوبرو آپ نے کیسے جانا ہے۔ تو آپ Easy ہو کے جائیں' Comfortable ہو کے جائیں۔ اس چیز کا فائدہ ہی کیا ہے جس کا بعد میں آپ نے ایکسیڈنٹ کر لینا ہے۔ اس بادشاہی کا کیا فائدہ جس میں آپ کو آدھا ملک بددعا دے اور آدھا ملک آپ کے ساتھ ہو۔ تو یہ سارے واقعات غور کرنے والے ہیں۔ ہر چیز جو ہے وہ اہم ہے چاہے جتنی بھی Ignore کرنے کے قابل بنے۔ میں کہتا ہوں کہ کانٹے کی بھی بڑی اہمیت ہے۔

سوال:

جب رات کو ہم اللہ تعالیٰ سے اپنی غلطیوں کے لیے شرمندہ ہو کر دعا مانگتے ہیں تو بڑی لذت ملتی ہے۔ اگر ہم غلطی نہیں کریں گے تو پھر یہ لذت کیسے ملے گی؟

جواب:

دو قسم کی فریاد ہوتی ہے' ایک قسم یہ ہے کہ میں نے حکم عدولی کی یا مجھ سے حکم عدولی ہو گئی ہے اور اب مجھے معاف کر کے نارمل انسان بنا دیا جائے۔ تو یہ فریاد ہے۔ نارمل کا معنی یہ ہے کہ جیسے بچہ تھا' معصوم تھا۔ یہ فریاد کا ایک حصہ ہے۔ دوسری فریاد یہ ہے کہ :

غم جوانی کو جگا دیتا ہے لُطفِ خواب سے
ساز یہ بیدار ہوتا ہے اسی مِضراب سے

تو یہ غم ہے اور یہ محبت کرنے والوں کو پتہ ہوتا ہے کہ غم کیا ہے۔ یہاں بندہ یہ کہتا ہے کہ اللہ کی ناراضگی ہم سے برداشت نہیں ہوتی۔ گناہ کی معافی کا تعلق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ Man کو Man بنا دے' ہم وحشت میں چلے گئے تھے' تُو انسان بنا دے۔ تو یہ گناہ کی معافی کا Concept ہے اور یہ جو محرومی کا Cocept ہے کہ:

روزِ حساب جب میرا پیش ہو دفترِ عمل

اور دوسری بات یہ ہے کہ انسان کہتا ہے کہ یا اللہ مجھے اپنا تقرب عطا فرما۔ تقرب کے محروم ہونے کے اندیشے سے جو فریاد ہوتی ہے وہ اور شے ہے' وہ قرب والوں کی خواہش ہے' سوز والے اور محبت کرنے والے اس بات کو جانتے ہیں' کہ Love کیا ہے۔ ان میں Nearness کی خواہش ہوتی ہے' Nearness' قرب نہ ملے تو فریاد نکلتی ہے۔ یہ گناہ کی بات نہیں ہے۔ اس کا گناہ ثواب سے واسطہ ہی نہیں جو محبت کرنے والا ہے' وہ تو اللہ کا تقرب چاہتا ہے' قریب رہنا چاہتا ہے۔ تو قرب سے محروم رہنے والے کی جو فریاد بنتی ہے وہ اور ہے۔ تو یہ بھی فریاد ہے۔ اس میں اتنا ہی سوز ہے بلکہ زیادہ ہے۔ ایک اور فریاد یہ ہوتی ہے کہ یا اللہ یہ نادان ہیں' ان کو معاف رکھنا...... تو سونے والوں کے لیے جاگنے والا فریاد کرتا ہے۔ یہ اقبالؔ اور اس طرح کے لوگ ہوتے ہیں' ملت کے لیے ملت کے پاسبان دعا کر رہے ہیں' فریاد کر رہے ہیں' شب بیداری کر رہے ہیں۔ پیغمبر جو ہیں وہ راتوں کو جاگ جاگ کر دعا کرتے ہیں' رو بھی رہے ہیں اور دعا بھی کر رہے ہیں۔ تو یہ سوز وہی ہے۔ اور آپ جو گناہ کی معافی کی بات کر رہے ہیں وہ

سوز کا ایک درجہ ہے۔ اس کے علاوہ سوز کے بہت سے درجے ہیں۔ اللہ کے قریب رہنے والا بھی سوز میں ہوتا ہے' وہ روتا ہے کہ یہ شان ہے' کتنی عطا ہے کہ میں قریب ہوں۔ اس سے پوچھا گیا کہ اب کیوں روتا ہے تو اس نے کہا میں اس عطا پر رو رہا ہوں' کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مجھ سے چھن جائے۔ تو دعا کرو کہ یہ دولت سرمدی چھن نہ جائے۔ تو یہ رونا ایک خاص مقام ہے' ایک سوز ہے اور یہ رونا محرومی کا نہیں ہے بلکہ حاصل کا ہے' غم کا ہی نہیں' خوشی کا بھی ہوتا ہے' پہلے جدا ہو کے روئے تھے' اب مل کے روئے ہیں...... رونے والوں کی الگ کہانی ہے۔ تو صرف گناہ سوز کا باعث نہیں گناہ ندامت کا باعث ہے۔

سوال:

سفر میں جو لذت ہے وہ منزل میں تو نہیں ہو سکتی ......

جواب:

اگر سفر کا مقصد دنیاوی ہے تو سفر میں لذت بھی نہیں ہے اور اگر سفر دینی ہے یا الٰہیات کا ہے تو اس میں تو منزل ہے ہی نہیں۔ اس میں تو چلتے چلو۔ وہاں پر منزل کے آنے کا سوال ہی نہیں۔ وہ اور ہی سفر ہے اور اس میں صرف چلتے جاتے ہیں۔ وہ سفر جو ہے وہ پیدل بھی نہیں ہوتا' صرف انتظار کا سفر ہے وہ' کہ یا اللہ یہ Chapter تو دیکھ لیا ہے اب اس سے اگلا Chapter دکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ دکھاتا ہے' جلوہ نظر آتا ہے۔ جلوؤں کی طلب جو ہے یہ ایک اور قسم کی کہانی ہے اور اس کہانی کے اندر سب فقیریاں پوری ہو جاتی ہیں' فقیری' درویشی سب پورے ہو جاتے ہیں۔ آگے پھر جلوہ ہی جلوہ ہے اور جلوے کے آگے صرف ذات ہے۔ ذات سے کم' پہلے جلوہ ہوتا ہے اور جلوے کے آگے ذات ہے۔ دنیا میں اس کا

صرف ذکر ہے' تلاش ہے' ساتھی ہیں' رنگ ہے اور آگے صرف جلوہ ہی جلوہ ہے۔ یہ ذات کے قریب ہے اور اس کے بعد صرف ذات ہے۔ وہ پھر اور کہانی ہے۔ ذات کے رُوبرو کوئی گیا یا نہ گیا' یہ الگ بات ہے' چاہے وہ اس کی ذات ہو یا پھر وہ ذات ہو۔ ذات کے رُوبرو ہونے سے کہانی اور ہو جاتی ہے۔ اس لیے آپ خواہش کو اضطراب نہ بننے دیں بلکہ انتظار کریں' پھر آپ شدت سے بچ جائیں گے۔ اس لیے انتظار کرنا۔ یہ نہ کہنا کہ یا اللہ یہ بھی دے اور وہ بھی دے۔ اگر اس نے دے بھی دیا تو کیا کرو گے؟ پھر چھوڑنا مشکل ہو جائے گا' سمیٹنا بھی مشکل ہو جائے گا۔ ہر آدمی اپنے آپ کو کچھ عرصہ کے بعد Reshape کرنا چاہتا ہے' Reform کرنا چاہتا ہے' اپنے مکان سے انسان کچھ عرصہ کے بعد خود تنگ آ جاتا ہے' اپنے ماحول سے خود ہی بیزار ہو جاتا ہے' کہتا ہے اب اپنے آپ کو ذرا Renew کر لیں...... اور اگر اللہ کی شان کی طرف رجوع کریں تو پھر کل یوم ھو فی شان اس کی روز ہی نئی شان ہے' روز ہی نیا واقعہ ہے۔ تو آپ اس کا انتظار کریں۔ اگر اس کا خیال آپ کے دل میں ہوگا تو سمجھو کہ آپ کا خیال اس کے پاس ہے۔ بنانے والے نے کچھ بھی نامکمل نہیں بنایا۔ جب تک تم اپنے آپ کو سوچ کا کاریگر سمجھنا بند نہیں کرو گے تب تک تم پر الطاف نہیں ہوگا' لطف' نعمت اور رحمت نہیں ہوگا۔ اگر تم خود کو کاری گر سمجھتے ہو تو سب کر کے دیکھو' اگر تم بڑے ڈرائنگ ماسٹر ہو تو مکڑی کا جالا ہی بنا کے دیکھو ......

سوال:

اگر سب چیزیں چھوڑ دی جائیں تو پھر اپنا کیا رہ گیا؟

جواب:

جس نے بنایا ہوا ہے اس نے ورک الاٹ کیا ہوا ہے، جب آپ اللہ کی رحمت میں داخل ہو جائیں Once you enter his domain تو پھر وہی آپ کو بتائے گا کہ یہ کرو۔ دفتر میں اسی طرح جائیں گے جیسے جا رہے ہیں، بس صرف یہ پوچھو کہ میں اب کیوں جاؤں دفتر میں۔ وہ کہے گا کہ اب بچوں کو چیزیں Provide کرو اللہ کے Behalf پر۔ اب آپ اللہ کے سپاہی بن کر اللہ کی مخلوق کی پرورش کریں گے یعنی اپنے بچوں اور بیوی کی۔ پھر آپ کے پاس کوئی ایسی بڑی خواہش نہیں رہے گی۔ اب آپ میں لوگوں سے آگے نکلنے کی خواہش کی بجائے اللہ کے قریب ہونے کی خواہش ہوگی۔ اگر آپ کو یہ پتہ چل جائے کہ یہاں رہنے میں اللہ راضی ہے اور دو قدم آگے جانے میں راضی نہیں ہے تو آپ وہاں ہی رہیں گے۔ اب یہ شعور آپ میں آ گیا۔ پھر اگر آپ سے کہا جائے گا کہ اللہ اس بات پر راضی ہوگا کہ آپ استعفیٰ دے دیں تو آپ استعفیٰ دے دیں گے۔ تو یہ آپ کی تسلیم ہے۔ میں اس کی گواہی دوں گا۔ تسلیم اللہ کی ہے اور میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ میں درمیان میں صرف آپ کو Inform کرنے والا ہوں۔ اصل میں داستان کیا ہے؟ اللہ کی ہے۔ آپ سے کوئی پوچھے تو آپ کہیں کہ ہمیں تمنا اللہ ہی کی ہے۔ یہ پکی خبر ہے۔ یہ بات ضرور ہو کہ گواہ ہونا چاہیے۔ میں گواہ ہوں اور آپ بھی گواہ ہیں کہ ہم فی سبیل اللہ اکٹھے ہوتے ہیں، اس کے علاوہ ہمارا اور کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمارا تعلق صرف اللہ کے نام پر اکٹھے ہونا ہے۔ تو ایک دوسرے کی یہ ہماری گواہی ہونی چاہیے۔ صرف فی سبیل اللہ، ہمیں اللہ کی رحمتوں کے حصول کے لیے اکٹھا ہونا چاہیے۔ اُس کی فارم یہی ہے کہ ایک

بولتا ہے اور دوسرا سنتا ہے۔ اور ایسا ہوتا رہا ہے اور یہی صحیح ہے...... یہ اس لیے ہے کہ خود آواز سننا بہت مشکل ہے' پردے کے پرے سے بھی آواز برداشت نہیں ہوتی' اس کے لیے کیا کیا چاہیے ہوتا ہے۔ یہ پھر اس کے کام ہیں۔ بس آپ انسان کی آواز سنیں تو یہی بہت اچھا ہے۔

سوال:

یہاں جو ہم لوگ بیٹھے ہیں یہ وہاں آگے بھی اکٹھے ہونے چاہئیں......

جواب:

وہاں بھی یہی ہے۔ جو یہاں ہے وہ وہاں ہے۔ وہاں کے لیے ہی تو یہاں بیٹھے ہیں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہی ہے جو یہاں ہے۔ یہاں کا جو گروہ ہے اس نے وہاں پہنچنا اور وہاں جا کے الگ الگ ہو جانا ہے۔ کس طرح الگ الگ ہو جانا ہے؟ جب پانی سمندر میں مل گیا تو سمندر ہو گیا' سمندر میں پہنچنے تک وہ دریا ہی رہے گا۔ پھر تو جو قطرہ جا کے مل گیا' وہ مل گیا اور اس کی کہانی اور ہو گئی۔ پھر یہ حکم ہے کہ جب آفتاب کے رُوبرو ہو گئے تو محو ہو جاؤ' محویت کے وقت گرد و پیش کا پتہ نہیں ہوتا۔ مثلاً یہاں سے عمرہ پہ یا داتا صاحبؒ جاتے ہیں' جب اندر داخل ہوتے ہیں تو پھر وہاں سربراہ لیڈر یا پیر نہیں ہوتا! That's all' بس!

؎ پردے اُٹھے ہوئے بھی ہیں اُن کی اِدھر نظر بھی ہے
بڑھ کے مقدر آزما سر بھی ہے سنگِ در بھی ہے

گیٹ کے اندر لانے کی ذمہ داری ہوتی ہے' آگے بات نہیں ہوتی' آگے سر ہے' چوکھٹ ہے' منزل ہے۔ تو بات صرف داخل ہونے تک ہے' داخلے کے بعد کی

کیفیت آپ کی اپنی ہے۔ آگے سارے کے سارے بے بس ہوتے ہیں' اپنے اپنے عہدوں سے معزول ہوتے ہیں۔ عہدے صرف یہاں ہیں' مرتبے یہاں ہی ہیں اور جب وہاں چلے گئے تو کسی کو چپ کرا دیا جائے گا' خموش کرا دیا جائے گا' کسی کو بلوانا شروع کر دیں گے۔ دوسرا کوئی درمیان میں نہیں بول سکتا۔ باپ کہیں بیٹھا ہو گا اور بیٹا کہیں اور بیٹھا ہو گا' جیسے مرضی وہ بٹھائیں' آگے اس کی مرضی ہے۔ کیا وہاں کے آداب آپ کو سمجھ آ رہے ہیں؟ یہ جو آداب یہاں ہم سکھا رہے ہیں یہ آداب آپ کے لیے بڑے موزوں ہیں اور میرے لیے آزمائش ہے۔ مجھے بارہا بتایا جاتا ہے کہ کہیں ایسا نہ سمجھنا کہ یوں ہے اور تم ویسے ہو' کیا پتہ آگے جا کے کیا ہونا ہے...... تو آداب سکھائے جاتے ہیں اور تم نے آداب سیکھے ہیں۔ تو اس ادب سے جب کسی بڑی محفل میں جانا نصیب ہو گا تو آپ نے بڑے ادب سے سننا ہے۔ کسی اور جگہ کوئی بزرگ مل گیا تو آپ نے ادب سے سننا ہے' یہ دیکھنا ہے کہ اگر یہ شخص کسی Truth کے ساتھ Related ہے تو اس کے ساتھ ادب کے ساتھ بات کرنی ہے کیونکہ کل پتہ نہیں کس رنگ میں کون آ جائے۔ تو یہ اصل بات ہوتی ہے۔ ورنہ اگر ہم خانقاہ بناتے' پیری فقیری کرتے تو آپ کو الگ الگ بلاتے اور آپ پر الگ الگ چھری چلتی جیسا کہ پیر اپنے مرید کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ محفل اس لیے اکٹھی کی ہے تاکہ یہ شعور کی محفل بنے۔ اس لیے پیر خانہ نہیں بنایا ہم نے۔ وہ اور حساب ہے' وہ الگ الگ حساب ہے' ایک گروہ چپکے سے بیٹھا رہتا ہے اور باقی آنے والے جانے والے کام کرتے رہتے ہیں' اُن کے کام ہو جاتے ہیں بلکہ کام تمام ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اور بات ہے اور یہ اور بات ہے' یہ شعور کی محفل ہے۔ اس کا تعلق اور بات سے ہے' اس کا

تعلق یہ ہے کہ آپ باہوش ہو کے آگے کو چلیں' باصلاحیت ہو کے چلیں' دیکھتے ہوئے اور پہچانتے ہوئے چلیں۔ شاید یہ ہو جائے کہ ملت کے لیے کچھ کام کرنا درکار ہو۔ کیا پتہ کس وقت کیا ضرورت پڑ جائے۔ آپ کو صلاحیتیں دی جا رہی ہیں' بڑی آزمائش میں دی جا رہی ہیں' آپ آسانی سے یہ سب کچھ نہیں بن رہے بلکہ بڑی تکلیفوں میں سے بھی گذر رہے ہیں۔ لیکن یہ جو "پرزہ" بن رہا ہے جب یہ اپنا کام کرے گا تو وہ صحیح مقام پہ کرے گا۔ اس وقت تو آپ پریشر میں سے جا رہے ہیں لیکن اچھی طرح جا رہے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ دروازہ کھولے گا تو ایک واقعہ بن جائے گا۔ پھر قریب ہی' الگ الگ ڈیوٹی کا وقت آ جائے گا۔ آپ جس راستے سے گذر رہے ہیں' باہوش گزر رہے ہیں' شکر کریں۔ جن جن واقعات میں سے آپ گزر رہے ہیں ان واقعات میں اکثر لوگ ہوش کھو بیٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مہربانی کر رہا ہے کہ آپ ہر پریشر میں سے گذر رہے ہیں' قائم ہیں...... دعا یہی ہے کہ آپ قائم رہیں۔ آپ اپنا شعور قائم رکھیں' باہوش رہیں' بات سمجھیں' یہ محفل ایک Rare event ہے' تبھی میں کہتا ہوں کہ سوال کرو' سوال کرو' سوال کرو ...... اب بولو ...... اور سوال کرو ......

سوال:

کیا انسان کے بس میں ہے کہ وہ God Consciousness میں پہنچ سکے؟

جواب:

اب یہ انسان پر Depend کرتا ہے' وہ اگر Love conscious ہو گیا تو God Conscious ہو جائے گا' جو آدمی محبت آشنا ہو گیا وہ خدا آشنا ہو گیا یا

جو آدمی محبوب آشنا ہو گیا وہ خدا آشنا ہو جائے گا۔ تو انسان God Consciousness میں پہنچ سکتا ہے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ God خدا ایک Powerful entity ہے جو بظاہر Exist نہیں کرتی' بظاہر موجود نہیں ہے اور جتنے موجود آدمی ہیں وہ اس کا ذکر کر رہے ہیں۔ ان کے پیچھے کوئی God Conscious بندہ ہے جس نے انہیں اس کے پیچھے لگایا ہوا ہے۔ تو یہ جو آپ کا سوال ہے کہ کیا خدا کی آشنائی یا شعور ہو سکتا ہے' قرب یا آگہی ہو سکتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آگہی تو ہوئی پڑی ہے' آگہی ہے...... دنیا کے اندر یہ جو God کا' خدا کا تذکرہ ہے تو خدا نے کبھی آ کے یہ نہیں کہا کہ میں خدا ہوں۔ آج تک یہ بات نہیں ہوئی' یہ واقعہ نہیں ہوا کہ اس نے کہا ہو کہ میں God ہوں' وہ کبھی Visible form میں نہیں آیا' موسیٰ علیہ السلام کو طور کے مقام پر ایک دفعہ آواز آئی تھی کہ میں تمہارا رب ہوں۔ تو اس دنیا میں تذکرۂ خداوندی جو ہے یہ کسی بندے کی بات ہے جس نے آپ لوگوں کو آگاہ کیا ہے' Convince بھی کیا ہے' قائل بھی کیا ہے اور مائل بھی کیا ہے' آپ کو اس طرف گامزن بھی کر دیا ہے...... تو وہ بندہ جو ہے وہ God Consciousness میں ہے۔ تو آپ کے پاس خدا کا شعور اور خدا کی طرف رجوع جو ہے جس شخص کی طرف سے آیا وہ God Conscious ہے' اطلاع یہ دے رہا ہوں کہ یہ حضور پاک ﷺ کے علاوہ کہیں نہیں ہوا' انہوں نے انسان کو خدا کے شعور پر گامزن کیا اور انہی کے حوالے سے بتدریج بات چلتی آ رہی ہے۔ تو آج کا انسان یا مسلمان یہ جو خدا کے شعور کے بارے میں بات کر رہا ہے تو اُسے یہ شعور کسی انسان نے دیا ہے۔ اور انسان نے شعور کہاں سے لیا؟ ہر انسان اِس اُمت کا جو خدا کی آگہی کے بارے میں تذکرہ کرتا ہے وہ سارے کا سارا حضور اکرم ﷺ کے

فیض ہے۔ تو اُس ذات کا نام ہے God Conscious ' ان کو خدا آ گہی ہے '
خداشناسی ہے اور خدا کا قرب ہے۔ God Consciousness ضرور ہوتی ہے ' تو
God Consciousness رکھنے والوں نے ہی God کا تذکرہ کیا ورنہ
It was never your experience اور God was never your discovery
آپ کے لیے اس سے ملاقات کا کبھی امکان نہیں کہ
There comes a form, there comes a personality or entity
which says I am God, I have created you ...... کبھی نہیں ' Never
نہیں۔
There comes an announcement from a man who says that
you have been created by God تو خدا کبھی آپ کے سامنے آ کے یہ
نہیں کہے گا کہ میں تمہارا خدا ہوں اور میں نے تمہیں بنایا ہے بلکہ یہ اعلان کسی
انسان کی طرف سے آئے گا کہ تمہیں خدا نے تخلیق کیا ہے۔ اور آپ یہ تسلیم کر
لیں گے۔ آپ نے یہ کس زعم میں تسلیم کیا؟ اس لیے کہ انسان کے پاس
God Consciousness ہے۔ یہ تو آپ کی ابتدا ہے ' یہ مانیں گے تو آپ
مسلمان کہلائیں گے۔ پیغمبر تو خدا نے بنایا اور پیغمبر کو مانیں تو پہلے خدا کو ماننا پڑے
گا ورنہ آپ کسی کو نبی مان ہی نہیں سکتے کیونکہ نبی کون ہوتا ہے؟ خدا کا نامزد۔ اور
یہ خدا کی طرف سے ٹائیٹل ہے۔ تو پہلے آپ نے نبی کو مان لیا کہ آپ اللہ کے
بنائے ہوئے ہیں حالانکہ اللہ کو آپ نے ابھی ماننا ہے۔ تو ان کی
God Consciousness اتنی پاورفل ہے کہ انہوں نے Almost God ہو کے
بات کی ہے۔ یہ "Almost" بڑا Important ہے ' اہم ہے۔ That is why

کہ لوگوں نے کہا کہ یہ Insist اصرار کرتے ہیں کہ ہم انسان ہیں مگر یہ انسان کی بجائے کچھ اور ہیں..... تو پھر انہوں نے کہا کہ بات سنوانا بشر مثلکم یوحی الـی میں تمہاری طرح انسان ہوں اور مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ تو یہ ہے ساری بات۔ راز راز میں راز فاش ہو جاتا ہے۔ تو God Consciousness رکھنے والا Almost expresses like God' لوگوں کو اسی طرح احکام دیتا ہے۔ اب ایسا کوئی شخص نہیں ہے جو حدیث اور قرآن کے درمیان فرق نکالے اور یہ کہے کہ حدیث جو ہے وہ قرآن سے Inferior ہوتی ہے۔ خدا تو خدا ہے اور اس کا کہا ہوا قرآن ہے' اور آپ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے قرآن اور حدیث دونوں کو ماننا برابر ہے۔ پیغمبرؐ کا حکم ایسا ہے کہ اگر فرض نماز پڑھ رہے ہوں اور وہ بلا لیں تو نماز چھوڑ دی جاتی ہے۔ اور جو یہ کہے کہ یہ فرض ہے اور ہم نہیں چھوڑیں گے تو وہ اسلام سے فارغ ہے..... تو ہمارے لیے دونوں فرض ہیں' ایمان بھی اور عشق بھی۔ ایمان' اللہ ہے اور عشق' حضور پاک ﷺ ہیں۔ سلطان باہوؒ نے فرمایا ہے کہ

ایمان سلامت ہر کوئی منگے۔ تے عشق سلامت کوئی ہو

جنہوں نے عشق کی سلامتی مانگی ہے انہوں نے حضور پاک ﷺ سے عشق کی سلامتی مانگی ہے' تو وہ اب Superior ہو گیا..... تو اگر God Consciousness نہ ہو تو کوئی شخص کسی تلوار کے نیچے گردن نہیں رکھ سکتا اور وہ حالات کے ساتھ Compromise کر لے گا۔ لوگوں نے امامؑ سے کہا کہ آپ بیعت کر لیں اور چلے جائیں مگر انہوں نے کہا نہیں۔ انہیں کہا گیا کہ پھر موت ہے تو انہوں نے کہا کہ موت کو آنے دو۔ چونکہ انہیں God Consciousness ہے اس لیے انہیں پتہ ہے کہ نہ کہیں سے آنا ہے اور نہ کہیں جانا' جان دینی ہے اور جان اُسی کی ہے

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تو یہ God Consciousness والے لوگ ہیں۔ داتا صاحبؒ ہوں یا خواجہ صاحبؒ ہوں' انہوں نے اپنا وطن چھوڑا' وطن کا آرام چھوڑا' اپنی Language اور Mother tongue چھوڑی' پیدل چلتے ہوئے' کئی ہزار میل پیدل چلتے ہوئے یہاں لاہور شہر کے باہر آ کر بیٹھ گئے۔ نام ان کا علی ہجویریؒ ہے۔ اگر God Consciousness نہ ہو تو آدمی یہ نہیں کر سکتا بلکہ He could have lived in his own village وہ اپنے علاقے میں ہی رہتے مگر وہ پردیس میں آ گئے' اور وہ اس زمانے کا پردیس تھا' زبان بھی نہیں آتی تھی اور پھر ہندوؤں کے پاس آ گئے۔ تو یہ God Consciousness ہے بلکہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں۔ نبی کا اور رسول کا ٹائیٹل تو اب بند ہو چکا ہے' نبی کہلانا اب منع ہے کیونکہ حضور پاک ﷺ کے بعد نبی کوئی نہیں ہے اور اللہ نے یہ ٹائیٹل بند کر دیا لیکن ان بزرگوں کا کام وہی ہے۔ ہم جس ولی کے پاس جاتے ہیں اس کی بات اس طرح مانتے ہیں جس طرح خدا کی بات مانتے ہیں کیونکہ حکم ایسا ہوتا ہے۔ مولانا رومؒ نے خوب کہا کہ جس نے اِس کو مانا اُس نے اُس کو مانا۔ اولیاء کی جو بات ہے وہ انبیاء کی بات ہے اور انبیاء کی جو بات ہے وہ خدا کی بات ہے۔ تو یہ شعور ہے۔ وہ انسان جب آپ کو کبھی زندگی میں ملیں گے تو ان کی بات آپ کے لیے اتنی اہم ہو جاتی ہے جیسے Almost یہ حکمِ الٰہی ہے۔ تو اس کے پاس God Consciousness ہوتی ہے' چاہے وہ اعلان کرے یا نہ کرے۔ جہاں آپ Surrender کر جاتے ہیں' جہاں آپ Obey کرنا شروع کر دیتے ہیں تو آپ

غائب خدا کو Obey نہیں کرتے بلکہ آپ کسی نظر آنے والے انسان کو Obey کر جاتے ہیں' Obey کرنے والا اندر کا شعبہ بتاتا ہے کہ میں Obey کر رہا ہوں...... تو وہاں یہ God Consciousness والے لوگ ملنا شروع ہو جائیں گے اور پھر چل سو چل۔ اگر اس God Consciousness کا ترجمہ کیا جائے تو یہ ہو گا کہ Obedient in love یعنی محبت سے اطاعت کرنا۔ اگر Love قائم رہے گی تو اطاعت قائم رہے گی۔ بعض اوقات اطاعت ہوتی ہے لیکن Love نہیں ہوتی۔ اگر کوئی خاوند اپنی بیوی پر حکم چلا دے کہ یہ کرو وہ کرو اور Love نہ کرے تو بیوی بھی آٹومیٹک مشین کی طرح اطاعت کرے گی لیکن Love نہیں کرے گی۔ تو یہ سارا رشتہ منسوخ ہے' حرام ہے' نہ وہ میاں ہے اور نہ یہ بیوی ہے۔ بغیر محبت دیے ہوئے اطاعت کرانا ظلم ہے' حرام ہے اور منسوخ ہے۔ اور بیوی کی طرف سے بغیر ادب کیے ہوئے اطاعت کرنا اس کی منافقت ہے۔ کتنے گھر اس کی زد میں آتے ہیں آپ یہ مت بیان کرنا' اس بات کو چھپا ہی لو......
اگر یہ سارا بیان ہو گیا تو پھر آدھے سے زیادہ گھر اس کی نذر ہو جائیں گے۔ ایسی صورت میں کھانا پینا اور Relation رکھنا میری طرف سے حرام ہے' کہ دو بول محبت کے دے نہیں سکے اور چار چابکیں حکم کی مار دی ہیں۔ اس طرح گھر ٹوٹ سکتے ہیں' ختم ہو جائیں گے۔ جب تک ایسا خاوند سامنے ہو گا وہ اطاعت کرتی جائے گی اور جب وہ سامنے نہیں ہو گا تو وہی کچھ کرے گی جو تم اس کی عدم موجودگی میں کرنا چاہتے ہو' جو تم اپنی تنہائی میں کرتے ہو وہی کچھ وہ تنہائی میں کرے گی' تم صحیح تو وہ صحیح' تم غلط تو وہ غلط۔ یہ ناممکن بات ہے کہ تم غلط ہو جاؤ تو وہ صحیح ہو جائے' یہ قیامت تک ناممکن ہے۔

سوال:

اللہ کے بارے میں ہماری جو سوچ ہے اس کا ایمان کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

جواب:

ایمان جو ہے یہ ہماری سوچ کی اصلاح کرتا ہے۔ سوچ' آزاد سوچ جو ہے اس کا End بغاوت ہے' ماحول سے بغاوت' اپنے آپ سے بغاوت اور کسی قسم کی آسمانی بندش سے بغاوت۔ تو سوچ جو ہے وہ دریافت کرتی ہے اور خدا دریافت نہیں ہو سکتا' نتیجہ یہ کہ سوچ باغی ہو جاتی ہے۔ نصیب والے لوگ ہوتے ہیں جنہیں ایمان پہلے مل جائے اور سوچ بعد میں ملے۔ ایسے لوگ خوش نصیب کہلاتے ہیں کہ عرفان بھی مل گیا اور ایمان بھی۔ جو جس ایمان والے کو سوچ مل جائے وہ صاحبِ عرفان بن جاتا ہے۔ اور اگر ایمان نہ ہو اور سوچ مل جائے تو وہ باغی بن جائے گا۔ مفکر یا پروگریسو یہ کہے گا کہ I went up and up but there was no God میں نے آسمانوں میں اُسے بڑا تلاش کیا لیکن خدا نہیں ملا۔ اس طرح تو وہ مل ہی نہیں سکتا' وہ ملنے والی ذات نہیں ہے بلکہ ماننے والی ذات ہے۔ ایمان کے بغیر سوچ والا کہے گا کہ پیغمبر کو ہم پہ کیا فوقیت ہے اور ہمارے والدین کو ہم پر کیا فوقیت ہے Were they so much educated تو اگر اس کے والدین نے ایم۔ کام یا ایم بی بی ایس نہیں کیا تو پھر...... لیکن عزت ان کے پاس تھی اور تعلیم آپ کے پاس زیادہ ہے' ان کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں ہوں گے جتنے ڈالر آپ کے پاس ہیں لیکن عزت پھر بھی اُن کی ہے' وہ شہر میں نہیں رہتے تھے بلکہ کسی دیہات میں رہتے تھے اور عزت پھر بھی اُن کی ہے۔ تو

ایسی سوچ کبھی بھی یہ بات تسلیم نہیں کر سکتی کہ :

Why you respect a person who never was educated so much, he was never in a cosmopolitan city, never so wealthy مگر Respect اُسی کی ہے' عزت اُسی کی ہے۔ تو سوچ جو ہے وہ یہاں آ کے باغی ہو جاتی ہے' وہ منتشر ہو جائے گی۔ اگر ماں پڑھی لکھی نہیں ہے لیکن حکم یہ ہے کہ ادب اسی کا کرو' سوچ یہ نہیں کرے گی۔ اور اگر ایمان یا عقیدہ پہلے ہو اور سوچ بعد میں ہو تو پھر ساری بات کا جواب مل جاتا ہے۔ اس لیے سوچ ہمارے عقیدے کا حصہ اس وقت بنتی ہے جب عقیدہ پہلے آ جائے۔ اور اگر سوچ پہلے آ جائے تو خطرہ ہے اور پھر کچھ نصیب والے ہوتے ہیں جن کی سوچ عقیدہ بن جائے۔ یہ ہو تو جاتا ہے لیکن بہت خصوصی جگہ پر ہوتا ہے جب کسی شخص کا دماغ جو ہے وہ دل بن جائے۔

سوال :

ہم ایمان تو رکھتے ہیں مگر پھر کبھی اللہ کریم کے بارے میں سوچ بھی آ جاتی ہے کہ وہ دور ہے یا بہت قریب ہے ......

جواب :

یہ آپ پر ایک دور گزر رہا ہے کہ اللہ کبھی قریب ہے اور کبھی دور ہے۔

زد میں ہوتے ہیں گاہ یہ افلاک
گاہ میں دم بخود ہوں مثلِ خاک

تو کبھی آسمان زیرِ قدم ہیں اور کبھی زمین سر کے اوپر آئی ہوتی ہے' کبھی آپ مالک ہوتے ہیں اور کبھی آپ کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی' کبھی خدا بہت قریب ہوتا ہے

اور کبھی کچھ بھی قریب نہیں ہوتا' کبھی ساری دنیا اپنی ہوتی ہے اور کبھی اس دنیا میں کوئی اپنا ہے ہی نہیں...... تو یہ انسان کے درجے ہیں۔

پھیلتا ہوں کبھی سمٹتا ہوں
بام و دَر سے کبھی لپٹتا ہوں
گاہ قلزم ہوں گاہ قطرہ ہوں
گاہ ذرہ ہوں گاہ صحرا ہوں
آسمانوں کو چیر جاتا ہوں
جہاں ممکن ہے سر چھپاتا ہوں
گاہ پربت بھی چل کے آیا ہے
میرا سایہ بھی گاہ پرایا ہے

تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ پاس سے ادب کے ساتھ گذرنے والے آج آنکھیں چرا کر گذر گئے۔ تو وہ جو آنکھیں ملانے والے تھے وہ آج آنکھیں چرا کے گذر گئے۔ تو یہ وقت بھی آتا ہے۔ یہ انسانی درجے ہیں' وہ جو بے تاب رہا کرتے تھے آج نہیں ملے' اس گلی سے چکر لگا کے بیزار ہو کے پھر چلا گیا۔ انسان کبھی کبھی اپنے کارناموں سے بیزار ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ کی بات نہیں ہے بلکہ آپ کے پھیلاؤ کی بات ہے' پھیلنا اور سمٹنا تمہارے ہی نام ہیں' جس طرح ریشم کا کیڑا ریشم بنانے کے بعد اپنے آپ سے بیزار ہو جاتا ہے۔

دنیا کی محفلوں سے اُکتا گیا ہوں یا رب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا

اور پھر وہ یہ کہتا ہے کہ :

شہرت سے بھاگتا ہوں اور دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

تو کبھی کبھی اس کا جی چاہتا ہے کہ آؤ وہاں جا کے ڈیرے لگائیں مگر وہاں ڈیرہ نہیں لگے گا۔ یہ انسان کا مزاج ہے۔ یہ خدا کے درجے نہیں ہیں بلکہ یہ آپ کے درجے ہیں۔ اس لیے سوچ کا ہونا صاحبِ ایمان کے لیے مبارک ہے۔ یہ دونوں سوچیں صحیح ہیں کہ کبھی خدا قریب ہے اور کبھی خدا دور ہے' کبھی خود ہی چل کے آتا ہے اور کبھی ہم اس کو خود بلاتے پھرتے ہیں۔ There was a time ایسا وقت تھا جب ہمارے پاس ڈیمانڈ نہیں تھی' تقاضہ نہیں تھا اور اللہ نے کہا کہ جنت میں رہو۔ اس نے ہمارے مانگنے سے پہلے جنت دے دی اور اب آپ مانگ مانگ کے مرتے جا رہے ہیں۔ اب دوزخ کا ذکر بھی ساتھ ہے۔ اب یہ دقت والی بات ہے۔ پہلے خود جنت دے دی اور شعور بھی دے دیا۔ وہ شعور ایمان سے کمزور تھا۔ اگر ایمان مضبوط ہوتا تو اللہ نے کہا تھا کہ **لا تقربا ھذہ الشجرۃ** اس درخت کے قریب مت جانا۔ شعور تو یہ سوچ دے گا کہ اللہ نے کیوں کہا ہے کہ اس درخت کے قریب مت جاؤ' چلو جا کے دیکھو۔ یہ دن آ گیا اور آپ جا جا کے دیکھتے ہیں اور وہ منزل جو آپ کو Originally عطا ہوئی تھی وہاں تک جانا مشکل ہو گیا ہے۔ جنت کی تعریف کیا ہے؟ ایسی منزل جس کو کھونے کے بعد اس کی تلاش ہو۔ جنت ہمیشہ گم رہتی ہے' اس کے ملنے کی تمنا رہتی ہے' ملتا محبوب ہے اور ایمان کے حوالے سے محبوبِ خداؐ ملتے ہیں اور محبوبوں کے محبوب آپؐ ہیں۔ جب اللہ کے محبوبؐ کے ساتھ محبت ہوئی تو اللہ سے دوستی ہو گئی۔ آپ اللہ کے محبوبؐ کا تذکرہ کرتے جائیں ...... تو دماغ کا اور شعور کا ایمان کے بعد ہونا

ایک نیک دلیل ہے۔ ایمان سے پہلے شعور کا ہونا ذرا مشکل ہے۔ ابوجہل کے پاس شعور تھا لیکن ایمان نہیں تھا۔ تو اس ''ابوالحکم'' کا نام ابوجہل ہو گیا' ورنہ تو وہ دانائی والا تھا' حکمت والا اور علم والا تھا مگر خدا کو نہ سمجھ سکا' ساتھ ہونے والے واقعہ کو نہ پہچان سکا اور پھر نام ''ابوجہل'' پڑ گیا۔ جب سرحدیں مقرر ہو جائیں تو پھر ذہن کا سوچنا اچھی بات ہے' تو آپ ان حدود میں رہ کے سوچیں۔ حدود یہ ہیں کہ آپ کا قیام تھوڑی دیر کے لیے ہے' ہونے سے نہ ہو جانا ہے' آپ کی چاہتیں بڑی محدود ہیں' آپ کی نفرتیں بڑی محدود ہیں' آپ کے غصے بڑے محدود ہیں' آپ کے پیسے بڑے محدود ہیں بلکہ آپ کی ہر شے بڑی محدود ہے' آپ بہت کمزور ہیں' آپ کی گرفت بھی مضبوط نہیں ہے' کمزور ہے' جس چیز کو آپ اختیار میں رکھنا چاہتے ہیں کچھ عرصہ بعد آپ اس سے بیزار ہو جائیں گے' آپ نے جو چیز پکڑ کے سامنے بٹھالی ہے ایک وقت آئے گا کہ اس سے بھاگیں گے' چاہے آپ کا بچہ ہو' کچھ دیر بٹھانے کے بعد کہیں گے کہ یہاں سے جاؤ۔ ہر شے کو جانا ہے۔ اپنی گرفت سے انسان خود آزاد ہو جاتا ہے۔ تو آپ سب چلنے دیں' دریا جدھر جاتا ہے جانے دیں' اور آپ ایمان داری میں رہیں۔......

سوال:

ہم کسی چیز کا جو کفارہ ادا کرتے ہیں تو اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب:

پہلے یہ سمجھ لیں کہ غلطی اور چیز ہے اور گناہ اور چیز ہے۔ گناہ جرم بھی نہیں ہوتا کیونکہ جرم اور چیز ہے اور گناہ اور چیز ہے۔ آپ کے خیال میں آپ جس کو غلط سمجھیں وہ غلط ہوتا ہے اور وہ غلطی ہوتی ہے۔ تو آپ کا کسی شے کو غلط سمجھنا

اُسے غلط بنائے گا۔ حکومت کے قانون کے خلاف کوئی بات کرنا جرم ہے۔ سڑک کے دائیں ہاتھ گاڑی چلانا جرم کہلائے گا اور اس کا فیصلہ حکومت کرتی ہے۔ اور گناہ کا فیصلہ اللہ کرتا ہے۔ وہ بات جو خدا کی نگاہ میں بُری ہے وہ گناہ ہے۔ اور کفارہ کا حکم بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر آپ سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، اللہ کی Will کے خلاف کوئی واقعہ سرزد ہو جائے تو اس کا کفارہ ادا کریں۔ مثلاً آپ کا روزہ چھوٹ گیا تو آپ اتنے مسکینوں کو کھانا کھلائیں اور اگر Willfully کیا ہے تو ساٹھ روزے رکھیں۔ کبھی آپ ایمان سے باہر ہو جائیں تو بھی کفارہ دیں، ہر شے کا کفارہ ہے۔ کفارہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حدود سے تجاوز کرنے کی جو سزا مقرر کی ہوئی ہے اس کو آخرت میں نہ لینے کے لیے اس دنیا میں اس کی Little bit of compensation کرنا۔ تو اس کو کفارہ کہتے ہیں۔ کفارہ Financial، مال کا بھی ہوتا ہے یا روزہ ہوتا ہے یا کوئی اور شے مقرر ہو جاتی ہے تا کہ آگے جا کے آپ کو نقصان نہ ہو۔ اگر آپ کسی چیز کو Misuse کر جائیں، غلط واقعہ کر جائیں، کوئی گناہ سرزد ہو جائے جو رضائے الٰہی کے Against ہو، Pure رضا کے خلاف ہو تو اس کے لیے کفارے مقرر شدہ ہیں۔ کچھ گناہ ایسے ہیں جن کے کفارے نہیں ہیں۔ توبہ جو ہے یہ گناہ سے آگے ہے۔ توبہ اگر نصیب ہو جائے تو اچھی بات ہے۔ اس طرح آپ اپنے آپ کو Easy رکھیں اور Light رکھیں تا کہ کوئی بوجھ نہ رہے۔

سوال:

کیا توبہ کے بعد انسان بَری ہو جاتا ہے؟

جواب:

بشرطیکہ توبہ قبول ہو جائے۔ کافر جو اپنے کفر میں ہے وہ اپنے کفر سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو گیا تو اگر اب If he dies, he dies as a pure man وہ مرتا ہے تو پاک ہو کے مرے گا' اب اُسے ماضی کی سزا نہیں ہو گی۔ تو توبہ Change کرنے والی شے ہے' توبہ کا معنی ہی موڑ مُڑنا ہے۔ اور توبہ کے خیال سے گناہ جاری رکھنا دراصل توبہ سے محرومی ہے' کیا پتہ گناہ کے دوران ہی سانس ختم ہو جائے۔ اس لیے یہ بڑی ضروری بات ہے۔ گناہ ہو جائے تو کفارہ ضرور ادا کر جاؤ۔

سوال:

روزے کا کہتے ہیں کہ یہ گناہوں سے بچانے کے لیے ڈھال ہے تو اس بارے میں Spiritually کیا فائدے ہیں......

جواب:

آپ ایسے سمجھیں کہ ایک گھوڑا آپ کو اپنے اوپر سوار کر کے علاقہ غیر میں لے جاتا ہے' وہ آپ کو سیر کراتا ہے ممنوعہ بستیوں کی۔ یہ گھوڑا نفس ہے۔ اگر آپ فاقہ کریں یا روزہ رکھیں تو یہ گھوڑا Bridled ہو جاتا ہے' لگام میں آ جاتا ہے اور پھر وہ آپ کو کہیں لے کے نہیں جاتا اور نہ آپ کو کہیں جانے دیتا ہے۔ جب آپ نے روزہ رکھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے روزہ واقعی رکھ لیا کیونکہ اس میں منافقت نہیں ہو سکتی کہ روزہ رکھا ہے یا نہیں۔ اب یہ روزہ نگاہ کا روزہ ہے' خیال کا روزہ ہے اور آپ کی Purity اور پوِترتا ہو گئی۔ اب اُس حالت میں آپ گناہ نہیں کر سکتے۔ تو ایسی پابندی آ جاتی ہے۔ آپ حرام کھانا تو دور کی بات ہے حلال بھی نہیں کھا سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب آپ سے برائی کوئی نہیں

ہوگی۔ تو یہ ہے ڈھال۔ ڈھال کا معنی یہ ہے کہ اس نے آپ کو گناہ کے تصور سے آزاد کر دیا۔ تو یہ بہت بڑی ڈھال ہے کہ خیال بدل گیا' گھوڑا لاغر ہو گیا' سوار چوکنا ہو گیا۔ جب آپ کو بھوک لگتی ہے تو آپ نے کھانے کو روکا...... کس نے روکا؟ آپ نے۔ کیوں روکا؟ خدا کے خیال سے۔ اس طرح آپ خدا کا خیال کریں گے۔ پھر ہمہ حال جب آپ کو بھوک لگی' پیاس لگی' چائے' سگریٹ کی طلب ہوئی تو آپ رُک گئے کہ یہ تو خدا نے روکا ہے۔ تو آپ جتنی دیر خدا کے بارے میں سوچتے جائیں گے اتنی دیر گناہوں سے محفوظ رہیں گے۔ جب خدا Very much موجود ہے تو پھر گناہ کا کیا سوال۔ روزے کی Real عبادت یہ ہے کہ یہ آپ کے اور خدا کے درمیان واقعہ ہے ورنہ تو آپ پانی پیتے جائیں' کھاتے جائیں۔ روزہ گھر والوں کے لیے نہیں ہے' محلے والوں کے لیے نہیں ہے اور سماج کے لیے نہیں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کسی اور جگہ کھا پی کے آ جائیں مگر روزہ Pure خدا کے لیے ہے۔ اس طرح آپ براہِ راست خدا کے قابو میں آ جاتے ہیں اور محفوظ ہو جاتے ہیں۔ تو آپ خدا کے گھر میں آ گئے اور امان میں آ گئے......

سوال:

بچپن میں سنا تھا کہ کسی کا دل نہ دکھاؤ کیونکہ اس سے عرش کے کنگرے ہل جاتے ہیں۔

جواب:

بچپن میں انسان Educate تو ہو سکتا ہے لیکن بعض اوقات انسان بچپن میں ill-educate بھی ہو سکتا ہے' اُس کی غلط Feeding ہو سکتی ہے اور اس

سے بچانا مشکل ہو جاتا ہے۔ بچپن میں اگر کوئی غلط بات اثر کر گئی تو جب اسے ختم کرنے والا آئے گا تو ختم کر دے گا' جڑ سے اُکھاڑ دے گا۔ تو پھر بچپن گم ہو جائے گا' جوانی بھی گم ہو سکتی ہے' اس دنیا میں بعض اوقات عبادتیں گم ہو جاتی ہیں' بندہ کہیں اور جا رہا ہوتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کے کوئی اُسے کہیں اور لے جاتا ہے۔ بس اللہ رحم کرے اور یہ طوفان نہ آئے۔ انسان بڑا ہی کمزور ہے۔ ایسے ایسے لوگ ہیں جو حج کرنے آئے اور وہاں سے ایمان خراب کرآئے یعنی منزل پہ جا کے انسان محروم ہو گیا۔

؎ دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گئے

تو آپ اللہ سے آخرت کی خیر مانگیں۔ ایک بات ضرور یاد رکھنا کہ بعض اوقات قریب والے بڑا دور ہو جاتے ہیں' پاس ہونے والا واقعہ آپ کو بہت دور لے جا سکتا ہے اور وہ چیز آپ سے جدا بھی کر سکتا ہے' وہی آپ کو خدا آگاہ بھی کر سکتا ہے اور محرومِ دو عالم بھی کر سکتا ہے۔ اگر آپ کے ہاتھ سے سرزد ہونے والا واقعہ ظلم ہوا تو پھر عرش کے کنگرے ہل جائیں گے۔ میاں محمد صاحبؒ نے کہا ہے کہ:

؎ مسجد ڈھادے مندر ڈھادے ڈھادے جو کجھ ڈھیندا
اک بندے دا دل ناں ڈھاویں رب دلاں وچ رہندا

تو آپ کسی کے دل کو آزردہ نہ کرنا۔ آپ قریب والے دلوں کو چھوٹی چیزوں اور باتوں سے راضی رکھا کریں' یہ مشکل ضرور ہے لیکن انسان کر سکتا ہے۔ آپ قریب والوں کو راضی رکھیں تو دور کا سرمایہ مل جائے گا' قریب والوں کو اگر تنگ کرو گے تو دور جا کے محروم ہو جاؤ گے۔ ان لوگوں کی گواہیاں بڑی خطرناک ہوتی ہیں' قریب کے لوگوں کی دور کی عدالت میں اپنے خلاف گواہی نہ دلوانا'

انہوں نے وہاں جا کے رو رو کے، پھوٹ پھوٹ کے فریاد کرنی ہے کہ یا اللہ اس نے دنیا میں میری زبان بند رکھی تھی، اب مجھے اجازت دی جائے کہ میں بولوں۔ پھر آپ کے اعضاء بولیں گے اور آپ کے جوارح بولیں گے۔ تو یہ بھی آپ کے اعضاء اور جوارح ہیں، یہ آپ کے قریب والے جو گونگے لوگ ہیں وہاں جا کے ان کی گویائیاں شروع ہو جائیں گی، فصیح البیانیاں شروع ہو جائیں گی، بڑی بڑی تقریریں شروع ہو جائیں گی اور یہ کہیں گے کہ آپ نے ان کے ساتھ کیا کیا ظلم کیا ہے، پھر فریاد کریں گے کہ یا اللہ تُو تو مالکِ کُل ہے، اس کو بخشنا چاہے تو بخش سکتا ہے لیکن اس کو تو نے بخش دیا تو میں تجھے انصاف کرنے والا نہیں مانوں گا، فریاد ہے، یا اللہ فریاد ہے...... اس سے پہلے کہ فریادی زبان کھولے آپ اس کو راضی رکھیں...... تو آپ قریب والوں کو دور جا کے فریاد نہ کرنے دینا۔ انسانوں کو راضی رکھنا۔ کوئی آدمی کسی دوسرے کے گناہ سے بوجھ کے نیچے نہیں آ سکتا۔ No man can ever be insulted by the action of others تو آپ اللہ اللہ کریں، آپ کے اعمال آپ کے ساتھ اور اس کے اعمال آپ کے ساتھ، مل کے رہنا چاہیے، خیر سے خوشحال رہیں، کائنات آباد رکھیں۔ اللہ آپ کے لوگوں کو آباد رکھے۔ دھیان کے ساتھ یہ سفر کرو۔

سوال:

جنت میں مردوں کو تو حوریں ملیں گی لیکن عورتوں کو کیا ملے گا؟

جواب:

اگر آپ عورت اور مرد کا Competition چھوڑ دیں تو کسی کو کچھ ملنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ تو کہیں نہیں لکھا ہوا کہ وہ شادیاں کریں گے۔ وہ تو ان

کی Companion بھی ہو سکتی ہیں' ساتھی ہو سکتی ہیں۔ وہاں Sex ہے نہیں کیونکہ وہ جنت جو ہوئی۔ حور مقصورٰت فی الخیام وہ حوریں بڑی خوب صورت ہوں گی اور پتہ نہیں ان مردوں کی شکل کیا ہوگی' جنت میں جانے والے کون لوگ ہوتے ہیں...... اللہ چاہے تو کسی کو بھی حور بنا دے اور کوئی اس کا چاہنے والا بنا دے۔

سوال:

کیا وہاں سب کی عمریں ایک جتنی ہو جائیں گی؟

جواب:

اصل میں سب کی عمریں ہیں ہی ایک جیسی۔ سب روحوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک دن میں پیدا کیا ہے۔ اس لیے سب کی عمر برابر ہے' آج بھی برابر ہے' چھوٹے بڑے کی عمر برابر ہے۔ تو عمر' روح کا نام ہے اور سب روحوں کی عمر برابر ہے۔ اب اگر وہاں سب شکلیں برابر ہو جائیں گی یا سب پہ جوانی آ جائے گی تو آپ آنے دو......

سوال:

آپ نے فرمایا ہے کہ جس حالت میں کسی کی موت ہوگی وہ اس حالت میں اٹھایا جائے گا' پھر جو سو سال کی عمر میں مرا ہے کیا وہ اس حالت میں اُٹھے گا؟

جواب:

یہاں حالت سے مراد خیال ہے یعنی وہ جس خیال میں سوئے گا یا مرے گا اُس میں اُٹھے گا' اس خیال میں برآمد ہوگا...... یہ آپ کو اس دنیا میں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ اپنے چاہنے والوں کو ہر چیز عطا فرمائے گا جوان کی خواہش کے

مطابق ہوگی۔ مدعا یہ ہے کہ آپ جب اللہ کے لیے کام کر رہے ہیں تو اللہ آپ کو Unrewarded نہیں چھوڑے گا' اللہ کے پاس Compensate کرنے کے لیے' جزا کے لیے بڑی چیزیں ہیں' اس نے جو باتیں' چیزیں بیان کی ہیں وہ بھی ہیں اور جو بیان نہیں کی وہ بھی ہیں۔ اگر آپ کو اللہ کے مزاج سے تھوڑی سی آشنائی ہو جائے تو اللہ اپنے بندوں کو دینے کے لیے بہت کچھ رکھتا ہے' للہ خزائن السموت والارض تو اللہ کے خزانے ہیں زمین اور آسمانوں کے' جنود السموت والارض زمین اور آسمانوں کے لشکر ہیں اس کے پاس۔ آپ دیکھیں کہ دنیا کتنی وسیع ہے اور وہ تو جنت ہے' ایک اور مقام ہے۔ بس آپ اللہ سے راضی ہو اور آپ کو یہ پتہ ہونا چاہیے کہ وہاں اللہ ہوگا' اس لیے لوگوں سے' چیزوں سے نجات پالو اور یہ کہو کہ ہم اللہ کی طرف جا رہے ہیں' اللہ جانے اور اللہ کے کام جانیں۔ آپ کوئی پروگرام بنا کے نہ جائیں بلکہ پروگرام ترک کر کے جائیں......

اللہ تعالیٰ سب کو اپنا طالب بنائے۔ سب پر مہربانی فرمائے' کرم فرمائے۔

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه ونور عرشه سیدنا ومولانا حبیبنا وشفیعنا محمد وآله واصحابه اجمعین برحمتک یاارحم الرحمین۔

ے
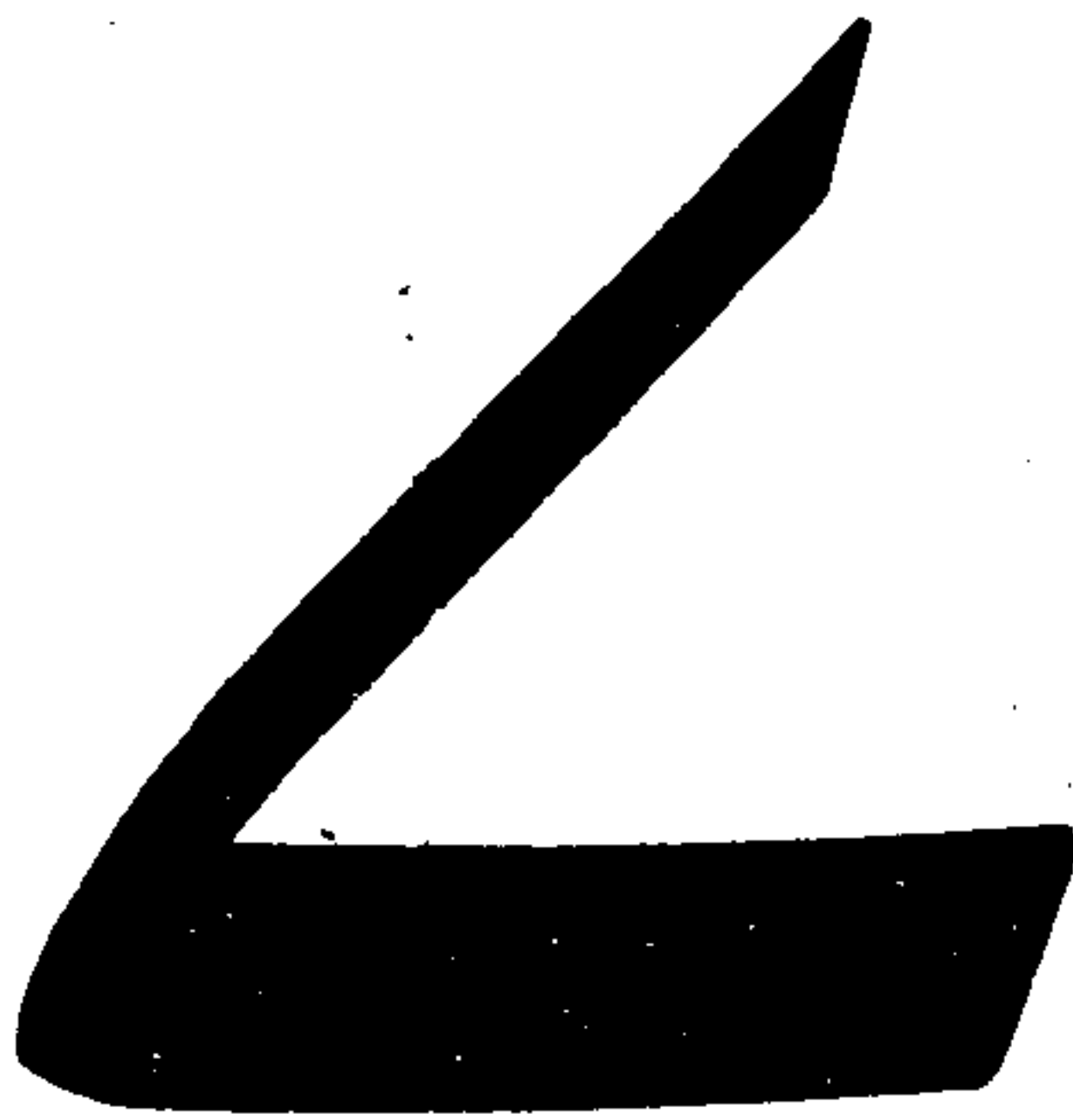
۱ موت کا دن تو مقرر ہے پھر اللہ نے یہ کیوں کہا ہے کہ ایک آدمی کا قتل پورے انسانوں کا قتل ہے اور ایک کو زندہ کرنا پوری انسانیت کو زندہ کرنا ہے۔

۲ یہ کیسے ہو جاتا ہے کہ بزرگ ہر سوال کا جواب دے دیتے ہیں؟

۳ آج کل ہر طرف گمراہی پھیلی ہوئی ہے تو پھر اللہ کو ہم کیسے جان سکتے ہیں اور ایمان کو کیسے قائم رکھیں؟

۴ وہ شخص جو دوسرے ماحول میں یا مذہب میں پیدا ہوا ہو تو وہ حساب کے وقت کہہ سکتا ہے کہ میرا اس میں کیا قصور ہے؟

۵ یہ کیسے پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے گناہ کی معافی دے دی ہے۔

۶ زندگی کے مسائل بھی بڑے اہم ہیں تو پھر ان کی موجودگی میں ہم اپنے دین کا سفر کیسے طے کر سکتے ہیں؟

سوال :

موت کا دن تو مقرر ہے پھر اللہ نے یہ کیوں کہا ہے کہ ایک آدمی کا قتل پورے انسانوں کا قتل ہے اور ایک کو زندہ کرنا پوری انسانیت کو زندہ کرنا ہے۔

جواب:

کیا آپ مانتے ہیں کہ انسانوں کی ساری دنیا کا ایک آدم علیہ السلام سے ظہور ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا میں ارب ہا انسان ہیں' بندے Infinity کے قریب ہی ہیں' گنتی میں نہیں آتے' گنتی پوری ہی نہیں ہوتی' اوران سب نے ایک انسان سے' ایک زندگی سے جنم لیا۔ یہ کتنے عرصے میں ہوا؟ فرض کرو کہ اتنے سال ہو گئے' اتنی مدت میں ایک بندہ کتنے بندے بن گیا۔ تو جس ایک بندے کو آج مار دیا جائے پتہ نہیں وہ کتنی مدت میں کتنے ہی بندے بن جائیں۔ تو اس طور پر ہر آدمی اور ہر انسان آنے والی ملتوں کا پیشوا ہے' ہر انسان آنے والے زمانوں کی ابتدا ہے۔ آپ اپنے آپ کو کبھی کمزور نہ سمجھنا۔ آپ کے حوالے سے جو مخلوق پیدا ہو رہی ہے اس میں سے کتنے لوگ نہ جانے کیا ہوں گے۔ سب کام تو اللہ کے ہیں مگر آپ کی اولادوں سے پتہ نہیں کتنی آبادیاں ہونی ہیں' کتنے واقعات ہونے ہیں' ان میں سے کتنے شگوفے پھوٹنے ہیں' پتہ نہیں آئندہ والی دنیا کیا گل

کھلائے گی۔ پھر ایک وقت آئے گا کہ شجرہ نسب Trace کرتے کرتے شاید آپ تک پہنچ جائے کہ یہ تھے جد امجد اس خاندان کے جو ساری دنیا میں آباد ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے ناں؟ تو آدم علیہ السلام تو Known آدمی تھے اور آپ Unknown غیر معروف آدم ہیں کیونکہ آپ کے لیے کوئی Divine اعلان نہیں ہے' آپ General Cadre میں ہیں اور اُن کا ایک خاص کیڈر ہے۔ ایک ذات کو آدمؑ کہہ دیا گیا اور باقی سارے بھی آدمی ہیں اور بات سب کے ساتھ وہی ہے اور اسی کے مطابق آدمی چلے گا۔ اللہ نے آدمؑ کو وعلم الآدم اسماء کلھا کل اسماء سکھا دیے اور اسماء کو آج کا آدم بیان کر رہا ہے۔ آدم علیہ السلام پر سارے اسماء ظاہر نہیں ہوئے اور آج آپ کے دم سے ظہور ہو رہا ہے' ایسے کئی علوم آ رہے ہیں جو آج کا اِنسان پیش کر رہا ہے۔ تو یہ علوم بھی آدم علیہ السلام کو سکھائے ہوئے تھے۔ گویا کہ آدم علیہ السلام کا علم آج کے آدمی میں ظاہر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کو سکھا دیا اور اور پھر سب کے پاس آ گیا۔ گویا کہ سب علوم کا تعلق اسی ابتدائی علم سے ہے۔ تو یہ ایک خاص واقعہ ہے اور اس کو آپ غور سے دیکھیں۔ اس لیے انسان کا احترام بہت ضروری ہے' ایک تو اس لیے کہ پتہ نہیں وہ کن بزرگوں کے دم سے ہے اور پتہ نہیں کتنے بزرگ اس کے دم سے ہوں گے۔ اس لیے ہر آدمی کا احترام کرنا۔ بعض اوقات انسان گمراہ ہو جاتے ہیں' بھٹکے ہوتے ہیں اور پریشان ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں شاید ہم راستے سے بھٹک گئے ہیں ۔

احساس ہو رہا ہے جفائے حبیب کا
شاید بھٹک گئے ہیں رہِ دوستی سے ہم

آپ گمراہ ہوں تو دوست پر اعتماد چھوڑ دیتے ہیں۔ جب کبھی اعتماد میں کمی محسوس

ہوتو سمجھنا کہ آپ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے۔ آج کا انسان جب کسی ذات پر اعتماد نہیں کرتا' اس کو کسی فیض کا اعتماد نہیں ہوتا تو یہ سمجھ لو کہ وہ اپنے آپ میں کہیں غلطی کر بیٹھا اور سب سے انتہائی غلطی وہ ہے جس پر تعلق دینے والی ذات ناراض ہو جائے۔ وہ ناراض نہ ہوتو پھر گناہ کیا ہے۔ ایک نہ ایک ایسی غلطی ہوتی ہے جس پر وہ ذات ناراض ہوتی ہے۔ گویا کہ گناہ کس کو کہیں گے؟ وہ چیز جو اسے ناراض کر دے۔ نیکی کسے کہیں گے؟ وہ چیز جو اسے خوش کر دے۔ اب یہ ساری باطن کی داستان ہے اور اس میں بیان کی کوئی بات نہیں ہے۔ فارمولے کی عبادت اور فارمولے کا تعلق جنرل کیڈر میں آتا ہے کہ ایسے ایسے کرتے جاؤ' خیرات کرتے جاؤ' عبادت کرتے جاؤ...... ایسا عمل جو اُسے ناراض کر دے' چاہے وہ حج کا عمل ہو' غلط ہے۔ اگر کوئی یتیم کے پیسے سے حج کر آیا تو گویا کہ اللہ کے دربار میں پہنچا کہ میں آ گیا ہوں۔ اللہ کہے گا کہ یہ تیری گستاخی ہے کہ تو میرے حکم کو Violate کر کے پھر میرے ہی پاس آ گیا۔ تو ایسی بات اللہ کی ناراضگی کا باعث بھی ہو سکتی ہے۔ اور یہ رضا مندی کا باعث بھی ہو سکتا ہے کہ انسان یہ کہے یا اللہ غلطی تو کی ہے لیکن پھر بھی تیرے پاس آئے ہیں۔ تو یہ دونوں صورتیں ہیں۔ پھر فیصلہ کیسے ہوگا؟ اگر آپ میں بخشش کا اعتماد قائم ہے تو پھر غلطی جو ہے وہ غلطی نہیں ہے اور اعتماد ٹوٹ گیا تو غلطی ہوگی۔ سب سے بُرا گناہ وہ ہے جو دعا سے اعتماد اُٹھا دے یعنی ایسا گناہ جس کے بعد آپ کا دعا پر اعتماد نہ رہے۔ تو یہ انتہائی گناہ ہے کہ جب آپ کا دعا پر اعتماد نہ رہے' اور ذہن میں دعا کی افادیت ختم ہو جائے' دعا کرنے کو طبیعت نہ چاہے' جب آمین کہیں تو وہ گلے میں اَٹک جائے...... تو یہ ہے بُرا گناہ' کہ جس کے بعد انسان دعا نہ کر سکے۔ تو گناہ وہ ہے جو دعا چھین لے

چاہے وہ تکبر کی عبادت ہو یا عبادت کا تکبر ہو۔ اگر مغرور آدمی میں عبادت کا یہ غرور ہو کہ وہ کہے کہ مجھے دعا کی کیا ضرورت ہے کیونکہ میں تو اپنا سارا حق ادا کرتا رہتا ہوں' نمازیں پڑھتا ہوں' حج کرتا ہوں' سارے کام کرتا ہوں...... اگر بادشاہ کو کہا جائے کہ رعایا کا خیال کرو اور وہ آگے سے جواب دے دے کہ میں تو حج بھی کر آیا اور عمرہ بھی کر آیا' نماز بھی پوری پڑھتا ہوں' زکوٰۃ بھی دیتا ہوں' سارے کام میں نے ٹھیک کیے ہیں' اب خوف کس بات کا؟ تو اس شخص نے کہا کہ رعایا کا بُرا حال ہے۔ بادشاہ نے کہا ہم تو عبادت کر رہے ہیں...... بادشاہ سے اس کی عبادت کا نہیں پوچھا جائے گا بلکہ بادشاہ سے رعایا کا حال پوچھا جائے گا۔ اگر رعایا کا حال بُرا ہے تو بادشاہ کی عبادت اس کے کام نہیں آئے گی۔ ہر آدمی کو اس کے شعبے میں جانچو۔ اسی طرح اگر کسی دفتر کا انچارج کہے کہ میں تو نیک ہوں مگر میرے نیچے سارے بُرے لوگ ہیں تو اس کے ماتحت میں جو بُرائی ہے وہ اثر کرے گی' نیکی اگر اثر نہیں کر سکی تو بُرائی اثر کرے گی۔ جس طرح نیک محفل میں نیکی پیدا ہوتی ہے اسی طرح بُری محفل میں بُرائی پیدا ہوتی ہے۔ اگر آپ نیک صحبت میں نہیں ہوں گے تو جب بُری صحبت میں ہوں گے تو برائی اثر کرے گی۔ اس لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر تعلق قائم ہے' اعتماد قائم ہے تو پھر سب کچھ ٹھیک ہے۔ اگر اپنے آپ کو اللہ کے تقرب میں دیکھنا ہو تو پھر دیکھو کہ اعتماد ہے یا نہیں' اگر اس کے فضل پر اعتماد ہے تو سمجھو کہ زندگی ٹھیک جا رہی ہے۔ آج کا انسان اگر پریشان ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اعتماد ٹوٹ گیا ہے۔ اگر انسان غور کرے تو پتہ چلے گا کہ وہ کتنے بزرگوں کے وسیلے سے یہاں تک آیا ہے' وہ اپنے آباؤاجداد میں دیکھے' ان میں کتنے بزرگ شامل ہوں گے' کتنے نیک لوگوں

نے نیکی کی دعا کرتے کرتے حالات کا قافلہ آپ تک پہنچایا۔شاید اس وجہ سے آپ کی بخشش ہو جائے' آپ کے ماں باپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں مانگتے آئے ہیں کہ ہماری اولاد پر رحم فرما۔تو آپ اس اولاد کے حوالے سے یہاں تک آ گئے۔عین ممکن ہے کہ آپ کی اولادوں میں سے کوئی ایسا نیک نکل آئے جو کہے کہ ہمارے بزرگوں اور ہمارے ماں باپ پر رحم ہو۔اس لیے اگر اولاد میں سے کوئی نیک ہو جائے تو ماں باپ کی فوری بخشش ہو جاتی ہے اور اولاد اگر گمراہ ہو جائے تو ماں باپ کی نیکی اولاد کے کام آ سکتی ہے۔اس لیے اس بات کا دھیان کرنا کہ آپ اکیلے نہیں ہیں' آپ کے اوپر نگرانی کرنے والی بزرگوں کی روحیں ہیں اور آنے والی اولادوں کی کوئی نیکی آپ کے کام آ سکتی ہے۔اس لیے آپ کبھی مایوس نہ ہونا' اللہ نے بار بار یہی کہا کہ کبھی مایوس نہ ہونا۔گویا کہ ہر انسان ہر دوسرے انسان سے متعلق ہے۔دنیا میں ہونے والا جرم شاید آپ کی ذمہ داری نکل آئے اور دنیا میں کہیں ہونے والی نیکی کا شاید آپ کو ثواب مل جائے۔اگر اس دنیا میں کہیں نیکی ہو رہی ہو تو شاید اس دنیا میں ہونے کا آپ کو بھی فائدہ ہو جائے۔اللہ تعالیٰ کسی پر راضی ہو جائے تو ارد گرد کے لوگوں پر بھی رضا مندی ہو جاتی ہے۔دولہا ایک ہوتا ہے اور ساری بارات کھانا کھاتی ہے۔تو یہ بات ہی ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک پر مہربان ہو تو باقیوں پر بھی مہربانی ہو جاتی ہے۔داتا صاحبؒ یہاں پر ایک مرتبہ آئے اور وہاں آج تک قرآن شریف پڑھا جا رہا ہے۔مقصد یہ ہے کہ ان کے آنے کے دم سے آج تک وہاں قافلے جاتے ہیں جو نیکی کرتے اور قرآن شریف پڑھتے ہیں۔تو کسی ایک کے دم سے بے شمار نفوس کو فائدہ ہو جاتا ہے۔اس لیے کوئی پتہ نہیں ہے کہ کب کیا ہو جائے۔ایک آدمی

اگر شکستہ کشتی پر بیٹھ کے رو رہا ہے تو کیا پتہ کہ دریا پار کرنے کا کب' کون سا سبب بن جائے اور ایک آدمی جو بڑے فخر سے بیٹھا ہوا ہے کیا پتہ کب اس کے آشیانے پر بجلی گر جائے۔ اس لیے یہ عجب کہانی ہے کہ آپ کی ہر چیز میں ہر دوسری چیز پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو نہ کبھی Secure سمجھو اور نہ کبھی Insecure سمجھو یعنی نہ محفوظ سمجھو اور نہ غیر محفوظ سمجھو۔ بس اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو۔ جب آپ کہتے ہیں کہ میں بہت محفوظ ہو گیا تو اگر پچھلے دور کو دیکھو تو ایک حکمران نے اپنے لیے سیکورٹی فورس بنائی تھی اور پھر انہی کی گواہی پر پھانسی کی سزا ہو گئی۔ تو سیکورٹی نے Insecure کر دیا' غیر محفوظ کر دیا اور یہ آج نہیں گیا بلکہ ہمیشہ سے کرتی آ رہی ہے۔ سیکورٹی ہمیشہ Insecure کرتی ہے۔ اس لیے آپ سیکورٹی کی پرواہ نہ کرو بلکہ آپ اللہ کے فضل کی طرف رجوع کرو۔ تو آپ اکیلے نہیں ہیں۔ ایک دفعہ ایک بزرگ مسجد سے نکلے۔ راستے میں بارش کی وجہ سے پانی' کیچڑ تھا۔ وہاں سے ایک بچہ گزر رہا تھا۔ انہوں نے کہا ذرا دھیان سے گزرو' کہیں Slip نہ ہو جانا' پاؤں نہ پھسل جائے۔ وہ بچہ کوئی خاص تھا۔ اس نے کہا جناب میں پھسل گیا تو میں اکیلا ہی ہوں اور آپ اگر پھسل گئے تو ساری قوم پھسل جائے گی۔۔۔ اس لیے فرض کرو آپ کا دل اندر سے ٹوٹا ہوا ہو' اعتماد ٹوٹ جائے تو پھر بھی بد اعتمادی نہ پھیلانا تا کہ دوسرے کے ایمان میں خلل نہ آ جائے۔ کم از کم اتنی نیکی کرو۔ اپنی بدی کی حالت کو دوسروں پر آشکار نہ کرو تا کہ ان کے شیشے نہ ٹوٹ جائیں۔ ایک بچہ اگر عبادت کر رہا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ نیکی ہے اور آپ یہ جانتے ہیں کہ جب آپ نے یہ کام کیا تھا تو کوئی فائدہ نہ ہوا تھا تو بچے کو یہ نہ کہو کہ اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس لیے کہ شاید آپ کے ناکام ہونے کی

اور بھی وجوہات ہوں۔ تو کسی کے نیک اعتماد کو اپنی بدگمانی سے مجروح نہ کرنا۔ کسی آدمی کا اعتماد نہ ٹوٹنے دینا۔ اگر کسی وجہ سے عمل نہیں ہو سکا تو اب گرفت ہو سکتی ہے' لہٰذا آپ اعتماد کی نیکی تو کریں۔ گرفت کا کبھی انتظار نہ کرنا بلکہ اللہ کے فضل کا انتظار کرنا اور یہ اس کا فیصلہ ہے' اس نے بتا دیا ہے کہ میرا فضل بہت زیادہ ہے۔ اس لیے یہ آپ کے سوال کا جواب ہے کہ کوئی آدمی اتنا بے حقیقت نہیں ہے کہ وہ اکیلا ہو' ہر آدمی جو ہے وہ آنے والی کئی نسلوں کا آغاز ہے' حرفِ آغاز ہے اور ہر آدمی گزری ہوئی کئی نسلوں کا حرفِ آخر ہے۔ یعنی کہ ایک طرف تو وہ درخت کا آخری پھل پھول ہے اور دوسری طرف وہ آنے والے درختوں کا بیج ہے۔ تو جو پھل ہے وہی بیج ہے۔ آپ نے گاڑی اگر نئی خریدی ہے تو پتہ نہیں سڑک کس نے بنائی' سڑکیں بنانے والے چلے بھی گئے لیکن سڑک آج بھی آپ کے استعمال میں ہے۔ تو آپ کو آسائش دینے والے پہلے لوگ تھے' بیماری آج پیدا ہوئی ہے اور ہسپتال دس سال سے قائم ہے۔ ان باتوں کو غور سے دیکھا کرو کہ آپ کی زندگی کو سہولت دینے کے لیے پہلے سے انتظام موجود ہے۔ اب آپ یہ دیکھیں کہ فطرت آپ کے ساتھ کیا کر رہی ہے۔ ہسپتالوں کے باوجود بیماری کا علاج نہیں ہوگا۔ لیکن ہر چیز آپ کے لیے پہلے سے موجود ہے۔ کتاب موجود ہے' اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کتاب بھیج دی ہے۔ ہدایت کی آپ کو آج ضرورت پڑی ہے اور کتاب پہلے سے موجود ہے۔ اگر کبھی آپ کا ذرا سا بھی اعتماد مجروح ہو جائے تو مایوس ہونے سے پہلے انتظار ضرور کرنا۔ مایوس نہ ہونا کیونکہ جب آپ سمجھتے ہیں کہ اب کوئی راستہ نہیں ہے تو وہی وقت ہوتا ہے جب آپ کے لیے راستہ نکل آتا ہے' اللہ تعالیٰ مہربانی کرتا ہے۔ تو اس بات کا ضرور خیال رکھا

کریں۔

سوال:

یہ کیسے ہو جاتا ہے کہ بزرگ ہر سوال کا جواب دے دیتے ہیں؟

جواب:

ایک آدمی گھر میں بیٹھا تھا اور پھر اس پہ جنون سوار ہو گیا اور وہ جنگل میں چلا گیا۔ وہاں جا کے وہ بوٹیوں کا رس نکالنے لگ گیا۔ اس کو ضرورت نہیں تھی مگر یہ اس کا شغل تھا کہ یہ بوٹی کس افادیت کی ہے' یہ کس کام آتی ہے۔ تو وہ جو علم العقاقیر تھا وہ اس کا شوق بن گیا۔ ایک ایسا وقت آیا کہ اس نے ایک ایسی بوٹی دریافت کر لی جو ایک خاص قسم کے پھوڑے کے علاج کے کام آ سکتی ہے۔ تو بوٹی نے اس کو اپنے بارے میں علم بتا دیا۔ کافی عرصہ یہ علم اس کے کچھ کام نہیں آیا۔ کچھ عرصہ بعد اسے ایک آدمی ملا جس نے کہا مجھے ایک پھوڑا ہے جس کا علاج نہیں ہو رہا تو اُس نے کہا کہ میرے پاس اس کا علاج ہے۔ وہ جو اس نے علاج ڈھونڈا' وہ بغیر کسی بیمار کو دیکھے کا تھا' لیکن اس بوٹی کے لیے بیمار موجود ہے۔ یہ کام اللہ تعالیٰ کے اپنے ہیں کہ کسی پر علاج پہلے آشکار ہو جاتا ہے اور بیمار بعد میں نظر آتا ہے۔ ہر ڈاکٹر کو پہلے ہی علم دیا جاتا ہے اور مریض بعد میں آتا ہے۔ اسی طرح استاد پر جواب پہلے آشکار ہوتے ہیں اور سوالات بعد میں آتے ہیں۔ ڈاکٹر پر علم پہلے آشکار ہوتا ہے اور مریض بعد میں آتے ہیں۔ اسی طرح دنیا کی ساری معاشیات والے اندازہ لگاتے ہیں کہ ورلڈ میں اب یہ سوال پیدا ہونے والا ہے۔ یہ معاملہ ہونے والا ہے' کہیں Plague ہو جائے تو کیا کِیا جائے گا تو پھر اس کا علاج سوچ لیتے ہیں حتیٰ کہ Plague' طاعون آ جاتا ہے۔ اس لیے کچھ

لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ممکنہ بیماریوں کا ممکنہ علاج سوچتے رہتے ہیں حالانکہ بیماری ابھی آئی نہیں ہے۔ اس لیے کچھ اذہان ایسے ہوتے ہیں کہ وہ سوچتے ہیں کہ اگر ایسا سوال ہو تو کیا جواب ہوگا۔ وہ فرضی سوال ہوتا ہے لیکن سوچنے والے کو اس کا جواب مل جاتا ہے' پھر جب حقیقت میں وہ سوال آتا ہے تو وہ جواب دے دیتا ہے۔ ایک آدمی نے کہا میں نے چاقو ساتھ لے لیا کہ کہیں سفر میں اس کی ضرورت نہ پڑ جائے۔ اُس وقت ضرورت نہیں تھی مگر بعد میں پڑ گئی۔ تو کچھ لوگ ایک چیز ساتھ لے لیتے ہیں اور پھر آگے جا کے اس کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی رکھی ہوئی چیز کی آپ کو کبھی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ یہ آپ اکثر کرتے ہیں کہ مشکل وقت کے لیے پیسے بچا کے رکھتے ہیں اور پھر وہ مشکل وقت آ جاتا ہے' خود بخود ہی آ جاتا ہے۔ آپ کوئی بھی چیز رکھیں تو وہ ایک وقت میں کام آ جاتی ہے۔ انسان یہ کرتا رہتا ہے۔ یہ دُور اندیشی ہوتی ہے بلکہ اللہ کی مہربانی ہوتی ہے۔ سوالوں کے جواب دینے کا علم دُور اندیشی سے نہیں ہوتا بلکہ ہوتا یہ ہے کہ سب سوالات ہر ذہن میں نہیں آتے اور جہاں سے جواب آتے ہیں وہاں اگر تعلق نہ ہو تو پھر انسان اپنے سوالوں میں مبتلاء رہتا ہے' پریشان ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کا کسی کے ساتھ تعلق بن جاتا ہے تو اس کو سوالوں کے جواب بتا دیے جاتے ہیں اور اُسے آگہی دے دی جاتی ہے اور اُسے بتا دیا جاتا ہے وعلم الادم اسماء کلھا اسے بتا دیا جاتا ہے کہ کون سی چیز کیا ہے' اس کی افادیت کیا ہے اور اس کا علم کیا ہے۔ پھر اس کی خواہش پوری ہو جاتی ہے اور جب اس سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ اس علم سے اس کا جواب دے دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک آدمی بغیر کسی فوج کے لوگوں کو فتح کر لیتا تھا۔ سکندر اعظم آیا تو

بڑی فوج لے کے آیا' بابر آیا تو بڑا جتھہ لے کے آیا اور خواجہ غریب نوازؒ آئیں گے تو اکیلے آئیں گے۔ تو فاتح کون ہے؟ بابر فاتح ہے یا خواجہ غریب نوازؒ فاتح ہیں؟ تو فاتحِ ہند تو داتا صاحبؒ ہیں حالانکہ ساتھ فوج نہیں لائے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کون سی فوج ساتھ لائے تھے جنود السمٰوٰت والارض ان کے ساتھ آسمان اور زمین کی فوجیں تھیں' لشکران کے ساتھ تھے۔ وہ اور بات ہے۔ تو طاقت صرف وہ نہیں جو نظر آئے بلکہ طاقت وہ بھی ہے جو نظر نہ آئے۔ ورنہ تو پردیس میں اکیلے جانا بڑی بات ہے' ہندوؤں کے دیس میں ایک آدمی پیدل سفر کرتا ہوا ایک گمنام بستی میں آ گیا اور خود گمنام ہونے کے باوجود ناموری بھی کی اور سارا کام بھی کر گیا۔ آج تو داتا صاحبؒ کا آستانہ موجود ہے' مزار ہے' آج تو یہ Known مزار ہے اور جب وہ آئے تھے تو ایک Unknown پردیسی آدمی تھے' شہر کی فصیل کے باہر آ کے بیٹھ گئے ہوں گے۔ پھر انہوں نے کیا کیا ہوگا؟ انہوں نے جو واقعہ کیا ہوگا وہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل۔ کچھ لوگ گئے ہوں گے ان کے پاس اور پھر سوال جواب ہوئے ہوں گے۔ کچھ لوگ پہچان گئے ہوں گے اور جب پہچان ہو گئی تو پھر اللہ کا علم ہے' اللہ کی باتیں ہیں اللہ کی مخلوق کے لیے۔ اللہ کی بات اللہ کی مخلوق پر نافذ ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ لوگ اپنے ساتھ کبھی لشکر نہیں لے جاتے بلکہ اعتماد کو لے جاتے ہیں اور اعتماد کو Rehabilitate کرتے ہیں' یقین لے کے آتے ہیں اور یقین پیدا کرتے ہیں۔ ان کا اتنا سارا کام ہوتا ہے اور یہ کام بہت بڑا کام ہوتا ہے۔ تو اپنے آپ میں یقین کرو' اپنے ہونے میں شک نہ کرو۔ یہ نہ کہنا کہ ہم کیا ہیں' انسان کیا ہیں' یہ انسان کے بچے کیڑے مکوڑے ہیں ...... ایسا نہ کہنا کیونکہ ایسا نہیں ہے۔ ہر انسان آنے والی

پوری نسلوں کا حرفِ آغاز ہے۔ اس لیے اپنے آپ پر اعتماد کرو۔ اپنے ہونے کو حادثہ نہ سمجھو' اچانک کچھ نہیں ہوتا' اگر اچانک بات ہوتی تو ہر شخص اچانک موت سے بچ جاتا لیکن ایسا نہیں ہے' یہ Haphazard نہیں ہے بلکہ بڑے حساب کے ساتھ ہے۔ تو جب اللہ کا فضل ہوتا ہے تو جہاں کہیں سوال پیدا ہو رہا ہے وہاں پر اس کا جواب آ جاتا ہے۔ یہ قافلہ جب چلتا ہے تو اس شخص کے پاس انتظام ہوتا ہے جو قافلے کو چلاتا ہے۔ جب کسی کو پیٹ میں درد ہو تو آپ کیا کریں گے؟ آپ کہیں گے کہ اس کے لیے چورن رکھا ہوا ہے۔ تو پیٹ کا درد سوال ہے اور چورن اس کا جواب ہے۔

سوال:

آج کل ہر طرف گمراہی پھیلی ہوئی ہے تو پھر اللہ کو ہم کیسے جان سکتے ہیں اور ایمان کو کیسے قائم رکھیں؟

جواب:

صرف خدا کو ماننے سے عبادت پوری نہیں ہو جاتی' خدا کو تو اور بہت سارے لوگ مانتے ہیں جو مسلمان نہیں ہیں۔ آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ اللہ کے حبیب پاک ﷺ کے حوالے سے مانیں۔ خدا تو ساری کائنات کا ہے' ماننے والوں کا بھی اور نہ ماننے والوں کا بھی' وہ تو ہر ایک کو پالے گا۔ آپ اللہ تعالیٰ کو کیسے مانتے ہیں؟ جیسے ہمیں حضور پاک ﷺ نے بتایا۔ یہ ایک انسان نے بتایا ہے ورنہ تو آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا Direct Communication براہِ راست رابطہ نہیں ہے۔ یہ بتانے والی حضور پاک ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے اور پھر انسان کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہی آپ کی عبادت ہے۔ اللہ کو صرف

حضور پاک ﷺ جانتے ہیں‘ اللہ ان کو جانتا ہے اور ہمیں جو راستہ بتایا گیا ہے ہم نے اس راستے پر چلنا ہے۔ راستے کی آپ کو اطلاع مل گئی ہے کہ یہ راستہ ہے۔ اب اس میں تحقیق کی کوئی بات نہیں ہے کہ ہم خدا کو اس طریقے سے مانتے ہیں۔ اگر آپ اسلام کو مانتے ہیں اور حضور پاک ﷺ کو پیغمبر آخرالزماں مانتے ہیں تو جو آپؐ نے فرمایا ہے اس پر چلنا چاہیے۔ اس میں تحقیق کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ تسلیم کی بات ہے۔ تحقیق تو آپ دنیا کی کریں جسے آپ تسلیم کرتے ہیں۔ تو اللہ کی تحقیق نہیں کرنی کیونکہ اللہ آپ کی تحقیق میں نہیں آ سکتا‘ وہ تو خالق ہے‘ مخلوق اس کی کیا تحقیق کرے گی۔ تو آپ خالق کو تسلیم کریں اور جو اس نے کہا وہ مان لیں اور کر ڈالیں۔ تحقیق کے لیے باقی بہت ساری دنیا پڑی ہوئی ہے‘ کائنات کو دیکھیں۔ جب آپ اس کے قریب ہو جائیں گے تو پھر پتہ چل جائے گا کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ تو اللہ کا فرمان ہے کہ کائنات کو دیکھو‘ اور غور سے دیکھو‘ کیا اس میں تمہیں کوئی نقص نظر آیا؟ اب دوبارہ آنکھ اُٹھا کے دیکھو‘ پھر اپنی Littleness کو دیکھو کہ تم کتنے چھوٹے انسان ہو اور میں کتنا بڑا ثبوت لے کے بیٹھا ہوں۔ کائنات کے تخلیق کرنے کا دعویٰ اللہ تعالیٰ کا اپنا ہے اور یہ کسی انسان کا دعویٰ نہیں ہے۔ تو یہ صرف اللہ کا دعویٰ ہے۔ یہ صرف ایک خدا کا دعویٰ ہے اور ایک خدا کا اعلان ہے‘ تو جس کا یہ دعویٰ ہے وہ کہتا ہے کہ یہ کائنات غور سے دیکھو‘ پھر دیکھو‘ جو میں نے بنائی ہے‘ میں تمہارا اللہ ہوں اور یہ ہمارے پیغمبرؐ ہیں‘ تم انسانوں میں سے ہیں‘ ان کے ذریعے تم اس راستے پر چلو تو پھر تم میرے فضل کے پاس آ جاؤ گے۔ لوگ تو اس زمانے میں بھی گمراہ تھے جب آپؐ تھے‘ کافر تو حضور پاکؐ کے زمانے میں بھی تھے۔ کافر تو رہے گا۔ اور مومن آج بھی رہے گا۔ آج کل کا زمانہ

جس کو آپ جوانوں کا یا ڈسکو کا زمانہ کہہ رہے ہیں اس زمانے میں ماننے والے بے شمار ہیں۔ جو یہ جواز پیش کر رہا ہے کہ آج کل کے زمانے میں سارے لوگ گمراہ ہیں تو دراصل گمراہ ہونے کی تمنا اس شخص کے اپنے اندر ہے۔ اگر سارے گمراہ ہیں تو تم راہ پر آ جاؤ۔ خوبی پیدا ہونے کا زمانہ وہی ہوتا ہے جس زمانے میں خوبی نہ ہو۔ اب یہ آپ کا وقت ہے' موقع ہے کہ اگر سارے گمراہ ہیں تو آپ راہ پر آ جائیں۔ یہ بڑی نیکی کی بات ہے۔ اگر سارے بدی کر رہے ہوں اور آپ تھوڑی سی نیکی کریں گے تو یہ بڑی بات ہے۔ تو اب وقت ہے نیکی کرنے کا جب کوئی نیکی نظر نہ آئے۔ یہ نہ کہنا کہ سارے گمراہ تھے تو پھر میں بھی ان جیسا ہو گیا' سارے جھوٹ بول رہے تھے تو میں بھی جھوٹ بولنے لگا۔ اس لیے یاد رکھنا کہ جس زمانے میں گمراہی زیادہ ہو اس زمانے میں چھوٹی نیکی بھی بہت بڑا نتیجہ دے گی۔ تو آج کل کے زمانے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اگر بدی نہ کریں تب بھی نیکی ہے۔ تو بدی نہ کرنا بھی نیکی ہے۔ اگر اس راستے کی بات سمجھ نہیں آتی اور آپ مان گئے ہیں تو یہ بڑی نیکی ہے۔ تو ایمان والا کہتا ہے کہ میں جو بات سمجھ گیا ہوں وہ مان گیا ہوں اور میں نے جو چیز نہیں سمجھی وہ بھی میں مان گیا ہوں۔ ایسا شخص ایک فقرہ دہرایا کرتا ہے کہ "میں جس کو جانتا ہوں میں اسے نہیں مانتا اور جس کو نہیں جانتا اُسے میں مانتا ہوں"۔ یہ فقرہ اگر کوئی کہہ دے تو یہ کافی ہے۔ اس سے مسئلہ حل ہو جائے گا۔ تو آپ ماننے والے کو جاننا ناں اور جاننے والے کو ماننا ناں۔ جس کو آپ جان رہے ہیں اُسے نہ مانیں کیونکہ وہ غیر ہے اور جس کو آپ جان نہیں سکتے اُسے اس طرح مانتے جائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ نے بتایا ہے۔ یہ کبھی نہ کہنا کہ "میں پہچان گیا" اور یہ کہ "اللہ کو میں

نے پہچان لیا‘‘۔ اللہ کو پہچان نہیں سکتے‘ تحقیق سے اللہ کو کیسے پہچان سکتے ہیں‘ تسلیم سے اللہ کو مان سکتے ہیں۔ یہ وہ اللہ ہے جو دلوں کے قریب رہتا ہے اور انسان سے دُور رہتا ہے۔ تو وہ اللہ ہے جو دل کے قریب ہے اور بندے سے دور ہے‘ شہ رگ سے قریب ہے اور انسان سے دُور ہے۔ اب یہ خاص واقعہ ہے اور سمجھنے والی بات ہے کہ قصہ کیا ہے۔ یہ بات عمل کرنے سے سمجھ آ جائے گی‘ ورنہ سمجھ نہیں آئے گی۔ پیغمبروں کے واقعات سے بات سیکھا کرو۔ پیغمبروں کو سخت واقعات بھی پیش آئے‘ مشکل زمانے بھی آئے لیکن کسی پیغمبر نے نہ مایوسی کی اور نہ بددلی کی۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کیا پیغمبر ہیں کہ اتنا مشکل واقعہ آپ کے ساتھ ہو گیا‘ مثلاً ان کا بیٹا جدا ہو گیا‘ یعقوبؑ کو بیٹا نہیں مل رہا تھا۔ تو لوگوں نے کہا آپ ابھی تک اللہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہی تو خوبی ہے کہ ہمارے ساتھ اگر اللہ کی طرف سے کوئی سخت واقعہ بھی آ جائے تو بھی ہماری تسلیم میں فرق نہیں پڑتا...... تو وہ ہیں پیغمبر...... تو آپ بھی اس طرح فیصلہ کیا کریں کہ حالات کی وجہ سے آپ کا خیال نہ بدلے‘ اعتماد نہ بدلے‘ اپنے ایمان کو حالات کے ساتھ مشروط نہ کرنا۔ حال کچھ بھی ہو‘ ایمان ایک ہونا چاہیے۔ اگر غریب ہو جائیں تو بھی آپ مسلمان ہوں‘ امیر ہو جائیں تب بھی مسلمان‘ صحت ہو تب بھی مسلمان‘ بیمار ہو جائیں تو بھی مسلمان۔ چاہے جو حالات ہوں‘ وہ جس حال میں رکھے ہمیں راضی ہونا چاہیے۔

سوال:

وہ شخص جو دوسرے ماحول میں یا مذہب میں پیدا ہوا ہو تو وہ حساب کے وقت کہہ سکتا ہے کہ میرا اس میں کیا قصور ہے؟

جواب:

ہوا یہ کہ اسلام کو ابلاغ بنانے والوں نے اپنے اسلام کی تبلیغ کے دوران ان لوگوں کو ساتھ ملانا چاہا جن کی طرف سے آپ یہ سوال کر رہے ہیں۔ یہاں پر ہم ان لوگوں کا تذکرہ تو نہیں کر رہے جو دوسرے مذاہب کے ہیں بلکہ اسلام میں ٹریننگ کی بات کر رہے ہیں۔ آپ کا سوال یہ ہے کہ اللہ کریم ان لوگوں کو روزِ جزا کیا کہے گا۔ آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ روزِ جزا ہوتا کیا ہے۔ روزِ جزا ایک ایسا دن ہے جس دن آپ کے اعمال اپنے دنیاوی اور فوری نتیجے کے علاوہ ایک مابعد کا نتیجہ برآمد کریں گے۔ اس کو ہم روزِ جزا کہتے ہیں۔ مثلاً ایک غلطی یہاں کی' کوئی گناہ کیا تو کچھ تو یہاں پر سزا بھگت لی گئی اور باقی آگے جا کے ہوگی' یہ اُن غلطیوں کی ہوگی جو یہاں پکڑی نہیں جاتیں۔ اب آپ یہ دیکھیں کہ جزا کا تصور کس نے دیا۔ اسلام نے۔ اب آپ اسلام کو ماننے کے بعد جزا کا ذکر کر رہے ہیں اور اگر آپ اسلام کو نہیں مانتے تو پھر آپ کے لیے روزِ جزا ہے ہی نہیں۔ پھر تو مُردے کو جلا دیا جائے اور بات ختم ہوگئی۔ آپ نہ ماننے والے کے لیے' کافر کے لیے ایک فرضی روزِ جزا کا ذکر کر رہے ہیں اور یہ فرض کر رہے ہیں کہ وہ جب روز جزا میں خدا کے رُوبرو ہوگا تو سوال کرے گا۔ اس کے نزدیک تو روزِ جزا ہے ہی نہیں' جس کے لیے آپ تشویش کر رہے ہیں۔ روزِ جزا مسلمان کے لیے ہے۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کا ذکر ضرور کرنا ہے تو پھر مسلمانوں کے اسلام نے اس کا ذکر کر دیا کہ اس کے لیے ہم نے دوزخ رکھی ہے۔ اب ایسے سوال جواب کا ذکر نہیں ہے کیونکہ اسلام نے کہہ دیا کہ اس کے لیے دوزخ ہے۔ اب آپ کی طرف سے اس کا سوال ہو رہا ہے اور وکالت ہو رہی ہے۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ

شیطان کا کیا قصور ہے...... یہ بات دراصل اس لیے ہے کہ آپ مسلمانوں کے ایمان کی کمزوری کے اندر کافر بیٹھا ہے ورنہ اس کا فیصلہ تو اللہ جانے' اللہ جانے اور کافر جانے۔ آپ نے تو اسلام کو مان لیا ہے اور اسلام نے بتایا ہوا ہے کہ اللہ کافروں کے ساتھ کیا کرے گا۔ اب یہ سوال آپ کر رہے ہیں' کافر تو یہ سوال کرے گا نہیں کیونکہ وہ بات مانتا نہیں کہ مرنے کے بعد اللہ کے رُوبرو پیش ہونا ہے اور میری جواب دہی ہونی ہے۔ آپ اس کو اس کے حال پہ چھوڑیں۔ کافر ہونا ہی اس کی دوزخ ہے۔ آپ کو یہ جو جنت عطا کی گئی ہے اس پہ خوش ہوں۔ لیکن آپ کو اس کی طرف سے تشویش ہو رہی ہے' قاضی جی دُبلے کیوں ہو گئے؟ شہر کا اندیشہ ہے۔ وہ لوگ تو خوش ہیں۔ آپ بھی خوش رہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر اُسے معاف کر دے تو کر سکتا ہے۔ اس میں جھگڑے کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کے لیے وہ کافر ہے' یہ یاد رکھنا کہ اس نے آپ کے دین کو نہیں مانا' اس لیے اس کے ساتھ رابطہ نہ رکھنا' وہ آپ کو کبھی بھی خوشگوار تعلق نہیں دے گا۔ اگر آپ کو کوئی کافر اچھا لگتا ہے تو اس کو اپنا دین دے کے فلاح میں داخل کر لو۔ اور اگر آپ اُسے دین میں داخل نہیں کر سکتے تو اپنی کمزوری پہ خاموش ہو جاؤ۔ یہ جو کفر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتا ہے...... یہ آپ کا اپنا ہوتا ہے۔ اور وہ شخص دراصل یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ ہمارے ماحول کی وجہ سے ہم سے عبادت میں جو کمی بیشی ہو گئی ہے کیا اللہ اس کو معاف کرے گا کہ نہیں کرے گا۔ تو وہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ میرا عمل میرے ماحول کی پیداوار ہے۔ تو سوال دراصل یہ ہے۔ کافر نے تو یہ سوال نہیں کیا' وہ کیسے سوال کرے گا' جو خدا کو نہیں مانتا وہ خدا سے کیا سوال کرے گا۔ وہ تو اس وقت یہ کہے گا کہ عجیب بات ہے یہ خدا کہاں سے آ گیا' دنیا میں تو یہ تھا ہی نہیں۔

صرف آپ کو اللہ نے اپنی بات بتائی ہے۔ اللہ نے یہ بھی بتایا ہوا ہے کہ کافروں کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ یہی اسلام ہے۔ کافر جو ہے اس کا Code اور ہے' اور Ethics اور ہیں' وہ آپ کو سمجھ نہیں آ سکتے جب تک آپ کافر نہ ہوں۔ اور کافر کو اسلام سمجھ نہیں آ سکتا جب تک وہ مومن نہ ہو۔ تو آپ اپنے اسلام کو سمجھیں۔ اس طرح آپ کو سہولت ہو جائے گی۔ آپ کو یہ پتہ ہونا چاہیے کہ آپ سے کیا پوچھا جائے گا۔ آپ اپنی جان بچائیں ولا تزروازرۃ وزر اخریٰ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا' افراتفری کا عالم ہوگا' اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ اس وقت کوئی پوچھے کہ فلاں کا کیا بنے گا تو وہ کہے گا پتہ نہیں کیا بنے گا' مجھے تو اپنا پتہ نہیں ہے کہ میرا کیا بنے گا۔ تو آپ یہ شعور حاصل کریں کہ میرے ساتھ کیا بنے گا' جس کو میں نے مانا ہے کیا میں اس کے قریب بھی ہوا کہ نہ ہوا...... لوگوں نے سرسری مانا ہے' بڑی مشکل سے مانا ہے اور کہیں یہ نہ ہو کہ یہاں پر کافروں جیسی زندگی نہ ملے اور وہاں آگے مومنوں جیسا تعلق نہ ملے...... آج کل کا مسلمان بہت پریشان ہے کہ اُسے کافر جیسی آسائشیں بھی نہ ملیں اور مومنوں جیسا صحیح تعلق بھی نہ ملا...... تو آج کل کا مسلمان بڑی دِقت میں ہے۔ اور یہ دِقت ہماری ہے' کافر کی نہیں ہے۔

سوال:

یہ کیسے پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے گناہ کی معافی دے دی ہے۔

جواب:

جب معافی مل جائے تو وہ گناہ یاد نہیں رہتا' معافی کا ثبوت ہی یہی ہے کہ جب کبھی توبہ قبول ہو جائے تو وہ عمل دوبارہ سرزد نہیں ہوتا اور دوسری بات یہ ہے کہ اُس عمل کی یاد نہیں رہتی' تو توبہ کے قبول ہونے کا یہی ثبوت ہے۔ جو انسان

توبہ نہیں کرتا وہ ایک کیے ہوئے گناہ کو یاد کر کے اپنے خیال میں وہ گناہ جاری رکھتا ہے اور اس طرح اُس گناہ کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ کیونکہ اُس نے توبہ نہیں کی اس لیے گناہ کا یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اپنے خیال میں کسی برے وقت کو اچھے انداز سے یاد کرنا دراصل برائی کی استقامت ہے یعنی کہ کسی گناہ کو یا عہدِ گناہ کو مسرت کے ساتھ یاد کرنا ایسے ہے جیسے گناہ کا استقرار جاری ہو۔ پھر جب انسان توبہ کرتا ہے تو توبہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ اُس کو گناہ برا لگتا ہے اور خاص طور پر اُس گناہ کا اپنی فردِ عمل میں ہونا بہت برا لگتا ہے یعنی کہ یہ اُس کے عمل میں ریکارڈ ہو گیا ہے تو اُسے یہ بہت برا لگتا ہے۔ پھر انسان یہ چاہتا ہے کہ اُس گناہ کو مٹایا جائے اور جب توبہ قبول ہو جاتی ہے تو اُس گناہ کا خیال ختم ہو جاتا ہے۔

سوال:

زندگی کے مسائل بھی بڑے اہم ہیں تو پھر ان کی موجودگی میں ہم اپنے دین کا سفر کیسے طے کر سکتے ہیں؟

جواب:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انسان غور نہیں کرتا کہ دہر میں' اسی دنیا میں اور زمانے میں ایک ایسا وقت تھا جب وہ کوئی قابل ذکر شے نہیں تھا۔ You were not even a thing mentioned. یعنی کہ تم Mentionable نہیں تھے' قابل ذکر نہیں تھے۔ اب اللہ نے آپ سے یہ جو کہا ہے اس پہ غور کریں کہ آپ کو اس دنیا میں معرضِ وجود میں لانے سے پہلے آپ کے وجود کا تذکرہ نہیں تھا' آپ کو کوئی جانتا نہیں تھا' یہ پتہ نہیں تھا کہ آپ آئیں گے کہ نہیں آئیں گے' یہ دنیا آپ کے آنے سے پہلے آباد تھی اور چل رہی تھی' اور اس دنیا میں تم شئے مذکور نہیں

تھے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد تم شئے مذکور نہیں رہو گے۔ تو یہ جو تھوڑی Duration ہے، عرصہ ہے، جسے آپ لائف کہہ رہے ہیں اس میں اللہ نے آپ کو قابل ذکر انسان بنایا، تو آپ اِسے اللہ کا احسان مانیں۔ تو یہی عرصہ ہے جس سے پہلے آپ کا ذکر نہیں تھا اور پھر آپ کو قابلِ ذکر انسان بنایا گیا اور پھر اس کے بعد آپ کا تذکرہ نہیں ہوگا۔ تو یہ جو عرصہ ہے اس میں یا تو آپ انکار کریں گے یا پھر آپ ماننے والے بن جائیں گے۔ اگر آپ اس احسان کو ماننے والے بن گئے تو پھر آپ کے لیے فلاح ہے ورنہ آپ کو دنیا کا میلہ دیکھنے کے لیے یہ جو اتنا عرصہ ملا ہے اگر آپ نے اس میں گستاخی کی اور کفر کیا تو پھر آپ اللہ کے رحم سے محروم ہو جائیں گے۔ تو اس عرصے کے لیے آپ کو اس لیے بھیجا گیا ہے یعنی یہاں بھیجا گیا ہے اور پھر آپ کو واپس بلا لیا جائے گا۔ اگر آپ دنیا کا یہ میلہ خوشی کے ساتھ دیکھ رہے ہیں، شکر کے ساتھ دیکھ رہے ہیں تو پھر ٹھیک ہے اور اگر گلہ کرتے جا رہے ہیں تو پھر یہ آپ کے لیے دِقت والی بات ہوگی۔ بس یہ عرصہ تھوڑا سا ہے۔ آج انسان کہتا ہے کہ میں کیسے جاؤں گا، میں یہ گھر کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ تو یہ بات یاد رکھنا کہ ایک دن آپ نے یہ سب چھوڑ کے چلے جانا ہے یعنی جس چیز کو آپ نہیں چھوڑ سکتے اُسی چیز کو چھوڑ کے چلے جائیں گے۔ جب دفتر میں آپ کسی آدمی سے کہیں کہ ذرا باہر آنا تو وہ کہتا ہے کہ بڑی مصروفیت ہے، دفتر کو میں چھوڑ نہیں سکتا، یہ فائل پڑی ہے، اس کو میں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ اور پھر ایک دن وہ سارا دفتر چھوڑ کے آ جاتا ہے، جن کے بغیر زندگی نہیں گزرتی تھی اُن بندوں کو چھوڑ کے آ جاتا ہے۔ جس طرح گھر میں ایک بچی ہوتی ہے جو گڑیا کے ساتھ کھیلتی رہتی ہے تو پھر ایک دن وہ گڑیا کو بھی اور ماں باپ کو بھی چھوڑ کر سسرال چلی جاتی ہے،

اسی طرح انسان سب کو چھوڑ کے چلا جاتا ہے، جس کو وہ نہیں چھوڑ سکتا اُسی کو تو چھوڑ کے چلا جاتا ہے۔اس وقت یہ سمجھتا ہے میں یہ سب کچھ چھوڑ نہیں سکوں گا حتیٰ کہ اُس چارپائی کو بھی چھوڑ جائے گا جس پہ وہ سوتا ہے۔تو جن چیزوں کے بغیر آپ کا وقت نہیں گزرتا آپ نے اُن سب چیزوں کو چھوڑ کے چلے جانا ہے۔اس لیے ان چیزوں کے دم سے اپنے خیال کو خراب نہ کرنا۔آپ کے واقعات، آپ کی ضرورتیں، آپ کی افادیتیں اور آپ کی اولادیں، ان سب کو آپ نے چھوڑ دینا ہے۔آپ یہ کہتے ہیں کہ فلاں چیز بڑی اہم ہے مگر آپ کے جانے کے بعد کوئی قیامت نہیں آئے گی۔کیونکہ آپ پہلے بھی نہیں تھے اور پھر کچھ عرصہ بعد بھی نہیں ہوں گے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شئى مذكورا تو آپ قابل ذکر نہیں تھے اور اللہ نے تھوڑے عرصے کے لیے آپ کو قابلِ ذکر بنایا اور پھر آپ Nothing کے Nothing ہو جائیں گے۔اس لیے آپ اپنے آپ کو کوئی بہت بڑی چیز نہ سمجھ لینا کیونکہ یہ صرف اللہ کا فضل ہی ہے کہ اُس نے آپ کو قابلِ ذکر بنایا جب کہ اس سے پہلے آپ نہیں تھے۔پھر انسان پوچھتا ہے کہ مرنے کے بعد کیسا ہو جاؤں گا۔جیسا وہ مرنے سے پہلے تھا۔تو Post-humous life ویسی ہو گی جیسے کہ Prenatal لائف تھی یعنی کہ مرنے کے بعد زندگی ویسی ہو گی جیسے قبل از پیدائش تھی۔جب وہ ہو چکا تو یہ بھی ہو جائے گا، آپ Nothing سے پھر Nothing ہو جاؤ گے۔ان دو Nothings کے درمیان آپ Something ہیں لیکن Everything نہیں ہیں۔ بس یہ یاد رکھنا کہ آپ ذرا کچھ ہیں لیکن سب کچھ نہیں ہیں۔آپ سوچو کہ دو Nothings کے درمیان کیا Thing ہو گی، دونوں طرف تو Nothing ہے اور جو

درمیان میں چیز ہے وہ بھی Nothing ہو گی۔ اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ پیدائش سے پہلے ایک خواب تھا' نیند کا عالم تھا' نیند کی زندگی تھی اور مرنے کے بعد پھر سو جائیں گے۔ تو دو سونے کے وقفوں کے درمیان کا عرصہ بھی تو خواب ہی ہوتا ہے۔ اور اگر پہلے بیداری تھی اور مرنے کے بعد پھر بیداری ہو گی تو پھر یہ زندگی نیند کا عالم ہے اور یہ حقیقت تو نہیں ہے۔ ویسے بھی آپ آدھی سے زیادہ زندگی موت میں رہتے ہیں یعنی نیند کے عالم میں رہتے ہیں۔ ایک تو نیند کے عالم میں رہتے ہیں اور پھر ایسی چیز حاصل کرتے ہیں جس کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ چاہے وہ نیند ہی ہو' کھانا ہو' مہمان ہو' سب کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اگر آپ کے گھر میں بیٹی اور داماد آ جائیں اور چار دن سے زیادہ رہ جائیں تو آپ کو مشکل پڑ جاتی ہے۔ حالانکہ یہ بیٹی کا اپنا گھر ہوتا ہے۔ آپ ہر چیز سے تنگ آ جاتے ہیں۔ اس طرح آپ Nothing ہوتے جاتے ہیں۔ آپ کی آدھی سے زیادہ زندگی اسی Nothing میں گزر جاتی ہے اور پریشانی میں گزر جاتی ہے۔ اور آپ ذرا غور سے دیکھیں کہ اس سارے کارخانے میں آپ اتنے ہیں جتنا آپ کا خیال ہے۔ چاہے جتنا بڑا غم ہو وہ آپ کی نیند تک ہے کیونکہ پھر آپ سو جاتے ہیں۔ وہ جو غم والا تھوڑی دیر پہلے بڑا واویلا کر رہا تھا کہ مجھے بڑا غم مل گیا' قیامت خیز غم مل گیا' حادثہ ہو گیا اور پریشانی ہو گئی...... اور پھر کہتا ہے کہ مجھے نیند آ رہی ہے' تم چپ کر کے بیٹھو۔ اس کے غم میں دوسرے رونے لگ گئے تھے اور خود اُسے نیند آ گئی۔ گویا کہ غم بھی نیند تک ہوتا ہے' پریشانی بھی نیند تک ہوتی ہے' پھر انسان کو نیند آ جاتی ہے۔ آپ روز جنازے دیکھتے رہتے ہیں اور تعزیت کرنے جاتے ہیں۔ اور جنازے کے دوران ہی لوگ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ دیگ کب پکے گی' قل

شریف کب ہوں گے اور اِس طرح غم والے کا خیال اِدھر اُدھر ہو جاتا ہے۔ تو انسان کا غم بھی لازوال نہیں ہے۔ پھر ایک اور چیز بڑے غور سے دیکھنے والی ہے' آپ کا جو علم ہے وہ زیادہ تر موت کا علم ہے' آپ کی جتنی یادیں ہیں' سب موت ہیں۔ گزرا ہوا سارا واقعہ' بزرگ' یہ سب موت ہے یعنی کہ آج سے پہلے جتنے گزر گئے یہ موت ہے۔ اب آپ بتائیں کہ آپ کی زندگی کیا ہے؟ آنے والا وقت ایک وہم ہے' پتہ نہیں آئے گا کہ نہیں آئے گا۔ گزرا ہوا زمانہ مر چکا ہے۔ تو زندگی یہ ہے جو بیٹھی ہوئی ہے' موجود ہے۔ اب پریشانی کس بات کی؟ گزرا ہوا زمانہ' آپ کے ابا حضور' آپ کا گاؤں' یہ سب موت...... جو تھا' وہ سارا موت...... بزرگوں کا فیض جاری ہے' یہ آپ کی عقیدت ہے لیکن وہ زندگی سے تو پردہ کر گئے ہیں۔ آپ کا علم جو گزرے ہوئے واقعے کا تھا وہ ختم ہو گیا' آنے والا واقعہ آئے کہ نہ آئے' کیا پتہ...... ان دونوں کے درمیان زندگی ہے جو آپ سمجھتے ہیں کہ بڑی اہم شے ہے' اسے آپ چھوڑتے نہیں ہیں' رشوت کے پیسے ہوتے ہیں مگر پھر بھی خیرات نہیں کرتے۔ کم از کم رشوت کے پیسے تو خیرات میں خرچ کر دو...... ایک تو ناجائز پیسہ رکھتے ہو اور پھر بخیل ہو...... یہ بات معاف نہیں ہو گی۔ حرام کی کمائی اس طرح سنبھال کے رکھی ہوئی ہے جیسے حلال کی کمائی ہو۔ رشوت کے پیسے کا ایک فائدہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ تمہیں سخی بنا جائے مگر رشوت کے پیسے نے تمہیں بخیل بنا دیا۔ یہ دُہری بربادی ہے کہ ایک تو رشوت لے لے' پھر بخیل ہو گیا۔ یہ بڑے ظلم کی بات ہے...... یہ جو گزرے ہوئے اسماء ہیں' حضور پاک ﷺ کا نام اور بزرگوں کا نام ہے' تو آپ نے یہاں سے جانا اُن کے پاس ہے جن کے پاس زندگی ہے۔ اس طرح یہ آپ کے لیے بچت کی ایک راہ ہے۔ اگر آپ امام

غزالی" کو پسند کرتے ہیں تو اللہ کرے جلد اُن کے پاس پہنچ جاؤ۔ اگر امام غزالی" کو پسند کرتے ہیں تو یہ کیا جمع کیا ہوا ہے جو حال کی چیزیں ہیں۔ تو پھر یہ زندگی رکاوٹ ہے اور حجاب ہے۔ اب جو شخص حجاب رکھ کے پردے کے باہر کی چیزوں کو پسند کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ ایسا شخص رہتا ادھر ہے اور جانا اُدھر چاہتا ہے۔ ایسے شخص کو کہیں کہ ابھی سے جنت میں چلے جاؤ تو وہ کہے گا کہ ابھی ٹھہر جاؤ' ابھی کیا جانا ہے' ابھی یہاں رہنے دو۔ وہ کہتا ہے کہ میری زندگی بڑی پریشان ہے۔ اگر اُسے کہیں کہ اِسے چھوڑ دو تو وہ کہے گا یہ چھوڑی نہیں جاتی۔ گویا کہ یہ سارا بیان کا ایک فیشن ہی ہے ورنہ بات کچھ اور ہی ہے۔ انسان یہاں سے نکلنا نہیں چاہتا اور جب اُس کو یہاں سے نکالا جائے گا تو وہ پریشان ہو جائے گا۔ یا تو پھر آپ واقعی جن کو یاد کرتے ہیں اُن کے پاس پہنچنے کی جلدی کریں' کیا آپ کو اپنے والد اپنی اولاد سے زیادہ اچھے نہیں لگتے۔ اولاد کے پاس رہنا یہ زندگی ہے اور ماں باپ کے پاس جانا وہ زندگی ہے۔ اب مرجانے میں کیا دِقت ہے کہ یہاں رہیں تو اولاد کے پاس اور وہاں جائیں تو ماں باپ کے پاس۔ مگر آپ کو اس طرح ماں باپ اچھے نہیں لگتے...... تو آپ اپنے علم سے اس لیے پریشان ہوتے ہیں کیونکہ آپ بات سمجھتے نہیں ہیں۔ اسلام نے جو کچھ بتایا ہے وہ آپ کو بتایا ہے۔ آپ اسلام سے باہر ہو کے اسلام کی بات نہ سوچنا۔ اللہ سے آپ فریاد کر سکتے ہیں' پوچھ سکتے ہیں۔ یہ نہ کہنا کہ یا اللہ تو نے کافر کیوں بنائے ہیں۔ پھر تو بڑی مشکل ہو جائے گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تھا کہ یا رب العالمین تو نے یہ چھپکلی کیوں بنائی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابھی ابھی چھپکلی یہ کہہ رہی تھی کہ تم نے موسیٰ علیہ السلام کو کیوں بنایا ہے۔ تو بات تو اتنی ساری ہے۔ یہ بتانا بڑا مشکل ہے کہ

کون کس کے لیے کیا ہے؟ ہر چیز ہر دوسری چیز کے لیے افادیت رکھتی ہے۔ چھوٹا سا ایک چوہا جو ہوتا ہے وہ آپ کے لیے بیکار سی چیز ہے مگر کسی بلی سے پوچھو کہ یہ کیا ہے' اُس کے لیے تو پوری تازہ ڈش ہے' بڑی Ceremony ہے۔ اس لیے ہر چیز کی اپنی افادیت ہے۔ کافر کا ہونا تو آپ کے لیے تھا کہ آپ اس کو مومن بنائیں' آپ نے اس کو مومن تو نہ بنایا اور اس کی طرف سے سوال کرنا شروع کر دیے کہ یہ جو کافر ہے اس کو کیوں کافر رہنے دیا گیا ہے...... اس کو تو آپ نے کافر رہنے دیا ہے۔ کیونکہ آپ کو اسلام پر پورا بھروسہ نہیں تھا' یقین نہیں تھا' اس لیے آپ نے کافر کا جواز پیش کر دیا۔ کافر کا کافر رہ جانا آپ کے اپنے اسلام میں شک کی بات ہے۔ آپ اسلام کے شک سے نکل جائیں تو کافر کیا چیز ہے۔ یہ کافر ہی تو اسلام کی خوراک ہے' مگر آپ لوگ تو رشوت کھاتے ہیں' اس لیے کافر کو نہیں کھا سکتے۔ ورنہ جب خواجہ غریب نوازؒ آئے تھے تو یہ سارے لوگ کُفر کی طرف تھے' یہ سارے کافر و برہمن آپ ہی لوگ تھے' خواجہ صاحبؒ آئے تو سارے مومن ہو گئے' داتا صاحبؒ آئے تو سارے مومن ہو گئے' بابا صاحبؒ آئے تو یہ مومن ہو گئے۔ ایک دن میں کتنے ہی آدمی مسلمان ہوتے تھے۔ تو ایک ایک آدمی سے' ایک ایک نگاہ سے اسلام پھیلا...... اب آپ نے وہ واقعہ نہیں کیا...... سارے لوگ تو محمد بن قاسم کے ساتھ نہیں آئے تھے' یہ مسلمان یہاں کی لوکل پیداوار ہیں۔ یہ کافر آپ کے پرانے بھائی ہیں۔ ان کو بھی مسلمان کرو بجائے اس کے کہ آپ کافر ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے پتہ نہیں پوچھے کہ نہ پوچھے' آپ سے ضرور پوچھے گا۔ کیا پتہ اللہ ان کو معاف ہی کر دے مگر آپ پہلے اپنی معافی مانگ لو پھر اللہ سے کہو کہ کافروں پہ مہربانی کرے اور انہیں مسلمان کر

دے۔ اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ٹھیک ہے۔ ایک بات ضرور یاد رکھنا! جہاں اللہ کا غضب ہو' جہاں اللہ کی ناراضامندی ہو وہاں اُس سے سفارش نہ کرنا اور جہاں اس کا فضل ہو وہاں گستاخی نہ کرنا۔ بس یہ الگ عمل ہے۔ جہاں دیکھو کہ کسی آدمی پر اللہ کا فضل ہے وہاں ادب کرنا اور جہاں دیکھو کہ اس کا غضب ہے تو وہاں سفارش نہ کرنا کیونکہ وہ ابتلا میں ہے' گرفت میں ہے' یہ Divine گرفت ہے' وہاں Arbitration نہ کرنا۔ یہ بات یاد رکھنا' یہ گرفت ہے' ابتلا ہے' یہ کوئی Arbitration case نہیں ہے۔ گرفت کو کبھی Recommend نہ کرنا' اس گرفت والی جگہ کو چھوڑ دو' کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اس گرفت میں شامل ہو جائیں' وہ جانے اور اللہ جانے۔ جس آدمی کی عزت ہو سمجھو کہ اس پہ فضل ہے۔ اس کا آپ ادب کریں۔ تو فضل والے کا ادب ہوتا ہے۔ آپ میں سے مولا علیؑ کو کسی نے نہیں دیکھا لیکن جب ان کا نام آتا ہے' نعرہ حیدری کہا جاتا ہے۔ تو کوئی شخص یہ کہے گا کہ تم علیؑ کو کیوں پکار رہے ہو مگر کوئی شخص یہ نہیں کہے گا کہ ہم ان کی عزت نہیں کرتے۔ یہ ایک ایسا نام ہے جو اپنے ساتھ Fame اور عزت رکھتا ہے۔ حضور پاک ﷺ کا نام اپنے ساتھ Fame' عزت اور مشہوری رکھتا ہے۔ کافر بھی آپ ؐ کا ادب کرے گا اور نعت کہے گا۔ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اب یہ ادب کا مقام ہے۔ اسی طرح طریقت کے کئی بزرگوں کا ادب کیا جاتا ہے' جو نہیں مانتے وہ بھی ادب کرتے ہیں۔ آپ سب کا ادب کریں اور بحث نہ کریں کہ یہ کون ہے' دیوبندی کون ہے اور بریلوی کون ہے۔ چھوٹے درجے کے لوگ بحث کرتے ہیں اور بڑے درجے کے لوگ ادب کرتے ہیں۔ سچا بندہ ہر حال میں سچا ہے' اچھا بندہ ہر حال میں اچھا ہے' سارے قرآن پر کسی کا عبور نہیں ہے'

ساری حدیث پر کسی کا عبور نہیں ہے اور سارے فقر پر کسی کا عبور نہیں ہے۔ اس لیے جو شخص Seriously اور ادب کے ساتھ امام عالی مقامؑ کی یاد منا رہا ہے آپ اُسے اچھا کہیں اور جو صرف سرسری اور جھگڑا باز ہے تو وہ غلط ہے اور ابتلا میں ہے' آپ اس کے قریب نہ جاؤ۔ شیعہ بھی جھوٹا ہو سکتا ہے' سنی بھی جھوٹا ہو سکتا ہے اور شیعہ بھی سچا ہو سکتا ہے' سنی بھی سچا ہو سکتا ہے۔ اچھا آدمی کسی بھی طرف ہو اچھا ہو گا۔ اگر کسی کو امام پاکؑ کی یاد ہو تو سبحان اللہ' وہ بہت اچھا ہے۔ سنی کو بھی اُن کی یاد ہو سکتی ہے۔ یہ شعر سُنی نے ہی کہا کہ

شاہ است حسین ؓ پادشاہ است حسین
دین است حسین ؓ دین پناہ است حسین
سرداد نہ داد دست ؓ در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

یہ کہنے والے شیعہ تو نہیں تھے۔ ایک اور سُنی بزرگ نے کہا ہے کہ

اے دل بگیر دامنِ سلطانِ اولیاء
یعنی حسین ابن علی ؓ جانِ اولیاء

جو جھوٹا ہے نہ وہ شیعہ ہے اور نہ وہ سُنی ہے بلکہ وہ جھگڑالو ہے۔ یہ ہیں فساد بلکہ فی سبیل اللہ فساد۔ آپ فساد سے بچ جائیں تو باقی سب ٹھیک ہے۔ اگر دل سے ادب کریں تو سارے فقیر اور سارے بزرگ ایک ہی ہیں' فیض کا سلسلہ ایک ہی ہے یعنی یہ سب حضور پاک ﷺ کا فیض ہے' ساری روشنی آپؐ ہی کی ہے' جس کو جیسی نظر آئی' ٹھیک ہے۔ ایک آدمی اگر ہوش سے باہر ہے تو بھی یہ فیض ہے۔ گجرات میں ایک مقام سائیں کانواں والے' سرکار کانواں والی' اگر آپ ان

کے اندر جھانک کر دیکھیں تو وہاں حضور پاک ﷺ سے عشق کی ایک لہر ہے۔ اب دنیادار کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے تو لنگوٹی پہنی ہوتی تھی۔ آپ کو یہ سمجھ نہیں آئی کہ عشق نے کس کو کہاں پہنچا دیا ہے۔ یہ سارے رُوپ اس کے اپنے ہیں۔ اتنی بات تو ضرور سمجھا کرو۔ اس سے آگے پھر سمجھ آئے کہ نہ آئے' کہ کسی کو عشق نے پہلے ہی راستے پر سنبھال لیا اور اس پر حاوی ہو گیا۔ اس طرح وہ شخص مجذوب ہو گیا۔ کسی اور پر عشق اس طرح حاوی ہوا کہ وہ عبادت کرنے لگ گیا' نماز پڑھنے لگ گیا' اس کو ظہر' عصر کا پتہ نہیں ہوتا اور وہ نماز پڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ تو یہ بھی حالت ہو جاتی ہے کہ وہ شخص نماز ہی پڑھتا چلا جاتا ہے۔ اگر وہ سچا ہے تو وہ بہت اچھا ہے۔ اور جو ''مکّڑ'' عبادت کرتا ہے وہ مکّڑ ہی ہے۔ ایک مرتبہ پروانوں کی دنیا میں ایک مکّڑ آ گیا اور کہنے لگا سب پروانے زندہ باد' میں بھی شمع کا قائل ہوں۔ پروانوں کے بادشاہ نے اس سے کہا کہ جا کے شہر میں دیکھ آؤ کہ کوئی موم بتی' دیا' چراغ جل رہا ہے۔ وہ جا کے دیکھ آیا اور کہنے لگا کہ ایک چراغ روشن ہے۔ بادشاہ نے کہا یہ ''مکّڑ'' ہے کیونکہ پروانہ اطلاع دینے نہیں آتا بلکہ جا کے فدا ہو جاتا ہے' اطلاع دینے والا جو آیا ہے یہ جھوٹا ہے...... اب میں اس مولوی کا ذکر کرتا ہوں جس مولوی کی بات میں نے اپنے کان سے سُنی۔ نام اُس کا Well known ہے' عزت' شہرت' ادب اور دبدبہ بھی ہے' سلسلہ بھی ہے۔ کہنے لگا کہ جب ہم یہاں سے گئے' ہم حضور پاک ﷺ کے دربار گئے اور وہاں ہم نے دعا کی کہ یہ کیا دور ہے' اس کو ٹھیک کیا جائے...... تو پھر کیا بتائیں کہ حضور پاک ﷺ کے ساتھ ملاقات ہو گئی اور آپؐ نے یہ فرمایا...... پھر کہنے لگا کہ وہاں سے میں انگلینڈ گیا اور تبلیغ کی ...... یہاں پہ وہ آدمی جھوٹا ہو گیا۔ حضور پاک ﷺ سے ملاقات

کے بعد Further سفر کوئی نہیں ہوتا! اس کے بعد کا سفر ہوتا ہی نہیں ہے۔ اب اس کے بعد کا سفر جو بیان کر رہا ہے اس کی ملاقات ہی غلط تھی۔ یہ یاد رکھنا...... اسی طرح آدھے سے زیادہ ''مکڑ'' اکٹھے ہو گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا تھا تو ہم وہاں گئے ہیں۔ ایک اور تحقیق کی بات بتاتا ہوں' کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رات کو ہم حضور پاک ﷺ کی محفل میں پہنچتے ہیں' ان کو پہچاننا چاہیے۔ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا کہ بڑے دن ہو گئے تم حضور غوث پاکؒ کے دربار میں رات کو حاضر نہیں ہوتے۔ دوسرا ذرا سیانا تھا' اس نے کہا تم بھی رات کو نہیں گئے۔ تیسرا شخص بڑا حیران پریشان تھا اور اس نے چوتھے سے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ اس نے کہا یہ دونوں جھوٹ بول رہے ہیں' وہاں صرف میں ہی تھا...... اب یہ جو جھوٹ بولنے والے کی بات ہے وہ یوں سمجھو کہ جو وہاں ہوتا ہے وہ بولتا ہی نہیں! تو وہاں ہونے والا آدمی' اس محفل میں جانے والا آدمی' اس محفل کا ذکر ان لوگوں کے سامنے نہیں کرتا جو اس محفل میں نہیں ہوتے۔ اس لیے انہوں نے کہا ہے کہ ؎

خاصاں دی گل عاماں اگے نہیں مناسب کرنی
مِٹھی کھیر پکا محمدؔ کتیاں اگے دھرنی

کہ خاص لوگوں کی باتیں عام لوگوں میں بیان کرنا مناسب نہیں اور اے محمد بخش یہ اس طرح ہے جیسے میٹھی کھیر پکا کے کُتوں کے آگے رکھ دی جائے۔ تو یہ مثال ہے' تمثیل ہے۔ جس کو یقین حاصل ہو گیا' ''عین الیقین'' ہو گیا تو وہ کمزور یقین والوں کے اوپر ''عین الیقین'' کو Thrust نہیں کرتا۔ عین الیقین جو ہے وہ ''عین'' کے ذریعے ہوتا ہے' آنکھ کے ذریعے ہوتا ہے اور عین الیقین والا اگلے کو

دکھا کے بات کر سکتا ہے۔ تو یہ سارا واقعہ از سرِ نو Consider کرنے والا، غور کرنے والا ہے۔

لبھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب
مگر لذتِ شوق سے بے نصیب

تو واقعہ یہ ہوا پڑا ہے، سارا کھیل آگے پیچھے ہوا پڑا ہے۔ حضور پاک ﷺ کے حوالے سے کچھ لوگوں نے جھوٹ بولنا شروع کر دیا ہے۔ اگر کوئی شخص آپ سے یہ کہے کہ میری حضور نبی کریم ﷺ سے بات ہوئی ہے اور آپؐ نے محفل میں یہ فرمایا ہے...... تو یہ ایک ایسا راز ہے کہ آپ براہِ راست یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسا نہیں ہوا۔ جس Level کا وہ جھوٹ بول رہا ہے اس Level کا آپ کے پاس اختیار ہونا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اس کو منع کریں کہ یہ غلط بات ہے اور اس میں آپ کی محرومی کا امکان ہو جائے۔ اس لیے اس سے بات کیسے کہیں گے؟ اُسے کہیں کہ جو بات تم کہہ رہے ہو وہ ٹھیک ہے لیکن تم جھوٹے ہو، اس لیے کہ یہ تو راز کی بات ہے، تو تم نے مجھے یہ کیوں بتائی۔ یہ بات اس کو بتائی جاتی ہے جس کو پہلے سے اطلاع ہو، تو یہ پیغام اس کو دیا جاتا ہے۔ اگر تو آپ کے لیے حضور پاک ﷺ کا کوئی پیغام ہے تو وہ پیغام براہِ راست بھی آپ پر آ سکتا ہے، یا اُس کا اشارہ ہو سکتا ہے، یا آپ کی جو ضرورت ہوتی ہے یا تکلیف ہوتی ہے تو دوسرا شخص آپ کو کہتا ہے کہ حضور پاک ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ اور اگر وہ شخص اپنی بڑائی کے لیے کہہ رہا ہے تو پھر اُسے کہو کہ میں بات کے بارے میں تو کچھ نہیں کہتا کیونکہ یہ حضور پاک ﷺ کی بات ہے مگر تمہیں میں کہتا ہوں تو تم جھوٹے ہو کیونکہ تم نے اتنا بڑا راز بغیر سبب کے بتا دیا۔ تو مشاہدہ برحق ہے لیکن بیان کرنے والا جھوٹا ہے

......تو یہ سارا واقعہ ہوا پڑا ہے' یہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ کھیل کرتے رہتے ہیں' یہ سمجھتے ہیں کہ یہ Vacuum ہے۔ ایک اندھے نے دوسرے اندھے سے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں' تو دیکھنے والا جو تھا وہ رونے لگ گیا کہ میں کیا بتاؤں کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ تو جب اندھے ایسا بیان دینے لگ جائیں تو دیکھنے والا کیا کرے گا؟ وہ اپنی آنکھیں پھوڑ لے گا۔ تو یہ واقعہ ہوا پڑا ہے۔ اس لیے آپ بڑے دھیان سے یہ سب دیکھا کریں۔ اب اس بات کا نتیجہ یہ ہے' فیصلہ یہ ہے کہ آپ کا اپنا اللہ ہے' اپنے اللہ کے حبیب ﷺ ہیں' اپنا سفر ہے' زندگی کو قبر کا سفر سمجھو' یہ زندگی' تنہا قبر ہے' نیکیاں کرنے کا موقع ہے' نیکیاں کرتے جاؤ' گلہ چھوڑنے کا موقع ہے' گلہ چھوڑ دو' ایک دوسرے کو معاف کرتے جاؤ' بس اپنی زندگی کو' Living life کو قبر سمجھو' آپ قبر کے سفر میں ہیں' جھوٹ بولنا چھوڑ دیں' بہتر ہے کہ بولنا ہی چھوڑ دیں' یعنی اگر جھوٹ بولا جاتا ہے تو نہ ہی بولیں' چپ ہی رہیں تو بہتر ہے ...... یہ چند دن کا میلہ ہے۔ اگر قبر سے پہلے قبر بنا لو تو اسے کہتے ہیں مرنے سے پہلے مر جانا کہ اپنے آپ کو چپکے سے علیحدہ کر لو۔ آج سے پھر پیدا ہو جاؤ۔ پچھلی زندگی سے توبہ کر لو' نئی زندگی کا آغاز کر لو' انسانوں کو معذرت کے ساتھ معاف کر دو' انہیں کہو میں اب مر گیا' ختم ہو گیا۔ اب ''میں'' کے بغیر کاروائی کرو۔ اپنے آپ کو وجود اور عدم دونوں سے باہر کر دو۔ یہ نہ کہنا کہ میرے بڑے فرائض ہیں' یہ آپ کے مرنے کے بعد کیسے پورے ہوں گے۔ یہ بھی ہو جائیں گے' جیسے آپ کے ابا کے مرنے کے بعد زندگی چل رہی ہے اسی طرح بچوں کی بھی ہو جائے گی۔ تو آپ گھبرایا نہ کریں۔ اپنے آپ کو بچا لو۔ اگر آپ عمل نہ بھی کر سکیں تو بھی اپنے عقیدے کو تسلیم تو کر لیں۔ تو تسلیم کی حد تک تو عمل کر جاؤ'

پوری طرح کر جاؤ' پھر مسئلہ حل ہو جائے گا......

مسلمانوں نے اسلام پر بڑا سخت ظلم کیا اور اپنے پاس سے گپیں لگا دیں' بے شمار داستانیں اپنے پاس سے بنا لیں۔ کچھ لوگوں نے کہانیاں تو اپنی طرف سے بنائیں مگر ان کا نتیجہ سچا تھا۔ تو سچے نتیجے کو بیان کرنے کے لیے' انہیں Force دینے کے لیے اپنی طرف سے کہانی بنانے کا جو Imaginary جھوٹ ہے' اس کی معافی ہے۔ اگر نتیجہ سچ ہے تو پھر وہ ٹھیک ہے۔ اس لیے اس نیت کو اللہ نے معاف کر دیا۔ تو آپ صرف سچ بولو' نہیں تو کچھ نہ بولو۔ اگر جھوٹ بولنا لازمی ہو جائے تو چپ کر کے وہاں سے نکل جاؤ اور کہو کہ ''نمی دانم'' یعنی میں نہیں جانتا۔ اب تو ''نمی دانم'' والا ''دانم'' بیان کر رہا ہے ؎

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم

کہ میں نہیں جانتا کہ وہ کون سی منزل تھی' جگہ تھی جہاں میں اس رات کو تھا۔ اصل میں یہ بتا رہا ہے کہ رات کو میں کہیں تھا لیکن کہہ رہا ہے کہ مجھے نہیں پتہ کہ وہ جگہ کیا تھی' کیا منزل تھی ؎

خدا خود میرِ مجلس بُود اندر لا مکاں خسروؔ
محمدؐ شمعِ محفل بُود شب جائے کہ من بُودم

تو مجھے تو پتہ نہیں کہ کیا تھا؟ خدا خود اس مجلس کے میر تھے اور محمدؐ شمعِ محفل تھے لیکن مجھے نہیں پتہ کہ وہ سب کیا تھا' مجھے کیا پتہ وہ کیا تھا۔ تو اس ''پتہ نہیں'' سے سب پتہ بتا رہا ہے۔ اس لیے جب آپ اس ''نہیں'' میں آ جائیں گے تو شاید اس میں وہ ''ہاں'' نکل آئے۔ تو آپ خاموش ہو جائیں۔ جو کچھ ہو چکا ہے وہ کافی ہو گیا ہے۔ اب رہنے دو۔ اپنے آپ کو تھوڑا علیحدہ کر لو۔ ایک آدمی کے نہ ہونے سے

کیا فرق پڑے گا' کائنات چلتی رہے گی۔ آپ اپنی تنہائی میں عبادت کریں اور اللہ کو راضی رکھیں۔ اللہ کو راضی کرنے کا آسان نسخہ یہ ہے کہ اللہ کے ہر فیصلے پر راضی رہو۔ اگر تم راضی ہو تو وہ راضی ہے اور اگر تم راضی نہیں تو وہ راضی نہیں ہے۔ اگر تم گِلہ کرتے ہو تو وہ گِلہ کرتا ہے۔ تم اگر ہیرا پھیری کرو گے تو پھر واللہ خیر الماکرین وہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ تو اس طرح تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔ اگر تم عقل استعمال کرو گے تو یاد رکھنا کہ وہ عقل کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے تمہیں سب کچھ دیا ہے لیکن تم سے اڑھائی فی صد مانگتا ہے۔ اگر تمہیں یہ احساس ہو جائے کہ اڑھائی فی صد تم واقعی اللہ کو دے رہے ہو تو تم سارا کچھ دے دو گے لیکن تمہیں یہ پتہ ہوتا ہے کہ تم اللہ کو نہیں دے رہے۔ یعنی کہ اگر اللہ کی بات کی یہ سمجھ آ جائے کہ یہ بات واقعی وہ خود کر رہا ہے تو پھر تو باقی بات ختم ہو جاتی ہے۔ اگر اللہ براہِ راست یہ پوچھ لے کہ تمہیں کیا چاہیے تو پھر اس کے بعد کیا بات کر سکو گے' پھر تو تم بات نہیں کر سکو گے۔ اس لیے یہ اللہ سے دوری کی بات ہے جو کہ آپ اس سے سوال کرتے رہتے ہو ۔

یوں کہتے۔ اور یوں کہتے' یوں کہتے ہی وہ آتا
سب کہنے کی باتیں تھیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

تو جب وہ سامنے آ جاتا تو کچھ نہ کہا جاتا' تو کون وہاں پر زبان کھولے۔ اگر تم اللہ کو سامنے سمجھو تو وہاں زبان کیا کھلے گی۔ بس اتنی سی بات ہے۔ وہاں تمہاری عبادت بھی نہیں چلتی۔ جب وہ سامنے ہو تو عبادت کس بات کی' جب مذکور سامنے ہو تو ذکر کیسا۔ تو یہ ایک خاص واقعہ ہے۔ تو ان لوگوں کی داستان اور ہو جاتی ہے۔ جو مذکور کا مشاہدہ کرے اس سے ذکر چِھن جاتا ہے۔ ذکر جو ہے یہ یاد

کا نام ہے دوری کا نام ہے' اور مشاہدے میں یاد چھن جاتی ہے' وہ سامنے آ جائے تو یاد نہیں رہتی۔ اس لیے صاحبِ دید جو ہے وہ صاحبِ ذکر نہیں رہتا۔ یہ غور سے سمجھنے والی بات ہے۔ اس لیے آپ دیکھو کہ یہ کیا واقعات ہیں۔ پھر ایک مقام یہ آتا ہے کہ ؎

بٹھا کے دل میں اُسے اس کی ہی نماز پڑھی

تو یہ خاص مقام آتا ہے' پھر یہ پتہ نہیں ہوتا کہ کون کس کی نماز پڑھ رہا ہے۔ پھر ایک اور مقام یہ آتا ہے کہ ؎

اپنے سجدے کا حرم کو حکم فرماتا ہوں میں

تو وحدت الوجود کا یہ ایک خاص مقام ہوتا ہے۔ آپ کے لیے بہتر یہ ہے کہ آسان زندگی گزاریں۔

آپ سوال ضرور کیا کریں مگر اپنے مسئلے کے حل کے لیے کچھ پوچھیں۔ کسی Event کو Narrate نہ کریں' کوئی واقعہ بیان نہ کریں' کوئی انفارمیشن نہ دیں بلکہ اپنا سوال کریں۔ جہاں میں اجازت دیتا ہوں وہاں سوال کرو اور جہاں روک دیتا ہوں وہاں رُک جاؤ اور اس روکنے کی افادیت کو سمجھو جب میں ایک آدمی سے بات کر رہا ہوں تو دوسروں کو خاموش رہنا چاہیے۔ کچھ باتیں ہوتی ہیں جو عمر کے ساتھ سمجھ آئیں گی' انہیں اس سے پہلے سمجھنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ اب وہ سمجھ نہیں آ سکتی کہ وہ کیا ہے۔ بچے کو وہ بات سمجھ نہیں آتی جو بڑوں کو سمجھ آتی ہے۔ باپ کی بات اور ہے اور اولاد کی بات اور ہے۔ اس لیے جو صرف Event کی طرف توجہ کرے گا' واقعہ بیان کرے گا میں اس کا سوال روک دوں گا اور جو بیچ میں Interfere کرے گا اس کا بھی سوال نہیں بنتا۔ سوال میں وہ چاہتا ہوں جو

آپ کا ذاتی اور Genuine سوال ہو۔ اگر کسی کتاب کا سوال ہے تو وہ ہم کتاب میں جواب دے آئے ہیں۔ اگر کتابوں کا ذکر کرنا ہے تو پھر تو لائبریریاں بھری پڑی ہیں۔ ہم تو براہِ راست بات کر رہے ہیں اور آپ سے ہماری اپنی بات ہے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم پر فضل فرمائے۔ یارب العالمین کرم فرما۔

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ونور عرشہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین...... آمین برحمتک یاارحم الرّحمین۔

خاموشی

- ہم اگر زبان کی پھیلائی ہوئی مصیبتوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ خاموشی میں کتنی راحت ہے۔
- زیادہ بولنے والا مجبور ہوتا ہے کہ وہ سچ اور جھوٹ کو ملا کر بولے۔
- آواز انسان کو دوسروں سے متعلق کرتی ہے اور خاموشی انسان کو دوسروں سے تعارف کراتی ہے۔
- زندگی سراپا اور سربستہ راز ہے اور راز ہمیشہ خاموش ہوتا ہے اور اگر خاموش نہ ہو تو راز نہیں رہتا۔
- باطن کا سفر، اندرون بینی کا سفر، حسن کی دنیا کا سفر، دل کی گہرائیوں کا سفر، رازِ ہستی کا سفر، دیدہ وری کا سفر، چشم بینا کا سفر، حق بینی کا سفر اور حق یابی کا سفر خاموشی کا سفر ہے۔
- خاموش انسان خاموش پانی کی طرح گہرے ہوتے ہیں۔
- انسان بولتا رہتا ہے اور خاموش نہیں ہوتا کیونکہ خاموشی میں اسے اپنے رُو برو ہونا پڑتا ہے اور وہ اپنے رُو برو نہیں ہونا چاہتا۔
- انسان کے قبل از پیدائش زمانے خاموشی کے زمانے ہیں اور مابعد بھی خاموشی ہے۔

﴿واصف علی واصفؒ﴾

علم

اپنی لاعلمی کے احساس کا نام علم ہے۔

ہم معلوم کو علم کہتے ہیں حالانکہ نامعلوم اور لامعلوم بھی علم ہے۔

علم بادِ صبح گاہی اور آہِ سحر گاہی سے ملتا ہے۔

کتاب کا علم فیضِ نظر تک نہیں پہنچا سکتا' تزکیہ کے بغیر کتاب کا علم خطرے سے خالی نہیں۔

ہر عارف عالم ہوتا ہے اور ضروری نہیں کہ ہر عالم عارف بھی ہو۔

ضرورت کا علم اور شے ہے اور علم کی ضرورت اور شے ہے۔

علم کا مخرج نگاہ ہے اور اس کا مدفن کتاب ہے۔

لاعلمی سے بے علمی بہتر ہے۔

آج کی تعلیم کا المیہ یہ ہے کہ تلاش روزگار کے لیے ہے اور تقربِ پروردگار کے لیے نہیں۔

وہ علم نور ہے جس سے اللہ کی پہچان ہو اور جس علم سے غرور پیدا ہو وہ حجابِ اکبر ہے۔

زیادہ علم جاننے کا غرور اگر نہ جاننے کی عاجزی میں بدل جائے تو حجاب اٹھ جاتا ہے۔

علم اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کوئی عطا کرنے والا نہ ہو' یعنی اصل علم اللہ والے کی نگاہ سے ملتا ہے کتاب سے نہیں۔

﴿واصف علی واصفؒ﴾

خوش نصیب

۞ خوش نصیب انسان وہ ہے جو اپنے نصیب پر خوش رہے۔

۞ آج کا انسان صرف دولت کو خوش نصیبی سمجھتا ہے اور یہی اس کی بدنصیبی کا ثبوت ہے۔

۞ خوش نصیبی ایک متوازن زندگی کا نام ہے نہ زندگی سے فرار ہو اور نہ بندگی سے فرار ہو۔

۞ حضور پاک ﷺ اتنے خوش نصیب ہیں کہ جو آپ کا غلام ہو گیا وہ بھی خوش نصیب کر دیا گیا۔

۞ خوش نصیب اپنے آپ پر راضی' اپنی زندگی پر راضی' اپنے حال پر راضی' اپنے حالات پر راضی' اپنے خیالات پر راضی اور اپنے خدا پر راضی رہتا ہے۔

﴿واصف علی واصف﴾

۞

دعا

- جس کا خدا پر یقین نہ ہو اس کا دعا پر کیوں یقین ہوگا۔
- دعا دراصل ندا ہے' فریاد ہے' مالک کے سامنے۔
- دعا دل سے نکلتی ہے بلکہ آنکھ سے آنسو بن کر ٹپکتی ہے۔
- دعا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے' جہاں دعا مانگنے والا ہے وہیں دعا منظور کرنے والا ہے۔
- ہاتھ اٹھانا بھی دعا ہے' ملتجی نگاہ کا اٹھنا بھی دعا ہے۔
- ہم اللہ سے وہ چیز مانگتے ہیں جسے ہم خود نہ حاصل کر سکیں۔
- دعا پر اعتماد ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے۔
- گناہ اور ظلم انسان سے دعا کا حق چھین لیتے ہیں۔
- دعا مانگنا شرط ہے منظوری شرط نہیں۔
- دعا سے بلا ٹلتی ہے زمانہ بدلتا ہے۔
- ماں کی دعا دشتِ ہستی میں سایۂ ابر ہے۔
- پیغمبر کی دعا امت کی فلاح ہے۔
- نفرت کرنے والا انسان دعا سے محروم ہو جاتا ہے۔

واصف علی واصفؒ

توبہ

- اگر اپنا گھر اپنے سکون کا باعث نہ بنے تو توبہ کا وقت ہے۔
- اگر مستقبل کا خیال ماضی کی یاد سے پریشان ہو تو توبہ کر لینا مناسب ہے۔
- اگر انسان کو گناہ سے شرمندگی نہیں تو توبہ سے کیا شرمندگی۔
- توبہ منظور ہو جائے تو وہ گناہ دوبارہ سرزد نہیں ہوتا۔
- جب گناہ معاف ہو جائے تو گناہ کی یاد بھی نہیں رہتی۔
- گناہوں میں سب سے بڑا گناہ توبہ شکنی ہے۔
- توبہ کا خیال خوش بختی کی علامت ہے کیونکہ جو اپنے گناہ کو گناہ نہ سمجھے وہ بدقسمت ہے۔
- نیت کا گناہ نیت کی توبہ سے معاف ہو جاتا ہے اور عمل کا گناہ عمل کی توبہ سے دور ہو جاتا ہے۔
- اگر انسان کو اپنے خطا کار یا گناہ گار ہونے کا احساس ہو جائے تو اسے جان لینا چاہیے کہ توبہ کا وقت آ گیا ہے۔
- اگر انسان کو یاد آ جائے کہ کامیاب ہونے کے لیے اس نے کتنے جھوٹ بولے ہیں تو اسے توبہ کر لینی چاہیے۔

واصف علی واصفؒ

تصانیف

واصف علی واصفؒ

1	کرن کرن سورج	(مضامین)
2	دل دریا سمندر	(مضامین)
3	قطرہ قطرہ قلزم	(مضامین)
4	شب چراغ	(اردو شاعری)
5	The Beaming Soul	(Aphorisms)
6	Ocean in a drop	(Essays)
7	بھرے بھڑ ولے	(پنجابی شاعری)
8	شب راز	(اردو شاعری)
9	بات سے بات	(نثر پارے)
10	گمنام ادیب	(خطوط)

11	حرف حرف حقیقت	(مضامین)
12	مکالمہ	(مذاکرے' مقالات' انٹرویو)
13	دریچے	(نثرپارے)
14	ذکرِ حبیب ﷺ	
15	واصف علی واصفؒ (تاثرات و مشاہدات)	
16	گفتگو۔۱	(سوال جواب)
17	گفتگو۔۲	(سوال جواب)
18	گفتگو۔۳	(سوال جواب)
19	گفتگو۔۴	(سوال جواب)
20	گفتگو۔۵	(سوال جواب)
21	گفتگو۔۶	(سوال جواب)
22	گفتگو۔۷	(سوال جواب)
23	گفتگو۔۸	(سوال جواب)
24	گفتگو۔۹	(سوال جواب)
25	گفتگو ۔۱۰	(سوال جواب)
26	گفتگو۔۱۱	(سوال جواب)

﴿کاشف پبلی کیشنز﴾ ۳۰۱ ۔اے جوہر ٹاؤن ۔لاہور

- انسان لائحۂ عمل یا نظریے سے محبت نہیں کرسکتا۔ انسان صرف انسان سے محبت کرسکتا ہے۔
- اس انسان کی تعریف نہ کرو جس کی عاقبت اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔
- کسی مکان کو آگ لگی ہوئی ہو تو آگ لگنے کی وجوہات پر ریسرچ کرنے سے پہلے آگ کو بجھانا فرض ہے۔
- عروج اُس وقت کو کہتے ہیں جس کے بعد زوال شروع ہوتا ہے۔
- نعمت کا شکر یہ ہے کہ اُسے ان کی خدمت میں صرف کیا جائے جن کے پاس وہ نعمت نہیں۔
- اگر آرزو ہی غلط ہو تو حسرتِ آرزو، تکمیلِ آرزو سے بہت بہتر ہے۔
- دوسروں کی خامی آپ کی خوبی نہیں بن سکتی۔
- ہم ایک عظیم قوم بن سکتے ہیں اگر ہم معاف کرنا اور معافی مانگنا شروع کر دیں۔
- سب سے بڑی قوت 'قوتِ برداشت' ہے۔
- سچے انسان کے لیے یہ کائنات عینِ حقیقت ہے اور جھوٹے کے لیے یہی کائنات حجابِ حقیقت ہے۔

کیا بتاؤں کہ کون ہے واصفؔ!
بات کِس کے جہاں سے کرتا ہے

فرمودات حضرت واصف علی واصفؒ